مولانا مُحبّ الحق

نقوش و تاثرات

مفتی امداد الحق بختیار

مولانا محبّ الحق

نقوش وتاثرات

تالیف

مفتی امداد الحق بختیار

استاذ حدیث وصدر شعبۂ عربی ادب

ورئیس تحریر مجلّہ "الصحوۃ الاسلامیۃ" العربیۃ

جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

© جملہ حقوق بحق مولف محفوظ

MAULANA MUHIBBUL HAQUE

NUQOOSH - O - TA'ASSURAT

By: Imdad-ul-Haque Bakhtiar

Year Of Edition 2022

Price : ₹ 360/-

نام کتاب	:	مولانا محب الحق ۔ نقوش وتاثرات
تالیف	:	مفتی امداد الحق بختیار
رابطہ	:	MOB:+91 9032528208, 8328083707
ای میل	:	E-mail: ihbbq1982@gmail.com
سن اشاعت	:	جمادی الاولی ۱۴۴۴ھ مطابق دسمبر ۲۰۲۲ء
قیمت	:	۳۶۰ روپے
صفحات	:	۳۴۸
زیر اہتمام	:	الحق اکیڈمی، فریدی منزل، پروہی، مدھوبنی-847122 (بہار)
کمپوزنگ	:	عبدالرحمان کمپیوٹر گرافکس امروہہ
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

(۱) الحق اکیڈمی، فریدی منزل، پروہی، مدھوبنی، بہار۔

(۲) عبدالرحمان کمپیوٹر گرافکس امروہہ۔Mob:9319110297

(۳) فریدی بکس، ضیاء الحق دہلی۔Mob:9971613461

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

H.O. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.O. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 41418204, 45678286, 45678203, 23216162
E-mail; info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

ترتیبِ کتاب

- افتتاحیہ — امدادالحق بختیار — 15
- دعائیہ کلمات — حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ — 20
- تحسین — حضرت مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری — 21
- تعارف — حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی — 24

پہلا باب: گوشۂ تاریخ

پہلی فصل: تاریخِ مدھوبنی

- تمہید 28
- ترہت اور متھلا کی مختصر تاریخ 28
- متھلا میں مسلمانوں کی آمد 30
- متھلا کی حکومتیں 30
- متھلا تہذیب وثقافت 31
- مدھوبنی تاریخ اور ثقافت 34
- مدھوبنی نام کا پس منظر 34
- مدھوبنی کا علمی وادبی مقام 35
- مدھوبنی کی پینٹنگس 36

- ہندو مذاہب کے مقدس مقامات ۳۶
- مدھوبنی کے چند معزز اہل علم ۳۷
- مدھوبنی کے چند مشہور دینی مدارس ۳۹

دوسری فصل: پروہی: ایک تعارف

- محل وقوع ۴۰
- آبادی ۴۰
- مسلمانوں کی آمد ۴۰
- برادریاں ۴۱
- اقتصاد اور معاش کی بنیاد ۴۱
- تعلیمی صورت حال ۴۲
- پروہی کے علماء وصلحاء ۴۳
- مولانا مجیب الرحمٰن صاحبؒ ۴۳
- مولانا منظور صاحبؒ ۴۴
- مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ ۴۷
- شاہ عبداللہ کریمیؒ ۴۷
- حافظ اختر صاحبؒ ۵۹
- ماضی قریب میں وفات پانے والے علماء ۵۹
- مدارس ومساجد ۶۰
- دارالعلوم حسینیہ، پروہی ۶۰
- جامعہ عبداللہ بن مسعود ۶۱
- دینی اور مذہبی صورت حال ۶۳

- اسکول ٦٣
- مساجد ٦٣
- پروہی کے قبرستان ٦٤
- پروہی کے تالاب ٦٤
- ندی ٦٥
- باغات ٦٦
- کھیت اور کھیتیاں ٦٦
- عیدگاہ ٦٦
- محرم کا تعزیہ ٦٧

تیسری فصل: خاندان - رفتگاں اور قائماں

- ہمارا سابقہ گاؤں ٦٨
- پروہی کو وطن بنانے کا پس منظر ٦٩
- جناب نتھو صاحب اور ان کی اولاد ٦٩
- جناب ولایت حسین صاحب اور ان کی اولاد و احفاد ٧٠
- جناب محمد واجد صاحبؒ ٧٠
- جناب محمد محسن صاحبؒ ٧١
- جناب مطیع الرحمان صاحبؒ ٧١
- جناب حبیب الرحمان صاحبؒ ٧٢
- جناب محمد حنیف صاحبؒ ٧٢
- دادا جان کا ایک خط والد صاحب اور چچا جان کے نام ٧٣
- بھائیوں اور بہنوں کے درمیان مثالی محبت ٧٤

- جناب امیر الحق صاحبؒ.......... ۷۴
- مرحومہ ام ممتاز.......... ۷۵
- حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ.......... ۷۶
- جناب مجیب الحق صاحب.......... ۷۷
- جناب عزیز الحق صاحب.......... ۷۷
- جناب مولانا ظہیر الحق صاحب.......... ۷۸
- مرحومہ ام سلطان.......... ۷۸
- محترمہ ام عرفان.......... ۷۹
- محترمہ ام اقبال.......... ۷۹

چوتھی فصل: شہر امروہہ-تاریخ وشخصیات

- امروہہ کی مختصر تاریخ.......... ۸۰
- مولانا محبّ الحق اور امروہہ.......... ۸۳
- محلّہ سرائے کہنہ امروہہ.......... ۸۴
- امروہہ ومضافات کی تاریخ پر گہری نگاہ.......... ۸۵
- امروہہ کے علمی وادبی حلقوں میں آپ کا مقام.......... ۸۷
- الحاج سید زائر حسین زیدی امروہوی.......... ۸۸
- مولانا حکیم سید عطاء الرحمان.......... ۸۹
- جناب افسر حسن بیگ افسر.......... ۹۰
- جناب توفیق احمد چشتی قادری.......... ۹۲
- مفتی عبد الرحمان صاحب نوگانوی.......... ۹۲
- حکیم شعیب اختر صدیقی.......... ۹۳

- ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی علیگ ۹۳
- جناب جنید اکرم فاروقی جنید ۹۴
- دیگر علمی اور ادبی شخصیات ۹۵

پانچویں فصل: جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ-تاریخ و تعلق

- مختصر تاریخ ۹۶
- جامعہ میں تعلیم اور تدریس ۹۹
- جامعہ کی دیگر خدمات ۹۹
- مادر علمی سے بے نظیر لگاؤ ۱۰۰

دوسرا باب: سیرت وسوانح

پہلی فصل: سوانحی خاکے

- مختصر سوانحی نقوش ۱۰۲
- ولادت باسعادت اور سلسلہ نسب ۱۰۲
- ابتدائی تعلیم ۱۰۲
- متوسط اور اعلی تعلیم ۱۰۳
- مشغولیت اور درس وتدریس ۱۰۴
- جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تدریسی خدمات ۱۰۴
- اعزازی تدریس ۱۰۵
- امامت وخطابت ۱۰۶

○ معمولات ۱۰۶

○ ذوق تصنیف وتالیف ۱۰۷

○ اتباع سنت ۱۰۹

○ اخلاق واوصاف ۱۱۰

○ خوردنوازی ۱۱۲

○ صبر وقناعت ۱۱۳

○ مادیت کے دور میں خودداری کے پاسدار ۱۱۳

○ سادگی وتواضع ۱۱۴

○ ذوق مطالعہ اور علمی جستجو ۱۱۵

○ قوت حافظہ ۱۱۷

○ علمی اسفار ۱۱۸

○ علالت ورحلت ۱۱۸

○ خواب ۱۲۰

○ جنازہ اور تدفین ۱۲۱

○ پسماندگان-اہلیہ محترمہ اور اولادواحفاد ۱۲۳

○ گذرجائیں گے اہل درد — مفتی محمد اسلم صاحب امروہی ۱۲۷

○ یادگارِ بزرگانِ امروہہ — مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری ۱۴۰

دوسری فصل: چند مشہور اساتذہ

○ دورہ حدیث کے اساتذہ ۱۴۷

○ اساتذہ کاادب واحترام ۱۴۷

○ حضرت مولانا سراج احمد خان صاحبؒ ۱۴۹

- حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ ۱۵۰
- حضرت مولانا سید طاہر حسن امروہیؒ ۱۵۱
- حضرت مولانا منظور احمدؒ ۱۵۳
- محدث جلیل حضرت شیخ شبیہ احمد فیض آبادیؒ ۱۵۷
- حضرت مولانا اسماعیل صاحب جویاویؒ ۱۵۹
- حضرت مولانا محمد اکمل صاحبؒ ۱۵۹

تیسری فصل: استاذ مربی شیخ حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ امروہی

- سوانحی خاکہ ۱۶۱
- حضرت فریدی کی بارگاہ میں ۱۶۴
- تمہیں امروہہ سے جانا نہیں ہے ۱۶۵
- استاذ و شاگرد کے مابین بے نظیر تعلق معاصرین کی نگاہ میں ۱۶۷
- مفتی صاحب کے علوم و افکار کی نشر و اشاعت ۱۷۱
- مکتوبات فریدی بنام مولانا محب الحقؒ ۱۷۴

تیسرا باب: خدمات اور کارنامے

پہلی فصل: تدریسی اور تربیتی خدمات

- جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تدریسی خدمات ۱۸۲
- مدرسہ نسیم العلوم محلہ سرائے کہنہ امروہہ ۱۸۴
- انداز تربیت ۱۸۵

صحیح اردو کا اہتمام ۱۸۷

دوسری فصل: دعوتی، ملی اور سماجی خدمات

امامت وخطابت ۱۸۸
تفسیر قرآن ۱۸۹
مناقب صحابہؓ کے موضوع پر جلسوں کا انعقاد ۱۸۹
مکتوبات مولانا عبدالعلیم فاروقی بنام مولانا محبّ الحقؒ ۱۹۱
دعوت وتبلیغ ۱۹۲
سماجی ومعاشرتی خدمات ۱۹۳
قاضی نکاح ۱۹۴

تیسری فصل: تعارف: تصنیفات وتالیفات

از: مفتی امانت علی قاسمی استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند

مولانا محبّ الحقؒ کی زندگی کے چند روشن نقوش ۱۹۵
فیضان نسیم ۱۹۹
مقالات فریدی (تین جلدیں) ۲۰۰
سیرت ذوالنورین ۲۰۲
جواہر پارے ۲۰۳
زیارتِ حرمین ۲۰۴
حکیم الامت کی محفل ارشاد ۲۰۶

- مکتوباتِ مشاہیر ۲۰۹
- سید العلماء ۲۱۰
- اردو تفاسیر و تراجم، علماء دیوبند کی تفسیری خدمات ۲۱۲
- مکتوبات نعمانی ۲۱۲
- حیات فریدی ۲۱۶

چوتھا باب: تاثرات - مشاہیر و معاصرین

پہلی فصل: تاثراتی و تعزیتی مضامین

- جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد — مولانا محمد برہان الدین سنبھلی — ۲۲۲
- ایک وفا شعار، جاں نثار شاگرد — مولانا عتیق احمد بستوی — ۲۲۴
- ایک مخلص عالم اور سادہ و بے ریا شخص — مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی — ۲۲۸
- ان کو بہت قریب سے پہچانتا ہوں میں — مولانا محمد سالم جامعی — ۲۳۱
- قدیم استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد — جناب نظیف الرحمٰن سنبھلی — ۲۳۶
- مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے شاگرد رشید — ڈاکٹر جنید اکرم فاروقی امروہی — ۲۳۹
- ایک جرعۂ نوشِ فریدیؒ — ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی — ۲۴۶
- اک چراغ اور بجھا — مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی — ۲۵۱
- آہ، ہمارے سرپرست نہیں رہے! — مفتی غفران اللہ بھاگلپوری — ۲۶۰
- تیری نیکیاں زندہ تیری خوبیاں باقی — مفتی جوہر علی قاسمی — ۲۶۵
- اگر ہم جانتے داغِ جدائی — مولانا محمد اسعد حسین — ۲۷۱

دوسری فصل: مولانا محبّ الحق مشاہیر کی نگاہ میں

- مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ دہلوی ۲۷۷
- حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ ۲۷۹
- حضرت مولانا شیخ محمد طاہر حسن امروہیؒ ۲۷۹
- محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین الاعظمیؒ ۲۷۹
- حضرت مولانا برہان الدین سنبھلیؒ ۲۸۰
- محقق عصر مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی ۲۸۰
- حضرت مولانا عتیق احمد بستوی ۲۸۰
- حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری ۲۸۱
- ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی ۲۸۱
- مولانا سالم جامعی ۲۸۱
- ڈاکٹر سید محمد طارق امروہی ۲۸۲
- مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری ۲۸۲
- مولانا عارف حسن کاظمی دہلی ۲۸۳

تیسری فصل: چند مشہور شخصیات جن سے قریبی تعلق رہا

- حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سنبھلی ثم لکھنوی بانی مجلّہ الفرقان ۲۸۴
- مکتوباتِ نعمانی بنام مولانا محبّ الحقؒ ۲۸۶
- مفسر قرآن مولانا حافظ قاری سید اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ ۲۹۳

- مکتوباتِ مفسر قرآن بنام مولانا محبّ الحقؒ ۳۰۴
- مولانا سید محمد قاسمؒ سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ..... ۳۰۵
- جناب مولوی عزیز الٰہی خان صاحبؒ ۳۰۸
- مکتوباتِ جناب مولوی عزیز الٰہی خان صاحب بنام مولانا محبّ الحقؒ... ۳۱۱
- حضرت مولانا زین العابدین معروفیؒ ۳۲۰
- مکتوباتِ معروفیؒ بنام مولانا محبّ الحقؒ ۳۲۲
- محقق عصر حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی ۳۲۴
- مکتوباتِ کاندھلوی بنام مولانا محبّ الحقؒ ۳۲۶
- مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارن پوری ۳۳۴
- مکتوبات مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری بنام مولانا محبّ الحقؒ ۳۳۴
- پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ ۳۳۶
- مکتوب جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی ۳۳۶
- پروفیسر نثار احمد فاروقیؒ ۳۳۷
- حکیم صیانت اللہ صاحب امروہیؒ ۳۳۸
- مولانا اعجاز صاحب شیخوپوریؒ ۳۳۸
- مولانا شعیب انجم صاحب بانی و مہتمم مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی...... ۳۴۱

چوتھی فصل: مراثی

مولانا محبّ الحق	جناب افسر امروہوی	۳۴۲
مرثیہ	مولانا نسیم ارشد قاسمی	۳۴۳
مصفی دل، نہایت پاک	مولانا محمد غفران قاسمی بانکوی	۳۴۴
وہ نہیں ہیں آج پر ان کا	مولانا سیف الرحمٰن ندوی	۳۴۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء وأشرف المرسلين، وعلى آله وصحابته أجمعين. وبعد

والد گرامی حضرت مولانا محبّ الحق رحمہ اللہ کی ۶۵ سالہ حیات مستعار تدریس وتالیف، تحقیق وترتیب، اصلاح وتربیت، دعوت وتبلیغ اور عبادت وریاضت سے معمور تھی، وہ اپنے مشن اور مقصد میں ہمہ تن مصروف تھے، اپنے استاد گرامی قدر مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کے علوم ومعارف کی جمع وترتیب، تدوین وتالیف اور نشر واشاعت، ان کی زندگی کے اہم مقاصد میں سے ایک تھا، جس کے لیے انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں، صلاحیتیں اور زندگی کے شب وروز وقف کر دیے، اخیر کے سالوں میں والد صاحبؒ کے یہاں تصنیف وتالیف کا عمل تیزی سے رواں دواں تھا، تقریباً ہر سال کوئی نہ کوئی کتاب طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود کی زینت بن جاتی؛ ذاتی طور پر مجھے خود اس پر مسرت آمیز تعجب ہوتا، چوں کہ ظاہری احوال کے پیش نظر دل میں کبھی یہ بات نہیں آئی کہ ان کی زندگی اپنے آخری مراحل میں ہے؛ لہذا ازل سے طے شدہ ضروری کاموں کی تکمیل کے لیے غیبی منصوبہ بندی کے تحت تیز گامی اور تیز رفتاری کی یہ مہمیز لگائی گئی ہے۔

والد محترم کی صحت اچھی تھی، کسی مہلک اور خطرناک بیماری کے شکار نہیں تھے، لہذا دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ تصنیف وتالیف کا محبوب مشغلہ اپنی سابقہ رفتار کے ساتھ جاری وساری تھا، اپنے استاد مکرم مفتی نسیم احمد فریدی امروہی کی ایک جامع، مفصل اور مستند سوانح

حیات تصنیف فرما رہے تھے کہ اچانک ۱۵/شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳/اگست ۲۰۱۳ء کی رات کوان پر دل کا شدید حملہ ہوااور ایک ہفتہ کے اندر ہی اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔إنا للہ و إنا إلیہ راجعون!

حضرت مولانا محبّ الحقؒ نے اپنے اخلاق واوصاف، معاملات ومعاشرت، عبادت وریاضت، خیر خواہی وہمدردی، اطاعت شعاری ووفاداری، اصلاح وتربیت اور تصنیف وتالیف کے لحاظ سے ایک مثالی زندگی گزاری، چناں چہ عزم وہمت، صبر وشکر، قناعت وخود داری، پیہم جد وجہد، مسلسل کام کی دھن اور لگن، عبادت وریاضت، تعلیم وتربیت، تحقیق وتصنیف، اخلاص وبے نمائی، اعلی اخلاق اور اپنے استاذ کے تئیں بے مثال اطاعت شعاری ووفاداری ان کی زندگی کے نمایاں اوصاف تھے۔اوران کی قابل رشک زندگی ہمارے لیے مینارۂ نوراورنئی نسل کے لیے سرمۂ بصیرت کی حیثیت رکھتی ہے؛ اسی لیے ہم نے مصمم عزم کیا کہ آپ کی روشن حیات وخدمات کو کتاب کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیا جائے؛ تاکہ ہم اپنی زندگی کی مختلف راہوں میں اس نورانی مشعل سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرسکیں اوران کے نقش قدم پر چل کر کسی بھی درجہ میں ان کے جیسی بامقصد زندگی گزارنے کی کوشش کرسکیں؛ کیوں کہ عظیم انسانوں کے پُرعظمت کارنامے پڑھ کرفطری طور پردلوں میں ان جیسا بننے اور کچھ کرگزرنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

لہذا والد گرامیؒ کی وفات کے بعد سے ہی ان کی سوانح حیات کی تالیف کا عمل شروع کردیا گیا؛ لیکن یہ کام کم ازکم مجھ جیسے بے مایہ کے لیے آسان نہیں تھا؛ کیوں کہ اس کتاب کو ایک سوانحی مرقعہ بنانے کے لیے ہم نے درج ذیل امور پر تفصیلی روشنی ڈالنے کی اپنی سی کوشش کی ہے:

۱) وطنی اور خاندانی تفصیلات، جہاں صاحب سوانح کی نشو ونما ہوئی اور جوان کی زندگی میں خشت اول کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۲) تعلیم وتربیت کے لحاظ سے زندگی کے مختلف ادوار اور علمی مراکز، جہاں صاحب سوانح کی شخصیت سازی ہوئی۔

۳) اساتذہ اوران کے احوال، جو صاحب سوانح کی شخصیت سازی میں معمار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۴) مختلف علمی، عملی اور دعوتی خدمات اور کارنامے، جن سے صاحب سوانح کی گونا گوں صلاحیتوں کا ظہور رہوا۔

۵) تصنیفات وتالیفات کا تفصیلی تعارف، جو صاحب سوانح کی فنی مہارت کی عکاس ہیں۔

٦) معاصرین اوران کے تاثرات، جن میں سے ہر ایک اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے صاحب سوانح کی زندگی کو دیکھتے ہیں۔

۷) مشاہیر جن سے خصوصی تعلق رہا اور جنھوں نے صاحب سوانح کی خدمات کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا۔

ظاہر ہے کہ ان تمام عناصر پر مواد حاصل کرنا اور انہیں مرتب کر کے کتابی شکل وصورت میں ڈھالنا محنت طلب، دشوار گزار، صبر آزما اور نازک کام ہے، جو ایک دو دن میں پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا؛ بلکہ میرے لیے یہ تنکا تنکا جمع کر کے آشیانہ بنانے جیسا عمل تھا؛ چناں چہ والد صاحب کے کتب خانہ کے پورے ذخیرہ کو کھنگالنا، متعلقہ چیزوں کو جمع کرنا، ڈائریوں، کاغذات، مسودات اور خطوط کے مطالعہ اور انتخاب میں دماغ سوزی سے کام لینا، والد صاحب کے ہم عصر اصحاب علم وقلم، خاندان کے بزرگوں اور کتاب میں ذکر کردہ شخصیات کے احوالِ زندگی کے لیے ان کے وارثین اور دیگر علماء سے بار بار رابطہ کرنا اور تاریخی مواد کے لیے متعلقہ کتابوں کی حصول یابی کے لیے دوڑ دھوپ کرنا وغیر غیرہ، یہ تمام ایسے مراحل ہیں، جن میں بڑے صبر، ہمت اور پیہم طلب وجستجو کی ضرورت تھی، صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالی کی توفیق سے ان مراحل کو طے کرنے کی قوت اور سعادت حاصل ہوئی۔

پہلے ارادہ تھا کہ والد صاحب کے مقالات ومضامین کو بھی اسی کتاب میں شامل کیا جائے، پھر طوالت کے پیش نظر اسے موقوف کرنا پڑا؛ تاہم اس کتاب میں جتنی شخصیات

کے تذکرے اور سوانحی خاکے ہیں، بجز چند کے سب کے سب والد صاحبؒ کے تحریر کردہ ہیں، انہیں من وعن شاملِ کتاب کیا گیا ہے؛ تا کہ ان کے ذریعہ صاحب سوانح کا اسلوب تحریر اور ذوقِ تحقیق قارئین کے سامنے آسکے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی توفیق سے یہ سوانح ترتیب وتالیف کے قالب میں ڈھل چکی ہے؛ لہٰذا التعریف کے جملہ کلمات اور شکر کی تمام ادائیں اس باری عز اسمہ کی خدمت اقدس میں پیش ہیں، جس نے اس ذرہ بے مقدار کو ہمت، قوت اور توفیق عطا فرمائی اور اس گراں قدر سوانح کی تالیف کے دیرینہ خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ . وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ . (سورة الجاثية: ٣٦،٣٧)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں عاجزانہ دعا ہے کہ اس ادنی کاوش اور حقیر کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے، قارئین کو اس سے دینی نفع پہنچائے، ہمارے والدین، جملہ عزیز واقارب اور مجھ سیاہ کار کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. (سورة البقرة: ١٢٧)

اس موقع پر استاذ گرامی قدر نمونۂ سلف حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ، حضرت مولانا برہان الدین سنبھلیؒ، حضرت مولانا سید محمد سلمان منصور پوری، حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، ان کے خادم خاص مولانا ارشد قاسمی کاندھلوی، حضرت مولانا سالم جامعی، مولانا ضیاء الحق خیر آبادی، جناب نظیف الرحمٰن سنبھلی، ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی امروہی، ڈاکٹر جنید اکرم فاروقی امروہی، مفتی ریاست علی رام پوری، مفتی امانت علی قاسمی، مفتی نوشاد نوری، مولانا غفران اللہ، مفتی جوہر علی قاسمی، مولانا اسد پروہی اور دیگر صاحبان علم وقلم کا احقر دل کی گہرائیوں سے ممنون ومشکور ہے، ان حضرات نے بے پناہ مصروفیات کے باوجود احقر کی درخواست پر اپنی گراں قدر تحریروں سے نوازا۔ **فجزاهم الله خير ما يجزى عباده الصالحين من الكرماء والنبلاء.**

نیز جناب افسر امروہوی مرحوم، مولانا سیف الرحمٰن ندوی، مولانا نسیم ارشد قاسمی اور مولانا محمد غفران قاسمی بانکوی کی خدمت میں بھی ہدیہ تشکر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ ان حضرات نے اپنے معتبر منظوم کلام اور مرثیہ جات سے کتاب کی خوبصورت تکمیل کی راہ ہموار فرمائی، جناب عبدالصبور امروہی (عبدالرحمٰن کمپیوٹر گرافکس شاہی چبوترہ امروہہ) کا کتاب کی کمپوزنگ اور سیٹنگ میں غیر معمولی تعاون رہا، اللہ تعالیٰ تمام حضرات کو اپنی شایان شان اجر جزیل اور ثواب عظیم عطا فرمائے۔

اسی طرح ان تمام اہل خیر حضرات کا ممنون ہوں، جنہوں نے اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کے مصارف برداشت کیے، اللہ تعالیٰ اس تعاون کو ان کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔

اس دعا پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں:

رَبِّ أَوْزِعْنِیْ أَنْ أَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ أَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ. (سورة النمل: ۱۹)

میرے پروردگار! مجھے اس بات کا پابند بنا دیجیے کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کروں، جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور وہ نیک عمل کروں جو آپ کو پسند ہو اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالیجیے۔ (آمین)

خاکپائے فریدی

امداد الحق بختیار

مقیم حال جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد

۱۹/ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۸/ اگست ۲۰۲۲ء

دعائیہ کلمات

استاذ گرامی حضرت اقدس قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ

سابق استاذ حدیث دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

یہ معلوم ہوکر بہت خوشی ہوئی کہ عزیزم جناب مولانا امداد الحق بختیار صاحب نے اپنے والد ماجد جناب مولانا محبّ الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق استاد جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے حالات زندگی کو مرتب کر کے شائع کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔

حسنِ اتفاق کہ امروہہ میں راقم الحروف جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے دوران محلّہ جھنڈا شہید امروہہ میں مع اہل وعیال ۱۹۷۱ء سے تقریباً گیارہ سال تک مقیم رہا، اسی محلّہ میں حضرت اقدس مولانا مفتی نسیم احمد فریدی صاحب نور اللہ مرقدہ کا مکان تھا اور جس مسجد میں حضرت پنج گانہ نماز پڑھتے تھے، راقم الحروف بھی اسی مسجد میں نماز پڑھتا تھا؛ اس لیے حضرتؒ سے بکثرت ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا اور موقع بہ موقع مختلف علمی وفقہی وتاریخی مسائل میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کی توفیق ملی، اس دوران حضرت مفتی صاحب مرحوم کے خادم خاص جناب مولانا محبّ الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا ملاقات ہوئی اور ان کے علمی ودینی شغف سے بہت خوشی ہوتی تھی۔

امید ہے کہ مولانا مرحوم کے حالات پر مشتمل جو کتاب مولانا امداد الحق صاحب نے مرتب کی ہے، وہ مرحوم کی زندگی کے مختلف گوشوں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالے گی۔

خداوند کریم آں عزیز کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے والد مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، آمین!۔

محمد عثمان منصور پوری (مدرس دار العلوم دیوبند)

۱۰/ رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۹/ مارچ ۲۰۱۸ء

تحسین

حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری دام ظلہ
استاذ حدیث دار العلوم دیو بند

باسمہٖ سبحانہ و تعالیٰ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد!

احقر کا بچپن کا زمانہ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۸۲ء تک اَمروہہ میں گذرا، جب کہ حضرت والد ماجد صاحب دامت برکاتہم جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس تھے۔

ہم لوگوں کا قیام محلّہ جھنڈا شہید میں ایک کرایہ کے مکان میں تھا، حسن اتفاق کہ قریبی محلّہ کی مسجد میں جہاں ہم لوگ پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے، وہی مسجد علاقہ کے انتہائی بافیض اور معروف ومشہور بزرگ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد رشید اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اَکابر اور اُن کے خانوادوں کے اَفراد سے والہانہ محبت فرماتے تھے، اِسی مناسبت سے ہم لوگوں پر بھی آپ کی شفقت وعنایت بے حد وحساب تھی، اکثر آپ کی مجلس میں حاضری ہوتی، آپ کی بینائی اُس وقت جاتی رہی تھی، اِس لئے آپ دوسروں سے کتابیں اور رسائل پڑھوا کر سنتے تھے، اور یہ سلسلہ اکثر جاری رہتا تھا، کبھی کوئی کتاب پڑھی جارہی ہے، کبھی کوئی مضمون سنایا جارہا ہے، کبھی مکاتیب ولی اللہی کا ترجمہ کرایا جارہا ہے، اور کبھی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ اور اُن کے مکاتیب کی تلخیص

وترتیب ہورہی ہے۔اور انہیں مشاغل کے درمیان لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر آتے تو حضرت مفتی صاحبؒ اُن کو بھی حل فرماتے تھے، کبھی ضرورت ہوتی تو اِسی دوران نعت ومنقبت کے اَشعار کی آمد بھی شروع ہوجاتی، اور اُن کا بھی املاء کرایا جاتا۔ الغرض ایک مسلسل علمی اور اَدبی مشاغل کا سلسلہ تھا، جو بلاتکان جاری رہتا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی اِن مجالس میں اور علمی مشاغل میں جو حضرات معاون یا کاتب کی حیثیت سے شریک تھے، اُن میں محبّ مکرم جناب مولانا محبّ الحق صاحب مدھوبنی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موصوف پر حضرت مفتی صاحبؒ کو بڑا اعتماد تھا، اکثر اُنہیں سے رسائل وکتب پڑھوا کر سنتے تھے، اُس زمانہ میں ''الفرقان لکھنؤ'' ''رسالہ دار العلوم دیوبند'' اور ''برہان دہلی'' بہت ذوق وشوق سے پڑھے جاتے تھے، اور حضرت مفتی صاحب اِن رسائل کی اَز اول تا آخر سماعت فرماتے تھے۔ اِسی طرح اگر کوئی ضروری مضمون لکھنا ہوتا تو بھی مولانا محبّ الحق صاحبؒ سے اِملاء کراتے تھے۔

اُس وقت مولانا محبّ الحق صاحبؒ محلّہ سرائے کہنہ کی ''اَنار والی مسجد'' کے اِمام تھے، آپ کی زندگی بہت سادہ تھی، کم گوئی اور شرافت ومروت قابل رشک تھی۔ آپ کی فراغت ۱۹۷۳ء میں جامعہ اِسلامیہ جامع مسجد اَمروہہ سے ہوئی تھی، اور آپ حضرت والد صاحب دامت برکاتہم کے نمایاں شاگردوں میں تھے، اور آپ سے نیازمندانہ تعلق رکھتے تھے، اور ہم لوگوں سے بھی بہت ہی محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔

۱۹۸۲ء میں جب حضرت والد صاحب کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا، تو ہم لوگ بھی امروہہ سے دیوبند منتقل ہوگئے؛ لیکن امروہہ سے وابستگی کسی نہ کسی درجہ میں برقرار رہی۔ مولانا محبّ الحق صاحب سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں، اور جب بھی ملتے تو پرانی یادیں تازہ ہوجاتیں، پھر جب بفضل خداوندی ۱۹۹۰ء میں احقر مدرسہ شاہی مرادآباد میں تدریسی خدمت پر مامور ہوا تو بھی زیارت وملاقات کا سلسلہ جاری رہا، بعض مرتبہ تو باقاعدہ ملاقات کے لئے سفر کرکے تشریف لائے، اور بعض مرتبہ اپنی کتابوں کے لئے تقریظ لکھنے یا ''ندائے شاہی'' میں تبصرہ کرنے کا حکم فرمایا، یہ بلاشبہ آپ کے تعلق اور تواضع کی دلیل تھی۔

اَفسوس ہے کہ مولانا موصوف کی عمر نے وفا نہ کی اور ۲۳/اگست ۲۰۱۳ء کو تقریباً ۶۵/سال کی عمر میں آپ عارضہ قلب میں وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے کئی قیمتی کتابیں مرتب فرمائیں، جن میں ''سیرتِ ذی النورین''، ''فیضانِ نسیم''، ''مکتوباتِ نعمانی''، ''مکتوباتِ مشاہیر''، ''مقالاتِ فریدی'' تین جلد، ''سید العلماء'' اور ''حیاتِ فریدی'' قابل ذکر ہیں۔

ضرورت تھی کہ مولانا موصوفؒ کی زندگی کے حالات یکجا طور پر جمع کر دئے جائیں؛ تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنیں۔

احقر کو مسرت ہے کہ مولانا موصوفؒ کے ہونہار صاحب زادے فاضل گرامی مولانا مفتی اِمدادالحق بختیار قاسمی اُستاذ حدیث وصدر شعبہ عربی دارالعلوم حیدرآباد نے اِس جانب پیش قدمی فرمائی اور قیمتی سوانحی معلومات جمع کرنے کی سعادت حاصل کی، جو بہت قابل قدر ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائیں اور آخرت میں اولیاء اللہ کے ساتھ حشر فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۹/۱۱/۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲/۸/۲۰۱۸ء

تعارف

گرامی قدر مولانا ضیاء الحق خیرآبادی زید مجدہ

مدیر مجلّہ رشد و ہدایت سہ ماہی

بزرگان دین اور اللہ کے نیک و صالح بندوں کی زندگی بعد کے لوگوں کے لئے اسوہ و نمونہ اور مشعل راہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں ان کے لئے سفر حیات کو طے کرنا اور زندگی کے لائحۂ عمل کو ترتیب دینا بے حد آسان ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر سلف صالحین، بزرگان دین اور علماء حق کی وفات کے بعد اور کبھی ان کی حیات ہی میں ان سے قربت رکھنے والے، شب و روز ان کی بارگاہِ علم و معرفت سے فیضیاب ہونے والے اہل قلم کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے استاذ و مربی یا شیخ و مرشد کی سوانح حیات لکھنے کا اہتمام کرتے چلے آرہے ہیں، جس میں ان کی خدماتِ جلیلہ، اخلاص وللہیت، مجاہدہ و ریاضت، ذوق عبادت اور دیگر احوال و وقائع کو بیان کرتے ہیں، جس سے مستند معلومات بعد والوں کو حاصل ہوتی رہتی ہیں۔

ابھی ماضی قریب میں انھیں صالحین امت میں سے ایک برگزیدہ؛ لیکن گمنام علمی شخصیت حضرت مولانا محبّ الحق صاحب علیہ الرحمہ کی تھی، جو حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی علیہ الرحمہ کے تلمیذ باصفا، خادم خاص اور ان کی تحریروں کے محافظ و امین تھے، مولانا موصوف کی ذات گرامی خود غرضی کے اس دور میں اخلاص و ایثار اور اطاعت و وفا کا ایک نادر نمونہ اور روشن علامت تھی، ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی گرانقدر شخصیات کے متعلق تفصیلی معلومات اس دور کی نئی نسل کے نوجوانوں تک ضرور پہونچائی جائیں؛ تاکہ وہ

اسے مشعل راہ بنائیں، اس لئے کہ اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت کی جتنی ضرورت پہلے تھی اس سے کہیں زیادہ آج کی نسلِ نَو کو ہے؛ بالخصوص مدارس اسلامیہ کے اساتذہ وطلبہ کو؛ خصوصاً ایسی صورتحال میں جبکہ اصحاب فضل وکمال وارباب سلوک ومعرفت دن بدن کمیاب؛ بلکہ نایاب ہوتے جارہے ہیں، نہ بزرگان دین کی مجالس معرفت باقی رہیں، نہ ہی روحانی تربیت کے مراکز ''درسگاہیں وخانقاہیں'' مزید برآں ہماری بے حسی اور دین بیزاری جس نے تعلیم وتربیت کا ستیاناس کررکھا ہے، ایسے ماحول میں اہل اللہ کی سوانح حیات اور آپ بیتیاں اصلاح حال کا ایک اہم اور مؤثر ذریعہ ہیں۔

مولانا امدادالحق صاحب قاسمی جو ''الولدُ سرٌ لأبیه'' کا صحیح مصداق ہیں، جن کو عربی اوراردو دونوں زبان پر اللہ نے بے پناہ قدرت کے ساتھ ساتھ خاصان خدا اور اہل اللہ سے عقیدت ومحبت کا ذوق بھی عطا کیا ہے، انھوں نے اپنے ذی مرتبت والدگرامی کے حالات زندگی کو نہایت معتبر ومستند ذرائع سے اتنے سلیقہ سے مرتب کردیا ہے کہ ان کے علاقے اور ضلع مدھوبنی کی جغرافیائی تفصیلات وتاریخی احوال، مولانا محبّ الحق صاحب کے سلسلۂ نسب، خاندان وبرادران کی مکمل تفصیل، خود ان کے ابتدائی حالات، تعلیمی مراحل، حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی سے قربت وتعلق اور ان کے اصلاحی وتحریری مشن کو جاری رکھنے کی فکر ولگن، یہ تمام چیزیں نمایاں ہوکر سامنے آگئی ہیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف کی حیات وخدمات پر وقت کے ارباب علم وفن، اصحاب فکر ونظر کے زریں مضامین واقوال کو بھی جگہ دے کر اس کتاب ''مولانا محبّ الحق - نقوش وتاثرات'' کو صاحب سوانح کی حیات وخدمات پر ایک قیمتی اور مستند دستاویز بنادیا ہے، جو بعد میں کام کرنے والوں کے لئے ایک بہترین مآخذ ثابت ہوگی۔

کتاب چار ابواب اور پندرہ فصلوں پر مشتمل ہے:

پہلا باب: گوشۂ تاریخ

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں: پہلی فصل: تاریخ مدھوبنی، دوسری فصل: پروہی-

ایک تعارف، تیسری فصل: خاندان- رفتگاں اور قائماں، چوتھی فصل: شہرامروہہ- تاریخ وشخصیات اور پانچویں فصل: جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ-تاریخ وتعلق۔

دوسراباب: سیرت وسوانح

اس باب میں تین فصلیں ہیں: پہلی فصل سوانحی خاکے، دوسری فصل: چند مشہور اساتذہ اور تیسری فصل: مفتی نسیم احمد فریدی سے تعلق۔

تیسراباب: خدمات اور کارنامے

اس باب میں بھی تین فصلیں ہیں: پہلی فصل: تدریسی اور تربیتی خدمات، دوسری فصل: دعوتی، ملی اور سماجی خدمات اور تیسری فصل: تعارف-تصنیفات وتالیفات۔

چوتھاباب: تاثرات-مشاہیر ومعاصرین

اس باب میں چار فصلیں ہیں: پہلی فصل: تاثراتی وتعزیتی مضامین، دوسری فصل: مولانا محبّ الحقؒ مشاہیر کی نگاہ میں، تیسری فصل: چند مشہور شخصیات جن سے قریبی تعلق رہا، چوتھی فصل: مراثی۔

یہ کتاب پر میرے تاثرات اور اس کا مختصر تعارف ہے۔کتاب اس لائق ہے کہ مطالعہ میں رکھی جائے، ان شاء اللہ اصلاح اور معلومات کا بیش قیمت ذریعہ ثابت ہوگی۔

ضیاءالحق خیرآبادی

۱۵/ذوقعدہ ۱۴۳۹ھ

مطابق ۲۹/جولائی ۲۰۱۸ء، یکشنبہ

مدرس مدرسہ تحفیظ القرآن، سِکٹھی،

مبارک پوراعظم گڈھ یوپی

ومدیر مجلّہ رشدوہدایت سہ ماہی

پہلا باب

گوشۂ تاریخ

پہلی فصل

تاریخِ مدھوبنی

تمہید

مدھوبنی کو پہلے ضلع کی حیثیت حاصل نہیں تھی ،قدیم زمانہ سے یہ دربھنگہ ضلع کا ایک حصہ تھا؛اس لیے مورخین نے اس کودربھنگہ اور متھلا کی تاریخ کے ذیل میں ہی اکثر ذکر کیا ہے،مستقلاً اس کی تاریخ کی طرف کم توجہ کی گئی؛لیکن جب ۱۹۷۲ء میں یہ ایک الگ ضلع بنا ہے،اس وقت سے اہل علم اور دانشوران مدھوبنی نے اس جانب ہلکی سی پیش رفت کی ہے اور متھلا اور دربھنگہ کی قدیم تاریخوں سے تلاش وجستجو اور تحقیق وتنقیح کے مشکل ترین مراحل طے کر کے کچھ تاریخی مواد جمع کرنے کی کامیاب اور لائق ستائش کوشش کی ہے؛لیکن اس کی جامع تاریخ کاباب ہنوز تشنہ ہے۔

مدھوبنی ،ترہت (جس کا دوسرا نام متھلا ہے) کا صدر مقام ہے اور قدیم متھلا موجودہ مدھوبنی سے کئی گنا بڑا تھا،اس کی اپنی تاریخ ،زبان اورتہذیب وثقافت ہے؛اس لیے ہم پہلے متھلا کی تاریخ بیان کرتے ہیں،جس سے مدھوبنی (صدر مقام) کے قدیم ایام کو سمجھنا آسان ہوگا۔

ترہت اور متھلا کی مختصر تاریخ

ہمالیہ کی گود میں آباد ایک بڑے علاقہ کومتھلا (MITHLA) کہا جاتا ہے ،جو پورب میں کوسی ،پچھّم میں گنڈک ،شمال میں ہمالیہ اورجنوب میں گنگا تک پھیلا ہوا ہے،یہ اپنی قدیم تاریخ ،زبان وادب اورتہذیب وثقافت کے اعتبار سے پورے ملک میں منفرد

حیثیت رکھتا ہے،اس کی تاریخ بہت قدیم ہے،متھلا کو''ترہت'' بھی کہا جاتا ہے،قدیم دور میں''تیر بھگت'' کے نام سے بھی یہ علاقہ جانا جاتا تھا،مورخین کی تحقیق کے مطابق متھلا کا وجود(۳۰۰۰) قبل مسیح ہوا۔

منشی بہاری لال فطرت نے ہندوؤں کی مذہبی کتاب (بشن پران) کے حوالے سے لکھا ہے کہ راجہ نیمی مہاراج اکچھواک سورج بنسی کے بڑے بیٹے تھے، جو ترہت کے حکمراں تھے،ان کے فرزند راجہ میتھ کے نام پر یہ علاقہ متھلا کہلایا۔(آئینۂ ترہت،ص:۸،بحوالہ حیات مجاہد،ص:۳۲)

یہ راجہ جنک کی راجدھانی رہی ہے،اس بادشاہ کے حوالے سے اس علاقہ کو بڑی شہرت ملی،راجہ جنک کا زمانہ قبل مسیح کا ہے،یہ ویدک علم اور ویدک ثقافت کا مرکز سمجھا جاتا تھا، یہاں ویدک علم کے بہت سے نامور اہل علم گزرے ہیں،ودیا پیٹھ جو میتھلی کے شہرہ آفاق شاعر گزرے ہیں اسی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

''تیر'' کے معنی سنسکرت میں دریا کے ہیں اور بھگت کے ایک معنی واقع ہونے کے بھی ہیں، چناں چہ اس علاقہ میں کثرت سے ندیاں اور دریا واقع ہیں؛اس لیے اسے تیر بھگت بھی کہا جاتا تھا پھر ممکن ہے عوام نے تیر بھگت سے ''ترہت'' بنا دیا ہو؛ کیوں کہ جب عوام میں کسی نام کا چلن ہوجاتا ہے،تو آہستہ آہستہ اس طرح کا تصرف ہوجایا کرتا ہے۔(حیات مجاہد،ص:۲۶)

پروفیسر آغا عمادالدین احمد متھلا کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''متھلا قدیم ہندوستان کا ایک شہر اور قرون وسطی کی ایک سلطنت تھا، آٹھویں اور ساتویں صدی قبل مسیح کا دور اس شہر (غالباً جنک پور) کے عروج کا دور تھا،متھلا سلطنت وید بہار کا پایہ تخت تھا،یہ سلطنت شمالی بہار اور جنوبی نیپال پر محیط تھی،اس کے شمال میں کوہ ہمالیہ،جنوب میں دریائے گنگا،مغرب میں دریائے گنڈک اور مشرق میں دریائے کوسی واقع ہے

،رامائن کی مرکزی خاتون کردار راج کماری سیتا ،متھلا کے راجہ جنک کی بیٹی تھی ،اس وقت کے متھلا شہر کی تعمیر اعلی منصوبہ بندی کے تحت عمل میں لائی گئی تھی ، یہ اپنے زمانے کا وسیع اور کشادہ شہر تھا ،جس کو اپنے حسین باغات اور دلکش عمارات پر بجاطور پر فخر تھا۔(وادی بالان ،ص:۱۲)

متھلا میں مسلمانوں کی آمد

تاریخی مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے غیاث الدین تغلق ۷۲۴ھ میں بنگال کی ایک مہم سے واپس ہوتے ہوئے ترہت کے علاقہ میں آیا ،اس وقت غالباً ہرسنگھ دیپ اس خطہ کا فرمانروا تھا ،اس نے بادشاہ کے خوف سے راہ فرار اختیار کی اور قلعہ چھوڑ کر ایک جنگل کی راہ لی ، بادشاہ نے قلعہ پر قبضہ کیا ،اس جنگل کو صاف کرایا اور اس جگہ بستی بسائی ، راجہ گرفتار ہوا ، بادشاہ نے ملک تلیغہ کے لڑکے احمد خان کو اس علاقہ کی حکومت سپرد کی ، یہی غیاث الدین تغلق کی بسائی ہوئی بستی دربھنگہ سے موسوم ہوئی ۔

متھلا کی حکومتیں

غیاث الدین تغلق کے بعد اس علاقہ میں گاہے خودمختار اور گاہے دارالخلافہ دہلی کے باجگذار ہندو راجاؤں کی حکومت کا سلسلہ جاری رہا ،محمد تغلق کے عہد میں بھب سنگھ دیپ راجہ ہوا ،اسی کے دور میں حاجی شمس الدین الیاس نے حاجی پور بسایا ،تغلقوں کے بعد لودھیوں نے بھی اس علاقہ پر یلغار کی ہے اور ۹۰۰ھ میں سکندر لودھی ترہت آیا ،اس وقت کے ترہت کے راجہ نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر چندلاکھ تنکہ سالانہ خراج ادا کرنے پر بادشاہ سے معاملہ طے کر لیا تھا ، بادشاہ مبارک خاں لوحانی کو خراج کی وصولی پر مامور کر کے خود واپس چلا گیا۔

مہاراجہ بھب سنگھ کے خاندان نے کم وبیش دوسو سال اس خطہ پر حکومت کی ہے ، اس کے بعد مہاراجہ دربھنگہ کا ستارۂ اقتدار چمکا ،مہیش ٹھاکر کا ایک وفاشعار شاگرد رگھونندن رائے اکبر کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنی مناظرانہ صلاحیت اور علمی لیاقت کی وجہ سے بادشاہ پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے ، بادشاہ نے رگھونندن رائے کو ۱۵۵۸ء

میں ترہت کی جاگیر عطا کی، لائق شاگرد نے اپنے لائق استاذ مہیش ٹھاکر کو اپنی طرف سے حکومت کا یہ نذرانہ پیش کیا، مہیش کو تو اس سے کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی، لیکن اس کے لڑکے گوپال ٹھاکر نے کاروبار حکومت میں دلچسپی لی اور زمینداری اپنے خاندان کے نام منتقل کرائی۔

جہانگیر کے عہد میں گوپال ٹھاکر کا بھتیجا پرشوتم ٹھاکر زمیندار ہوا، یہ زمینداری انگریزی عہد تک باقی رہی اور ۱۷۶۵ء کے بعد جب عظیم آباد، اڑیسہ اور بنگال کا علاقہ انگریزوں کے سپرد ہوا اور لارڈ کلایو گورنر جنرل مقرر ہوا، یہ علاقہ مہاراج دربھنگہ کی زمینداری کے ساتھ انگریزوں کی عملداری میں آ گیا۔

یہاں الگ الگ وقتوں میں متعدد خاندانوں کی حکومت رہی ہے، جن میں راجہ جنک خاندان کے علاوہ منرین خاندان، سوریہ خاندان، گپت خاندان، تارشاہ خاندان اور پالا خاندان قابل ذکر ہیں، ڈاکٹر منظر سلیمان (دربھنگہ) نے متھلا کی تاریخ پر تفصیلی مقالہ لکھا ہے، جس میں متھلا کے حکمراں اور راجاؤں کا عہد بہ عہد تذکرہ کیا ہے، ان کی تحقیق کے مطابق ۱۰۸۹ء میں نانדیو کرناٹک سے یہاں آیا اور ایک مضبوط حکومت قائم کی، اس نے سمراؤ گڑھ (نیپال) کو اپنا پایہ تخت بنایا، ۱۱۴۷ء میں گنگا دیو بادشاہ ہوا، اس نے دربھنگہ کو اپنی راجدھانی بنایا، ۱۱۸۷ء میں نرسنگھ بادشاہت کی کرسی پر متمکن ہوا، اسی کے دور میں عظیم سپہ سالار محمد بن بختیار خلجی نے اس علاقہ پر حملہ کیا اور فتح حاصل کی، اس طرح مختلف بادشاہوں نے اس خطہ پر بادشاہت کی، انگریزی دور حکومت میں بھی یہاں راج دربھنگہ کی حکومت قائم تھی ۱۸۱۵ء میں برطانوی حکومت نے چھتر سنگھ کو مہاراج کا خطاب دیا، اس کے بعد کئی مہاراجہ یہاں کے گدی نشیں ہوئے، آخری مہاراجہ کامیشور سنگھ تھا، جو مہاراج دھیراج کہلایا، ۱۹۶۲ء میں اس کی موت کے ساتھ دربھنگہ راج کا خاتمہ ہوگیا۔

(متھلا کا گورومی اتہاس (ہندی) از: ڈاکٹر سوونیر ٹینس بال کرکٹ ایسوسی ایشن، دربھنگہ)

متھلا تہذیب وثقافت

ڈاکٹر امام اعظم (مدیر سہ ماہی تمثیل نو، دربھنگہ) یہاں کی تہذیب وثقافت کی

عکاسی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’جغرافیائی خاکہ پر اگر نظر ڈالی جائے، تو متھلا کی سرزمین پر پہاڑی سلسلے تو نظر نہیں آئیں گے، یہ ہمالیہ کی ترائی میں بسا ہوا ایک ایسا علاقہ ہے، جسے میدانی علاقہ کہا جاتا ہے، اس میدانی علاقہ میں باغ اور کھیت کے دراز سلسلے نظر آئیں گے، اس کے علاوہ ندیوں کے بھی سلسلے یہاں موجود ہیں، کم محنت میں کاشتکاری، باغبانی یہاں کے لوگ کرتے رہے ہیں، قدیم زمانہ ہی سے دیہی علاقوں میں پختہ مکانات بنانے کا سلسلہ نہیں رہا ہے؛ کیوں کہ یہ علاقہ عموماً سیلاب کی زد میں رہتا ہے، ندیاں اپنے راستے بھی بدل دیتی ہیں، یہ علاقہ کافی زرخیز ہے، یہاں کے لوگ نرم اور میٹھی زبان بولتے ہیں، جسے ’’میتھلی‘‘ کہا جاتا ہے، یہ علاقہ روحانی مرکز رہا ہے، یہاں بڑی تعداد میں خانقاہیں اور مٹھ موجود ہیں، سنسکرت کے مہاکاویوں میں اس علاقہ کی نشاندہی کی گئی ہے، سیتا کا سویمبر بھی اسی علاقہ میں رچا گیا تھا، یہاں کے لوگ عام طور پر پکا ہوا کھانا پسند نہیں کرتے، چوڑا اور دہی ان کی مرغوب غذا ہے، برہمن عام طور پر مانس اور مچھلی نہیں کھاتے؛ لیکن بنگال سے ملحق ہونے کے سبب یہاں کے سوتری اور میتھلی برہمن بنگال کے اثر سے مچھلی کھانا پسند کرتے ہیں اور سادہ زندگی گزارتے ہیں، پاگ، پان، مچھلی اور مکھانا کے لیے بھی یہ علاقہ مشہور ہے، یہاں کے آم بھی شہرت کے حامل ہیں، یہاں کے قدیم علوم وفنون میں زائچہ بنانا، علم نجوم میں دلچسپی رکھنا اور سنسکرت کو اوڑھنا بچھونا بنانا عام تھا، برہمن کلچر حاوی ہونے کے سبب یہاں ’’ورن ویوستھا‘‘ ذات پات پر سماج کا ڈھانچہ بخوبی دیکھا جاسکتا ہے، متھلا کا قلب جو پنڈول کے گرد و نواح کا علاقہ مانا جاتا ہے، وہاں ’’اُگنا‘‘ نام کا ایک شخص بے حد مشہور ہوا، جسے شیو کا اوتار مانا جاتا ہے اور اس کی شاعری میں گہرے تشبیہی امکانات

اور نقوش کے پہلو دیکھنے کو ملتے ہیں، ''ودیا پتی'' کے نام سے موسوم اس شخص نے ایک ادبی تحریک کو جنم دیا، جو اس علاقہ کی علاقائی زبان کے لیے ایک ایسا نمونہ ہے، جس سے بعد میں آنے والی نسل بھی فیضیاب ہوتی رہی، یہ علاقہ اپنی پینٹنگس کی وجہ سے بھی دنیا بھر میں مشہور ہے اور ''متھلا پینٹنگس'' کے نام سے معروف ہے، پینٹنگ کی دنیا میں اسے اہم مقام حاصل ہے، یہاں کی خواتین گھر کی دیواروں پر اس کا نمونہ بناتی ہیں ، یہ علاقہ کثیر آبادی کا علاقہ ہے، یہ بہار کے شمال میں ہے؛ لیکن جنوبی بہار کے مقابلہ میں یہاں آبادی زیادہ گھنی ہے، یہاں برسوں سے برہمنوں کی بالا دستی رہی ہے ،اس علاقہ میں یونانیوں کا بھی اثر رہا ،مغل بھی آئے ،راجے مہاراجے بھی رہے ،زمینداروں کا بھی دور دورہ رہا؛ لیکن جنوبی بہار کے مقابلے میں یہاں غربت ہونے کے باوجود اس کی بے چینی اور تشدد کا ماحول اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف بغاوت کی کوئی لہر تیز نہیں رہی، آج بھی کچھ نکسلی تنظیمیں یہاں سرگرم ہیں؛ مگر نیپال کی طرح ماؤوادیوں کے طرز پر کوئی تحریک نہیں ابھری، کثیر آبادی اور غربت کے باوجود مغلوں اور فرنگیوں کے آنے کے بعد بھی یہاں امن وشانتی برقرار رہی اور آج بھی برقرار ہے''۔(سہ ماہی تمثیل نو، دربھنگہ، ص:۳۰)

مختلف زمانوں میں متھلا کے مختلف شہروں کو تاریخی حیثیت حاصل رہی ہے، بہت سے علاقے اپنی گوناں گوں خصوصیات کے لحاظ سے مشہور ہوئے ،حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا یہ جملہ ''بلدہ بہار مجمع علماء بود'' یعنی بہار علماء کا مرکز ہے۔ (انفاس العارفین، ص: ۶۲، بحوالہ محی الملۃ والدین، مقدمہ: ۲۲) صوبہ بہار کے لیے باعث افتخار ہے اور اس کے علمی مقام ومرتبہ کو سند اعتبار بخشتا ہے، وہیں دربھنگہ کی علمی حیثیت کے لیے ابوالفضل فیضی کا ایک جملہ بھی قابل فخر اور باعث ناز ہے، اکبر کے وزیر باتدبیر ابوالفضل فیضی نے آئین اکبری میں دربھنگہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''دیرگاہ بن گاہ مرکز دانش ہند'' (یعنی دربھنگہ ہندوستان میں علم ودانش کا مرکز ہے) (آئین اکبری، ج:۲،ص:۶۷)

مدھوبنی تاریخ اور ثقافت

بہار کے شمال مشرق میں پہلے دو بڑے اضلاع تھے: دربھنگہ اور مظفر پور، بعد میں ان دونوں سے کئی اضلاع وجود میں آئے: مثلاً مدھوبنی، سیتامڑھی اور سمستی پور وغیرہ۔

مدھوبنی، دربھنگہ کے شمال میں نیپال کی سرحد سے متصل علاقہ ہے، ۱۹۵۶ء میں یہ سب ڈویزن کی حیثیت سے وجود میں آیا اور ۱۹۷۲ء میں اسے ضلع کا درجہ ملا، اس کا کل رقبہ (۳۵۰۱) مربع کلومیٹر ہے، اس ضلع کے شمال میں نیپال، مغرب میں سیتامڑھی، مشرق میں سوپول وسہرسہ اور جنوب میں دربھنگہ آباد ہے۔

یہاں مسلم آبادی (۱۸) فیصد ہے، ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ضلع میں مسلمانوں کی آبادی (۶۴۱۵۷۹) ہے۔

مدھوبنی نام کا پس منظر

اس سلسلے میں مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں کوسی ندی بہتی ہے، جس کا قدیم نام ''مدھوشروانا'' تھا، اسی کی طرف نسبت ہے۔

(۲) اسے ہندو خواتین کے ایک تہوار مدھوشراونی سے بھی وابستہ قرار دیا جاتا ہے، جسے نوعروسی دلہن شادی کا پہلا سال مناتی ہے، اس میں برہمن اور کائستھ گھرانے کی خواتین دلچسپی لیتی ہیں۔

(۳) چند مورخین اسے راجا مادھوسنگھ کے نام پر آباد علاقہ بتاتے ہیں، جن کے وارثین کی کوٹھیاں آج بھی شہر مدھوبنی کے قریب واقع ہیں۔

(۴) ایسا بھی مانا جاتا ہے کہ یہاں میٹھے پھل اور مدھو (یعنی شہد) کے بن (یعنی جنگلات) رہے ہوں گے، جب یہ علاقہ آباد ہوا تو اسی مناسبت سے اسے مدھوبنی پکارا جانے لگا، جس کے معنی ہیں شہد کے جنگلات، اس آخری وجہ تسمیہ پر

بیشتر مورخین کا اتفاق ہے۔(تمثیل نو،ص:۸۳،مضمون:ڈاکٹر مجیر احمد آزاد)

(۵) مدھوبنی، مدھو(یعنی میٹھا)وانی (یعنی آواز اور زبان) سے بنا ہے،یعنی یہاں کی زبان چوں کہ شیریں اور میٹھی ہے؛اس لیے اس خطہ کو مدھوبنی کہتے ہیں۔

(Madhubani-Britannica Online encyclopedia)

مدھوبنی کا علمی وادبی مقام

دربھنگہ کی طرح مدھوبنی کی تاریخ بھی بہت قدیم ہے،علم وادب اور خصوصاً ہندو مذہبی علم سے اس کا رشتہ بہت پرانا ہے،ڈاکٹر مجیر احمد آزاد یہاں کے علم وادب کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’مدھوبنی زمانہ قدیم سے گہوارہ علم وادب رہا ہے،تہذیبی وثقافتی اعتبار سے یہ خطہ متھلا کا نمائندہ شمار کیا جاتا ہے،مابعد ویدک عہد میں یہاں کے مفکروں اور رشیوں نے اپنی تصانیف سے ملک گیر پیمانہ پر اہل علم کو متاثر کیا،یاگیہ،ولکیہ،گوتم اور کپل منی کے اسمائے گرامی اس ضمن میں لیے جاسکتے ہیں،یہاں سنسکرت زبان وادب کی تعلیم کا عمدہ انتظام زمانہ قدیم سے تھا،اس وقت جب گروکل آشرم کا رواج تھا،ملک بھر سے کافی تعداد میں طلبہ اپنی تشنگی علم کی سیرابی کے لیے یہاں آتے تھے،ان کا قیام اپنے استاذ (گرو) کے آستانے پر ہوا کرتا تھا،تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب وثقافت کی بقا اور کردار کی پختگی کا درس یہاں کی خصوصیات میں شامل تھا،یہاں کے فارغین قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے،ہندو مذہبی عقیدے کے مطابق وشوامتر کا گروکل اسی خطہ میں آباد تھا،جہاں رام کو تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا گیا،اس عہد میں مذہبی علوم کے ساتھ قواعد یوگ،جیوتش اور فلسفہ وغیرہ تعلیم کے اہم موضوعات تھے،مدھوبنی کے اجیٹھ میں اس طرح کا ایک اسکول تھا،جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہاں کالی داس معلم تھے،آج بھی اس جگہ کو کالی داس کی چوپاتی (کالی داسک چوپاتی) سے

موسوم کیا جاتا ہے، عہد وسطی میں مدھوبنی کے بسفی بلاک گاؤں میں میتھلی زبان کے معروف شاعر ودیاپتی نے اپنے گیت سے اس خطہ ارض کو ملک گیر پیمانہ پر شہرت سے ہم کنار کیا، سنسکرت زبان وادب کی ترقی میں یہاں کے عالموں کا نام سرفہرست لیا جاتا ہے، اپاجی مشر، شنکر مشر اور واچسپتی مشر وغیرہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، مدھوبنی ایک شاندار ماضی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے''۔(تمثیل نو،ص:۸۳)

مدھوبنی کی پینٹنگس

متھلا جس پینٹنگ کی وجہ سے پوری دنیا میں شہرت رکھتا ہے، اس کی نمائندگی یہی شہر مدھوبنی کرتا ہے، یہ صرف مصوری ہی نہیں ہے؛ بلکہ متھلا کی تہذیب وثقافت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرنے والا آرٹ ہے، یہ آرٹ نسل درنسل خواتین کے ذریعہ میتھلی معاشرہ میں منتقل ہوتا رہا ہے، اس میں فنکار بغیر کسی اسکیچ کے محض اپنی انگلی یا بانس کی کھپچی سے مختلف رنگوں سے تصاویر بناتے ہیں، ان تصاویر میں علامات سے بھی کام لیا جاتا ہے، جس میں یہاں کی عام زندگی بھرپور طور پر نمایاں ہوتی ہے، کوہور، جے مالا اور دیوی دیوتاؤں کی مصوری عام طور سے کی جاتی ہے، اول الذکر میں مرد وعورت کے جنسی معاملات کی تشبیہ ملتی ہے، اس مصوری میں علامتوں کا کمال بھی ملتا ہے، مثلاً پیلا رنگ زمین، لال رنگ آگ اور سیاہ رنگ ہوا کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

سیتا دیوی، شانتی دیوی اور باؤ دیوی متھلا مصوری کے لیے بین الاقوامی سطح پر بڑے نام ہیں، ان سب کا تعلق مدھوبنی سے ہے، مدھوبنی پینٹنگس کی نمائش جاپان، امریکہ، فرانس اور روس وغیرہ میں ہوتی رہتی ہے، مدھوبنی اس مصوری کی آماج گاہ ہے، اس کے مراکز مدھوبنی کے علاوہ بھوانی پور، لہریا گنج، رانٹی اور راج نگر وغیرہ ہیں، دربھنگہ اور مدھوبنی ریلوے اسٹیشن اور بہار بھون میں اس کے عمدہ نمونے نصب ہیں۔(تمثیل نو،ص:۸۵)

ہندو مذاہب کے مقدس مقامات

ہندو مذاہب کے متعدد مقدس مقامات اس علاقہ میں موجود ہیں، جن کی وجہ

سے پورے ملک کے ہندو متھلا اور بالخصوص مدھوبنی کو تقدس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، کپلیشو راستھان فلسفی کپل منی کے نام پر آباد ہے، جو شیو مندر کے لیے معروف ہے، مشہور فلسفی گنگیشیا سے منسوب منگرونی بھی مذہبی مقامات میں اہمیت کا حامل ہے، یہاں کئی قدیم منادر موجود ہیں، یہیں سے تانبے کی پلیٹ کتبہ کی شکل میں برآمد ہوئی ہے، اجیٹھ کو کالی داس کی پاٹھ شالہ کے لیے تہذیبی اور ثقافتی طور پر مانا جاتا ہے، بسول اور پھلہر، رام اور سیتا کے تعلق سے آباد ہیں، پھلہر (پھول روہن) سیتا کے پھول چننے کی جگہ سے مشہور ہے، نیم تاریخی اور ہندو میتھالوجی کی وجہ سے اس کی عقیدت بڑھ جاتی ہے، بسول میں وشومتر، جو رام اور لکشمن کے استاذ تھے، کا گروکل آشرم تھا، بسفی کا نام عالمی شہرت یافتہ شاعر ودیاپتی کی وجہ سے ضلع کے لیے باعث افتخار رہے، پنڈول، منگرونی، شکری، نرہیا اور سریسو وغیرہ اپنی تہذیب اور ثقافتی سرگرمیوں کے لیے متھلا میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ (تمثیل نو، ص:۸۵)

مدھوبنی کے چند معزز اہل علم

اگر اس ضمن میں غیر منقسم اور قدیم مدھوبنی، جو دربھنگہ کا ایک حصہ تھا، کا اعتبار کیا جائے، تو بہت سے ناموں کے ساتھ دو نام تاریخ کے اوراق میں جلی نظر آتے ہیں (۱) ملا ابوالحسن دربھنگویؒ، جن کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی ہند کا سب سے نمایاں اور یادگار علمی کارنامہ ’’فتاوی عالم گیری‘‘ کی ترتیب کے لیے، خدا ترس، صاحب نظر اور علم پرور بادشاہ اورنگ زیب عالم گیرؒ نے پورے ملک سے اہم اور ممتاز علماء و اصحاب بصیرت فقہاء کا انتخاب کیا تھا، ان مرتبین میں چار چار نام علماء بہار کے ہیں، جن میں سے ایک ملا ابوالحسن دربھنگویؒ بھی ہیں۔ (حیات مجاہد، ص:۲۵، ۲۸)

(۲) اس سنہرے سلسلہ میں دوسرا نام شیخ ابو محمد ہدایت اللہ صدیقیؒ کا ہے، جن کی علمی منزلت بیرون ہند بھی مسلم تھی، بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلیؒ نے اپنے والد ماجد اور شہرۂ آفاق عالم ملا نظام الدین کی وفات کے بعد دربھنگہ آکر ان سے کسب فیض کیا، ہندوستان کے علاوہ مصر کے بھی بہت سے علماء ان سے علوم اسلامی میں سند حاصل کرنے کو

اپنے لیے مایۂ افتخار سمجھتے تھے۔ (حیات مجاہد، ص: ۲۸)

ان کے علاوہ دینی و تعلیمی خدمات اور سماجی سرگرمیوں کے لحاظ سے جو شخصیات تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں ان میں مولانا شرف الدین صاحبؒ (رتھوس) بانی مدرسہ محمود العلوم دملہ، مولانا ادریس صاحبؒ دملہ بانی مدرسہ محمود العلوم دملہ، مولانا سعید قاسمیؒ (چندرسین پور) جو علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۲۹۲ھ=۱۸۷۵ء- ۱۳۵۱ھ =۱۹۳۲ء) کے شاگرد اور مدرسہ بشارت العلوم کھرائن کے بانی تھے، نیز مولانا عتیق الرحمان قاسمیؒ چندرسین پور (۲۳/ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵/ جولائی ۱۹۳۵ء وفات ۹/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۱/ اکتوبر ۱۹۸۸ء) سابق مہتمم مدرسہ بشارت العلوم کھرائن، مولانا صابر حسین قاسمی مدنیؒ (چندرسین پور) سابق مہتمم مدرسہ اشرف العلوم کنہواں، صاحب سوانح و صاحب تصانیف کثیرہ حضرت مولانا محبّ الحقؒ پروہی اور حضرت مولانا ازہر حسینؒ، رتھوس خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ و بانی و مہتمم مدرسہ حسینیہ رانچی، جھارکھنڈ و رکن شوری دار العلوم دیوبند (ولادت: ۷/ جولائی ۱۹۲۴ء، وفات: ۱۳/ مئی ۲۰۱۷ء مطابق ۱۶/ شعبان ۱۴۳۸ھ)، مولانا قاضی حبیب اللہ قاسمی، قاضی شریعت دار القضاء، مدھوبنی، (ولادت: ۱۳/ اگست ۱۹۵۷ء، وفات: ۳۰/ جولائی ۲۰۲۰ء)، مولانا زبیر احمد قاسمی، چندرسین پور، ناظم مدرسہ اشرف العلوم کنہواں سمشی و رکن اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی (ولادت: ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء، وفات: ۱۳/ جنوری ۲۰۱۹ء مطابق ۶/ جمادی الآخرہ ۱۴۴۰ھ) اور مولانا نذر الحفیظ ندوی (ولادت: ۱۹۳۹ء، وفات: ۲۸/ مئی ۲۰۲۱ء مطابق ۱۶/ شوال ۱۴۴۲ھ)۔

موجودہ علماء میں حضرت مولانا اسلم صاحب قاسمی شیخ الحدیث باغوں والی (بھتورا)، مولانا قیصر حسین ندوی، لوکہی، استاذ تفسیر و ادب عربی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا اشرف عباس قاسمی استاذ دار العلوم دیوبند، مولانا زبیر احمد قاسمی پوکھرونی، سابق پرنسپل مدرسہ نور الہدیٰ، قضیاہی، مولانا مفتی ابوذر قاسمی استاذ فلاح المسلمین وصدر جمعیۃ العلماء ہند (محمود مدنی گروپ)، دملہ، مولانا اخلاق حسین کریمی قاسمی ندوی، پرسونی، استاذ جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ، مولانا شعیب انجم پروہی بانی و مہتمم مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی

،مولانا ابرار صاحب قاسمی اجراوی، مولانا غفران ساجد صاحب بھروا، چیف ایڈیٹر بصیرت آن لائن۔ مولانا شاہد صاحب استاذ دارالعلوم وقف دیوبند، مولانا ابرار احمد کٹھیلا ،مولانا عمر فاروق صاحب قاسمی دملہ، مولانا قیصر صاحب کٹھیلا مہتمم مدرسہ بشارت العلوم کھرما، مولانا انس صاحب قاسمی کٹھیلا استاذ ونائب مہتمم محمود العلوم دملہ، مفتی افضل حسین گڑھیا، مولانا حسنین صاحب مہتمم مدرسہ معہد عائشہ نورچک، مولانا فہیم اختر صاحب استاذ حدیث مدرسہ فیضان القرآن کٹھیلا، مولانا فاتح اقبال ندوی صاحب مہتمم مدرسہ چشمۂ فیض ململ، مولانا نوشاد صاحب دملہ استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن راجا بازار پٹنہ، مولانا رضوان صاحب پتونہ، مولانا شبلی صاحب اسراہی نائب ناظم امارت شرعیہ پٹنہ بہار، مولانا رحمت اللہ اثری صاحب دملہ مہتمم جامعۃ الفلاح بلریا گنج۔

ان کے علاوہ بھی میری معلومات کی ایک لمبی فہرست ہے اور جن اکابر وعلماء سے میری معلومات ناقص اور قاصر ہیں ان کی صحیح تعداد اور ان کا مقام ومرتبہ اللہ (عالم الغیب والشہادۃ) ہی بہتر جانتا ہے۔

مدھوبنی کے چند مشہور دینی مدارس

دینی تعلیمی اداروں میں (۱) مدرسہ محمود العلوم ،دملہ (۲) مدرسہ احمدیہ مدھوبنی (۳) مدرسہ رحمانیہ، یکہتہ (۴) مدرسہ چشمۂ فیض ململ (۵) مدرسہ فلاح المسلمین، بھوارہ (٦) مدرسہ اسلامیہ راگھونگر (۷) مدرسہ فیضیہ عربی کالج جمیلا (۸) مدرسہ نوریہ پچھی (۹) مدرسہ قدرتیہ شکری (۱۰) مدرسہ اسلامیہ اندھرا ٹھاڑھی (۱۱) مدرسہ نورالہدی قضیاہی (۱۲) مدرسہ سراج العلوم سنگرام (۱۳) مدرسہ ہارونیہ بسہن گاما (۱۴) مدرسہ کاشف العلوم پرسونی (۱۵) مدرسہ عائشہ نورچک ،بسفی (۱٦) مدرسہ حسینیہ دارالعلوم پروہی (۱۷) مدرسہ امدادیہ اشرفیہ طیب نگر، راجوپٹی، سیتامڑھی، (۱۸) جامعہ اسلامیہ فیضان القرآن کٹھیلا، ان کے علاوہ اور بھی مدارس ہیں جن کا ذکر طویل الذیل ہے۔

(یکہتہ واطراف اور یہاں کی دونامور شخصیات، مولانا منور سلطان ندوی)

❑❑❑

دوسری فصل

پروہی: ایک تعارف

محل وقوع

موضع پروہی اپنے صدر مقام مدھوبنی سے مغرب کی جانب تقریباً (۲۱) کیلومیٹر اور شہر دربھنگہ سے جانب شمال میں تقریباً (۳۰) کیلومیٹر اور پٹنہ سے (۱۲۷) کیلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے، اور کیوٹی رنوے بلاک سے کچھ شمال اور مغرب کی جانب، بینی پٹی سے جنوب کی جانب اور جالے سے مشرق کی جانب واقع ہے اور یہاں سے قریب ترین ریلوے اسٹیشن کمتول ہے، جو پروہی سے مغرب کی جہت میں تقریباً (۱۰) کیلومیٹر پر ہے۔ اور یہ بستی، تیسی، نرشام، گرھیا، بھیڑوا، کٹھیلا، سکھراری، پتونہ اور اسراہی کے درمیان واقع ہے۔

آبادی

دوہزار گیارہ کے سروے کے مطابق اس بستی میں رہائش پذیر فیملیز (Families) کی مجموعی تعداد (۵۴۹) ہے اور اس کی آبادی (۲۸۶۴) افراد پر مشتمل ہے، جن میں (۱۴۶۵) مرد اور (۱۳۹۹) خواتین اور (۶۳۹) چھ سال کی عمر تک کے بچے ہیں۔ (www.census2011.co.in)

مسلمانوں کی آمد

پہلے کبھی یہ خالص ہندوؤں کی بستی تھی، یہاں ''دُساد'' (DUSAD) نامی ذات کے لوگ رہتے تھے، سب سے پہلے ''محدث'' (Muhaddis) نام کے ایک مسلمان یہاں آکر آباد ہوئے، انہیں کی اولاد میں حافظ اختر حسین صاحبؒ، مولانا منظور

صاحبؒ اور مولانا مجیب الرحمان صاحبؒ وغیرہ کے خاندان ہیں، بستی کی آدھی آبادی انہیں کی نسل سے ہے، ان کے علاوہ بھی دیگر مسلم خاندان کہیں دوسری جگہ سے آ کر یہاں آباد ہوئے ہیں، ہمارا خاندان بھی پہلے ''بلانٹھ'' (مدھوبنی) میں تھا، وہیں سے ہمارے پر دادا ولایت حسین صاحبؒ اور ان کے بھائی نھو صاحبؒ نقل مکانی کر کے یہاں متوطن ہوئے اور آج ان کی نسل بستی کے ایک بڑے حصہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسی طرح ہمارے پھوپھا جناب محبّ الحق صاحب کا خاندان سمیلہ سے آیا ہے۔

برادریاں

پروہی ایک مسلم اکثریتی بستی ہے، جہاں غیر اقوام نہ ہونے کے برابر ہیں، صرف سات آٹھ گھر چمار اور تیلی کے ہیں اور ہندوؤں کے بہت سے گھرانے آبادی سے نکل کر ''گھڑیا'' کی جانب ایک علاقہ ہے، جس کا نام ٹولوہ (TOLWA) ہے، وہیں جا کر یہ لوگ آباد ہو گئے ہیں اور مسلمانوں میں شیخ صدیقی خاندان زیادہ ہیں، اس برادری کے لوگ پورے گاؤں میں پھیلے ہوے ہیں، کچھ نائی حضرات ہیں، جو بستی کی جامع مسجد سے مغرب اور شمال کی جانب میں رہتے ہیں اور تھوڑے بہت انصاری برادری کے بھی گھرانے ہیں، جن کے مکانات جامع مسجد سے جنوب کی جہت میں ہیں، یہی تین برادریاں یہاں آباد ہیں، سب سے بڑی خوبی جو اس گاؤں کو دیگر بستیوں سے ممتاز کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں کبھی ذات اور برادری کے نام پر تنازع نہیں ہوا، سبھی طبقہ کے لوگ آپس میں شیر وشکر ہو کر رہتے ہیں، آپسی بھائی چارگی، اخوت ومحبت اور ایک دوسرے کے لیے تعاون کے جذبات اہل پروہی میں نمایاں نظر آتے ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسری قسم کے لوگ یہاں بالکل معدوم ہیں۔

اقتصاد اور معاش کی بنیاد

آج سے تقریباً (۳۰) سال قبل تک یہاں کے اقتصاد اور معاش کا مدار زراعت اور جانوروں کی تجارت پر تھا، اکثر لوگ کسان پیشہ تھے، کھیتی ہی ان کا ذریعہ معاش تھی؛ لیکن گلوبلائزیشن (Globalization) کے اس دور میں، جس سے پچھلی تمام روایات،

تہذیبیں اور جینے کے طور طریقے متاثر ہوئے ہیں، جس میں تمام اقوام عالم ایک دوسرے سے متعارف ہوئی ہیں، ایک دوسرے کی تہذیب وثقافت، تعلیم وتربیت اور انواع واقسام حرفت کا بڑے پیمانے پر لین دین اور تبادلہ ہوا ہے۔

پروہی کی عوام بھی جدید تقاضوں اور چیلنجیز سے غافل نہیں رہی، اس نے تعلیم اور تجارت کے میدان میں خوب طبع آزمائی کی، اب یہاں کا بڑا طبقہ تعلیم سے وابستہ ہے، دوسری طرف دہلی، ممبئی، کلکتہ اور ہندوستان کے دیگر بڑے شہروں میں یہاں کے بہت سے لوگ مختلف اقسام کے کاروبار اور تجارت سے وابستہ ہیں، ایک بڑی تعداد بیگ، سوٹ کیس اور بیلٹ کے کاروبار سے منسلک ہے، کچھ حضرات کارچوپ (کپڑے پر ہاتھ کی کڑھائی) اور دیگر کام بھی کرتے ہیں۔

تعلیمی صورت حال

یہاں صوبۂ بہار کی اعلی شرح خواندگی پائی جاتی ہے، ۲۰۱۱ء کے سروے کے مطابق پورے صوبے کی مجموعی شرح خواندگی (61.80%) کے مقابلے، یہاں کی شرح خواندگی (62.02%) رہی ہے، جس میں مردوں کی شرح خواندگی (66.67%) اور خواتین کی (57.17%) ہے۔(www.census2011.co.in)

چناں چہ گذشتہ سالوں میں تعلیم کی طرف توجہ زیادہ ہوئی ہے، دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا بھی رجحان بڑھا ہے، پیشہ وارانہ تعلیم کے مختلف شعبوں میں نوجوانوں نے اچھی پیش قدمی کی ہے، ان کی کاوشیں اور جدوجہد مستقبل کے لیے امید افزا ہیں اور توقع کی جاسکتی ہے کہ آئندہ اس میں اور اضافہ ہوگا۔

جہاں تک دینی تعلیم کا تعلق ہے، تو ماضی بعید سے ہی یہاں اس کا بہت اہتمام رہا ہے، ایک اندازے کے مطابق اس وقت بھی یہاں تقریباً (۲۰۰) سے زائد حفاظ ہیں اور (۵۰) سے متجاوز علماء کی تعداد ہے، جن میں استاذ الاساتذہ امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا اسرائیل صاحب امام وخطیب جامع مسجد پروہی وسابق استاذ مدرسہ حسینیہ دار العلوم/ پروہی، مولانا شعیب انجم صاحب بانی ومہتمم مدرسہ شمس العلوم، شاہدرہ/دہلی، قاری اشفاق صاحب

امام ومدرس دولۃ قطر، مولانا حشمت اللہ صاحب استاذ مدرسہ جامعہ ابوبکر صدیقؓ شمس آباد فرخ آباد، مولانا ازہر صاحب مدرس سرہہ رمول رنیپال، قاری حسنین صاحب، قاری کیس صاحب کنسی سمری، قاری اسجد زبیر صاحب مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی، مولانا شاہد صاحب شمس العلوم شاہدرہ دہلی و مولانا وقاری طیب صاحب (صاحبزادگان جناب حاجی الیاس صاحب)، مولانا مرتضی صاحب معاون مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی، مولانا رضوان انجم صاحب قاسمی مہتمم جامعہ رحمانیہ دار القرآن، اولڈ مصطفیٰ آباد، دہلی ۹۴، قاری فاروق صاحب مہتمم مدرسہ سراج العلوم منڈولی دہلی، مولانا اشرف علی صاحب مدرس مدرسہ دار العلوم حسینیہ پروہی، مولانا حسین صاحب مدرس مدرسہ دار العلوم حسینیہ پروہی، مولانا ارشد صاحب قاسمی امام مسجد بلال پروہی، مفتی امجد صاحب قاسمی مدرس مدرسہ امدادیہ سیتامڑھی، مولانا اسعد صاحب سابق مدرس مدرسہ ابوبکر صدیق اسراہا، دربھنگہ، مولانا عبد اللہ صاحب بن مولانا اسرائیل صاحب، مولانا رحمت اللہ مظاہری ولد حافظ صابر کریمی صاحب، مولانا نسیم احمد ندوی ولد محمد ہاشم شیخ صاحب، مولانا امان اللہ ندوی بن مولانا عبد الحنان صاحب وغیرہ ......قابل ذکر ہیں، یہ فہرست بہت طویل ہے، کتاب اور صاحب کتاب کے لیے احاطہ کرنا بہت دشوار ہے، نیز نوجوان اور جید علماء کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد تیار ہو چکی ہے۔

پروہی کے علماء وصلحاء

یہ بستی ہمیشہ سے ہی علماء اور صلحاء کا ماوی ومسکن رہی ہے، جب سے مسلمانوں نے یہاں قدم رکھے ہیں، اسی وقت سے انھوں نے علم دین کی طرف خصوصی توجہ دی ہے؛ اور علوم نبوت کا کوئی نہ کوئی چراغ اپنی روشنی سے جہالت، بدعت وخرافات اور غیر اسلامی رسم ورواج کی تاریکیوں کو مٹاتا رہا ہے؛ چناں چہ بہت سے علماء اس سرزمین کے پردے سے عالم وجود میں آئے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند کے تذکرے پیش کیے جاتے ہیں:

مولانا مجیب الرحمٰن صاحبؒ

آپ اس بستی کے سب سے پہلے عالم دین ہیں، علاقہ کے اکثر حضرات آپ کے تقوی وطہارت اور صالحیت کی گواہی دیتے ہیں، آپ نے ''آرہ'' کے کسی مدرسہ سے

تعلیم حاصل کی تھی اور پپری (PUPRI) (سیتامڑھی) میں ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے، اخیر عمر تک وہیں رہے، عوام کے درمیان آپ کو عزت ومحبوبیت حاصل تھی، آپ عیدین کے امام بھی تھے، ۱۹۳۵ء کے تاریخی زلزلے کے واقعہ کے آس پاس آپ کا انتقال ہوا، کئی چشم دید حضرات نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ انتقال کے بعد آپ کی قبر پر رات کو روشنی ہوتی تھی، متعدد حضرات نے یہ منظر دیکھا ہے اور جب لوگوں کی توجہ اس طرف زیادہ ہوئی تو قدرتی طور پر وہ روشنی بند ہوگئی۔

مولانا منظور صاحبؒ

آپ ایک جید عالم دین تھے اور اس گاؤں کے سب سے پہلے قاسمی بھی، آپ کے مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مونگیری صاحبؒ (۹/جمادی الاخری ۱۳۳۲ھ = ۷/اپریل ۱۹۱۴ء- شب ۲، ۳/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ = ۱۹، ۲۰/مارچ ۱۹۹۱ء بروز منگل بدھ) آپ سے ملاقات کے لیے پروہی تشریف لایا کرتے تھے، آپ حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے، کئی سال تک آپ نے مدرسہ محمود العلوم، دملہ/مدھوبنی میں انتظامی خدمات انجام دی ہیں اور اخیر میں گھر پر ہی دودھ کے کاروبار کی دیکھ ریکھ کیا کرتے تھے، اللہ تعالی نے آپ کو علم کے ساتھ ساتھ مال ودولت سے بھی خوب نوازا تھا، آپ بڑے زمیندار تھے۔ مسائل کا استحضار بھی آپ کو خوب تھا، آپ کے پاس گھر پر ایک بڑا کتب خانہ تھا، جس میں کافی اہم کتابیں تھیں، وارثین ان قیمتی کتابوں کی حفاظت نہ کرسکے، جماعت کی نماز کے پابند تھے، اخیر عمر تک انتہائی ضعف کے باوجود دوسروں کے سہارے مسجد جایا کرتے تھے۔

ذیل میں مولانا کا کچھ سوانحی خاکہ پیش کیا جاتا ہے:

نام ونسب اور ابتدائی حالات

حضرت مولانا منظور احمد قاسمی (مقام پروہی، ضلع مدھوبنی بہار) بہار کے ممتاز علماء میں تھے، آپ کے والد ماجد کا نام جناب عبد الغفار تھا، نسباً شیخ صدیقی اور معزز اور خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، آپ کی ولادت تقریباً ۱۹۰۰ء میں ہوئی، آپ دو بھائی تھے

اور دو بہنیں بھی تھیں، بڑے بھائی کا نام محمد مہدی حسن تھا، وہ تعلیم یافتہ اور ایک باشعور انسان تھے، دربھنگہ راج میں منشی کے عہدے پر فائز تھے، گھوڑے پر شاہانہ سوار ہو کر دربھنگہ کے لیے گھر سے نکلتے تھے، ان کے بالمقابل مولانا منظور احمدؒ ابتدا میں بظاہر لاابالی اور کھلاڑی قسم کے تھے، پڑھنے لکھنے کی طرف کوئی رجحان نہیں تھا، گاؤں کی ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے پڑھائی چھوڑ کر گھر کی کھیتی میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا، گھر کے دیگر کاموں میں بڑے بھائی شیخ مہدی حسن کے گھوڑے کا چارہ لانا بھی مولانا کی ذمہ داری تھی، والد صاحب کو یہ چیز پسند نہیں تھی، وہ چاہتے تھے کہ منظور احمد بھی تعلیم حاصل کرے، تاکہ دونوں بھائی باعزت زندگی گزار سکیں، انہوں نے مولانا کو بارہا سمجھایا؛ مگر مولانا نے کوئی دھیان نہیں دیا اور اس طرح عمر کا بڑا حصہ ضائع ہوتا رہا۔

آخر عاجز آکر والد صاحب کی زبان سے ایک دن یہ جملہ نکلا کہ اگر تو نہیں پڑھے گا تو ساری زندگی مہدی حسن کی نوکری کرے گا، یہ جملہ مولانا پر بجلی بن کر گرا، اچانک طبیعت کا رخ تبدیل ہوا اور تقریباً سولہ، سترہ سال (۱۶، ۱۷) کی عمر میں (جو عام طور پر تعلیم کی تکمیل کی عمر ہوتی ہے) بغیر کسی اطلاع کے خاموشی کے ساتھ ماں کے بٹوہ سے چھ (۶) روپے لے کر نکل گئے، کمتول اسٹیشن پہنچے، اور ٹرین کے ذریعہ آرہ چلے گئے، آرہ کے مدرسہ امداد الغرباء میں داخلہ لے لیا اور تعلیم شروع ہوگئی اور گھر والوں کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع دی، خط ملتے ہی والد صاحب تشریف لائے اور مولانا کو منانے کی کوشش کی اور گھر واپس چلنے کے لیے بھی کہا؛ لیکن مولانا آمادہ نہیں ہوئے، وہیں کچھ طلبہ کو پڑھا کر اپنی ضرورت کے بقدر خرچ نکال لیتے تھے، اس طرح گھر سے استغناء کا معاملہ رکھا۔

کلکتہ، پٹنہ اور دارالعلوم دیوبند میں تعلیم

کچھ عرصہ بعد کلکتہ تشریف لے گئے اور (غالبًا) مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخل ہوئے وہاں دوران تعلیم ایک استاذ نے کہا کہ جس کو دنیا حاصل کرنی ہو، وہ یہاں پڑھے اور جس کو دین حاصل کرنا ہو، وہ دیوبند چلا جائے، یہی وہ زمانہ تھا جب پٹنہ میں مدرسہ شمس الہدی قائم ہوا تھا اور ملک کے طول وعرض سے بڑے بڑے علماء وہاں بلائے گئے تھے، غالبًا وطن عزیز

کے اس نو خیز مدرسہ کی شہرت نے مولانا منظور احمد کو بھی متاثر کیا اور وہ دیوبند سے قبل مدرسہ شمس الہدی پٹنہ پہنچ گئے اور مولانا عبدالشکور آہؒ اور مفتی سہول احمد عثمانیؒ وغیرہ کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا، حدیث غالباً حضرت آہؒ سے اور فقہ مفتی سہول صاحبؒ سے پڑھی، یہاں سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، دیوبند میں امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ آپ کے رفیق درس تھے، حضرت امیر شریعت کا دارالعلوم دیوبند میں زمانۂ تعلیم ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء سے ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء تک ہے۔

فراغت کے بعد

۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں دارالعلوم سے آپ نے تعلیم کی تکمیل کی، دارالعلوم سے واپسی پر گھر میں اقامت اختیار کی اور گھر پر ہی مخصوص طلبہ کی تعلیم و تربیت کا کام شروع کیا، کسی مدرسہ میں ملازمت نہیں کی؛ البتہ مختلف مدارس کے رکن شوری رہے، جن میں مدرسہ محمود العلوم دملہ ضلع مدھوبنی اور مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا ضلع دربھنگہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، دملہ میں حضرت مولانا ادریس صاحبؒ سے گہرا ربط تھا اور اکثر ان سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے، آپ مدرسہ محمود العلوم دملہ کے تین سال مہتمم بھی رہے مولانا نے بہت محتاط زندگی گزاری، رکنیت یا اہتمام کے پورے دور میں کبھی کسی مدرسہ کا کھانا نہیں کھایا اور نہ تنخواہ قبول کی، رات میں قیام کی نوبت آتی تو گھر سے کھانا منگوا لیتے تھے، خاص حالات میں مدرسہ کا چندہ بھی فرما دیتے تھے، امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، تاحیات پرسونی (ضلع مدھوبنی بہار) میں عیدین کے امام رہے۔

سعادت حج

اللہ پاک نے حج کی سعادت سے بھی سرفراز فرمایا، اس کا بھی قابل رشک واقعہ ہے: آپ کے بڑے بھائی منشی مہدی حسن حج کی تیاری کر رہے تھی، مولانا بھی اپنے بھائی کی مدد میں شامل ہو گئے، خواب میں رسول پاک ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور ﷺ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: ہمارے یہاں نہیں آؤ گے؟ آپ نے اپنی غربت کا عذر پیش کیا، اس طرح مسلسل تین شب زیارت نصیب ہوئی اور ہر بار آپ کو دربار حاضر ہونے کی دعوت دی

گئی اور آپ اپنی بے چارگی کا عذر کرتے رہے، حضور ﷺ نے مختلف لوگوں کے نام بتائے کہ فلاں سے روپے لے لو، آخری شب دیکھا کہ سیدہ فاطمہ الزہرہؓ کھانا لیے کھڑی ہیں اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ کھانا تمہارے لیے ہے، صبح ہوئی تو مولانا نے اس خواب کا تذکرہ اپنی اہلیہ محترمہ سے کیا، پاک باطن خاتون نے کہا کہ پہلی فرصت میں گھر کے چاول فروخت کریں اور حج کو تشریف لے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

وفات

اس طرح انہوں نے ایک پاک اور مثالی زندگی گزاری، لوگوں کے دلوں میں ان کا بہت احترام پایا جاتا تھا، آپ کی حیات میں آپ کا گھر مرجع علماء وعوام تھا، لمبی عمر پائی، ۳/صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۸/ مئی ۲۰۰۰ء بروز پیر بوقت نماز عصر وفات ہوئی، جنازہ کی نماز آپ کے فرزند مولانا عبدالحنان قاسمیؒ نے پڑھائی، جنازہ میں قریب وبعید کے سینکڑوں لوگوں نے شرکت کی۔ (یہ معلومات جزوی تصرف کے ساتھ درج ذیل کتاب سے مستفاد ہیں: تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ مع کلیات آہ، مرتب مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی ظفیر الدین اکیڈمی، جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور، بہار، انڈیا، اشاعت ۱۴۳۹ھ م ۲۰۱۸ء، ۳۶۹-۳۷۱)

مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب بھی اس بستی کے موقر عالم دین اور بافیض شخصیت تھے، مدرسہ محمود العلوم دملہ اور دیگر مدارس میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کے پسماندگان میں مولانا افتخار صاحبؒ، حاجی اعجاز صاحب اور جناب مدنی صاحب وغیرہ ہیں۔ (مقدور بھر کوشش کے باوجود آپ کی مزید سوانحی معلومات دستیاب نہیں ہوسکی)

شاہ عبداللہ کریمیؒ

تاریخ اسلام میں ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ اسلام بیزاروں، کفر کے علمبرداروں اور انکار والحاد کے ماحول میں پروان چڑھنے والے بت پرستوں نے اسلام کو گلے لگا کر، ایسی مثالی زندگی گذاری اور وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ اسلامی دنیا انگشت

بدنداں رہ گئی، چناں چہ پشتہا پشت سے چلے آرہے مسلمان بھی ان کے اعمال وافعال، کردارواخلاق اور دعوت وتبلیغ میں بے پناہ جدوجہد کو دیکھ کر رشک کرنے لگے، انھیں خوش نصیب، برگزیدہ، چنیدہ اور خدا کے محبوب ومقبول بندوں میں سے ایک حضرت شاہ عبداللہ کریمی کی ذات گرامی بھی تھی۔

یہ وہ شخص ہیں، جو کبھی خود ضلالت وگمراہی میں تھے؛ لیکن جب ہدایت ان کا مقدر بنی، جب تقدیر نے انھیں خدا کی دہلیز پر لاکھڑا کر دیا اور اسلام کا پاکیزہ جام پلایا، جو رگ وریشہ میں سرایت کرکے، دل ودماغ پر اس طرح چھا گیا، کہ اس کے خمار اور نشے سے وہ تادم اخیر نکل نہ سکے اور جانے وہ خود کتنوں کو اسی خمار اور مدہوشی میں مبتلا کر گئے، یہی نہیں، بلکہ وہ ایک عالم کی رشد وہدایت کا ذریعہ بنے، کہ کتنے گنہ گاروں، بدکاروں اور نافرمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت توبہ کی اور اپنی زندگی کو احکامِ اسلامی اور سنت نبوی کی اتباع سے خوشگوار بنایا۔

جی ہاں! یہ وہ مرد صالح ہیں، جنھوں نے اپنی مثالی زندگی، اخلاقِ کریمانہ اور خدمتِ خلق کے ذریعہ نہ صرف موضع ''پروہی'' بلکہ ''بسفی بلاک'' اور ضلع مدھوبنی کو بھی ایسی شہرت دوام عطا کی، کہ پروہی اور اہالیان پروہی کو بجا طور اپنے اس ''متبنّٰی سپوت'' پر فخر حاصل ہے۔

زندگی کا انقلابی موڑ

یوں تو آپ کی زندگی ماقبلِ اسلام بھی اسی فطرت اسلام پر قائم تھی، جس پر خالق کائنات نے آپ کو وجود بخشا تھا؛ چنانچہ آپ شروع ہی سے بت پرستی اور ہندوانہ رسم ورواج سے اجتناب کرتے تھے؛ بلکہ بہت ساری اسلامی فروعات پر عمل پیرا بھی تھے، جیسے ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا اور نماز وغیرہ کا اہتمام کرنا؛ مگر انقلابی موڑ اس وقت آیا، جب آپ نے اپنی زندگی کے چھٹے دہے میں یہ سنا کہ حضرت مولانا بشارت کریم (گڑھول شریف، سیتامڑھی) کے دستِ حق پر کوئی پنڈت مسلمان ہوا ہے، جس کے بعد آپ کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس پنڈت سے ملاقات کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ حقیقت میں

مسلمان ہوا ہے، یا اسلام کی آڑ میں گوشت خوری کرنا چاہتا ہے؟ جب آپ اس نومسلم پنڈت کے پاس، اس کی جھونپڑی میں پہنچے اور اپنی سابقہ ریاضت ومجاہدہ کی روشنی میں اس کی حالت کا اندازہ لگایا اور اسے مخلص پایا، تو اس سے دریافت کیا کہ یہ دولت تمھیں کہاں سے نصیب ہوئی؟ اس نے حضرت مولانا بشارت کریمؒ کے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ آپ اس طرف ہو لیے، حضرت مولانا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، سلام کیا، اس وقت مولانا وضو کر رہے تھے، دیکھتے ہی فرمایا: پڑھ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' یہ سنتے ہی آپ کئی فٹ اوپر اچھل کر زمین پر گر پڑے اور مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، کچھ دیر کے بعد افاقہ ہوا، تو قریب کے تالاب میں جا کر غوطہ لگایا، اتنی دیر پانی کے اندر رہے کہ دیکھنے والوں کو ڈوب کر مر جانے کا اندیشہ ہوا، مگر تھوڑی دیر بعد آپ دوسری جانب سے نکلے اور حضرت مولاناؒ کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

مولانا اختر امام عادل حضرت شاہ صاحب کے قبول اسلام کا واقعہ لکھتے ہیں:

> ''جب حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کے اسلام لانے کی خبر مشتہر ہوئی، تو بہت سے ہندوؤں نے ان کو دوبارہ ہندو مذہب کی طرف واپس لے جانے کی کوششیں کیں، ان میں ایک شاہ عبداللہ بھی تھے، وہ حضرت پنڈت جی کو ہندتوا کے عقائد ونظریات سمجھانے کے لیے آئے تھے؛ لیکن وہ خود حضرت پنڈت جیؒ کے شکار ہو گئے، حضرت پنڈت جیؒ نے فرمایا کہ '' اچھا تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہے؟ حضرت بادشاہ (حضرت گڑھولویؒ) کے پاس چلو، حضرت پنڈت جیؒ نے حضرت بادشاہؒ سے کہا کہ یہ مسلمان ہونے کے لیے آیا ہے، حضرت اقدسؒ نے فرمایا: پڑھو کلمہ: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' شاہ عبداللہ صاحب کہتے تھے: کہ میں نے کلمہ پڑھ دیا؛ حالانکہ میں مسلمان ہونے کو نہیں گیا تھا اور پھر شاہ صاحب واقعتاً مسلمان ہو گئے۔''

(حیات قطب الہند حضرت منورویؒ، اختر م امام عادل قاسمی، ناشر: دائرۃ المعارف الربانیۃ

جامعہ ربانی منوروا شریف، سمتی پور، بہار، اشاعت (۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۱ء) ص: ۸۲۸۔)

گھر سے ہجرت

آپ کے گھر واپس ہونے سے قبل ہی وہاں سب کو آپ کے اسلام لانے کی خبر مل چکی تھی، خاندان کے تمام افراد غصہ سے بپھر رہے تھے، والد صاحب بھی بہت ناراض ہوئے اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، یہ صورت حال دیکھ کر آپ نے ہجرت کا عزم کرلیا اور گھر سے روانہ ہوگئے، آموں کا موسم تھا، باغ میں والدہ سے ملے، چونکہ اکلوتے تھے، بہت لاڈ پیار سے پرورش ہوئی تھی، والدین کے جگر کے ٹکڑے اور آنکھوں کے تارے تھے، ایک لاڈلا بیٹا، تمام زمین وجائداد کا اکیلا وارث، والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک سب کو چھوڑ کر جارہا تھا، پیاری ماں سے آخری ملاقات کے لیے آیا ہے، ماں کی ممتا جاگ گئی، آنکھیں ڈبڈبا گئیں، جسم کانپنے لگا، ہونٹ تھرتھرانے لگے، بھرّائی ہوئی آواز نکلی: بیٹا یہ زمین وجائداد اور ماں باپ کو کس کے سہارے چھوڑے جارہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ آپ بھی مسلمان ہوجائیں اور میرے ساتھ چلیں، ورنہ میں چلا، بس یہ کہہ کر چلتے بنے اور ''مہدولی'' (Mehdoli) دربھنگہ کے جنگل میں ایک عرصے تک روپوش رہے۔

منظر بابو (مرحوم) کے مہمان خصوصی

جناب منظر (مرحوم) ساکن مہدولی، جو حضرت مولانا بشارت کریمؒ سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے، انھوں نے پٹنہ ہائی کورٹ میں مولانا کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ تمہارے گھر مہمان آیا ہے، جاؤ اس کی خبر گیری کرو، منظر صاحب جب اپنے گھر آئے اور باہر ہندوانہ لباس میں ایک شخص کو دیکھا، تو فوراً سمجھ گئے، انھیں بٹھایا، مہمان نوازی کی اور حالات دریافت کیے، حضرت شاہ صاحب نے ان سے کہا: مجھے رہنے کے لئے جگہ چاہیے، تو انھوں نے اپنی بیٹھک کی ایک کوٹھری آپ کے لئے متعین کردی، ایک زمانے تک آپ اسی کوٹھری میں رہے۔ اور کچھ دنوں کے بعد پنڈت جی، جن کا اسلامی نام ''نوراللہ'' تھا، وہ بھی آپ ہی کے پاس آکر رہنے لگے، تقسیم ہند کے بعد وہ پاکستان منتقل ہوگئے، وہیں وفات پائی اور کراچی میں مدفون ہوئے۔

پروہی کا توطن

آپ جس زمانے میں منظر بابو کے گھر قیام پذیر تھے، اسی عرصہ میں وقتاً فوقتاً جناب منشی مہدی جان ساکن پروہی اور جناب عبدالرشید ساکن اسراہی آپ سے ملاقات کے لیے آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ یہ دونوں حضرات بہ اصرار آپ کو وہاں سے لے آئے، تو آپ نے اولاً اُسراہی میں جناب عبدالرشید (مرحوم) کے گھر قیام فرمایا اور پھر کچھ دنوں کے بعد پروہی تشریف لائے اور اسے اپنا وطن ہونے کا شرف بخشا، یہاں آپ کا قیام ایک زمانے تک مسجد میں رہا، پھر جب آپ کی شادی ہوئی، تو مسجد سے متصل جانبِ جنوب میں آپ کی قیام گاہ بنی، جہاں چند سالوں قیام کے بعد مسجد سے جنوب کی جانب ہی کچھ مزید فاصلہ پر موجود قیام گاہ کی طرف منتقل ہو گئے۔

زندگی کے شب وروز

آپ کی زندگی ریاضت ومجاہدہ، ذکر وتسبیح اور عبادتِ الٰہی سے معمور تھی، آپ صبح سویرے بیدار ہو کر تہجد، اوراد ووظائف اور یادِ خداوندی میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے، صبح ہوتے ہی بندگانِ خدا کی آمد شروع ہو جاتی، آپ پوری توجہ کے ساتھ ان کی معروضات سنتے اور ان کی پریشانی کے ازالے کے لیے تدابیر اور دعا کرتے اور ہر وقت اذان کے انتظار میں رہتے، بار بار خدام سے دریافت کرتے کہ اذان ہوئی یا نہیں؟ اذان سنتے ہی مسجد کا رخ کرتے، اسی کے ساتھ آپ نے مختلف اضلاع اور دیہاتوں میں تبلیغِ دین کا فریضہ بھی انجام دیا۔

آپ کی والدہ اور ہمشیرہ کی اسلام سے سرفرازی

آپ نے جہاں اور بندگانِ خدا پر محنت کی، وہیں اپنے افرادِ خاندان پر بھی پیہم جدوجہد کرتے رہے، چناں چہ آپ کی محنت رنگ لائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ کی والدہ اور ہمشیرہ مشرف بہ اسلام ہو گئیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے!

اصلاح کا انوکھا انداز

قرآن کریم ہر وقت آپ کے سامنے رہتا، جب آپ کے پاس کوئی اپنی پریشانی

لے کر آتا، آپ اس سے قرآن کریم کھلواتے، جو آیت وہ پڑھتا، اس کے مفہوم سے اصلاح فرماتے: اگر آیت میں نماز کا تذکرہ ہوتا، تو اس سے کہتے نماز پڑھو، پریشانی دور ہو جائیگی اور اگر زکاۃ کا بیان ہوتا، تو زکاۃ کی تلقین کرتے، گنہ گاروں کا ذکر ہوتا، تو گناہوں سے اجتناب کی تاکید کرتے، وغیرہ وغیرہ۔

سنتِ نبوی سے عشق

آپ کو سنت نبوی سے بے پناہ عشق تھا، جب کبھی آپ کو حضور ﷺ کی کسی سنت کا علم ہوتا، تو فوراً اس پر عمل پیرا ہو جاتے، جب کہ خلافِ سنت کسی امر پر اتنے ہی برہم ہو جایا کرتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ کسی ڈاڑھی منڈے سے مصافحہ نہیں کرتے تھے، اس کا ایک عجیب وغریب واقعہ بھی آپ کے ساتھ پیش آیا: وہ یہ کہ آپ کسی گاؤں میں گئے، وہاں ایک ڈاڑھی منڈے نے باصرار اور زبردستی آپ سے مصافحہ کرلیا جس کی وجہ سے آپ کی انگلیاں ہمیشہ کے لئے مڑ گئیں، اس کے بعد اگر کوئی ڈاڑھی منڈا مصافحہ کے لیے آپ کی طرف ہاتھ بڑھاتا، تو آپ اپنے معذور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرما کر معذرت کرلیتے گویا اس طرح خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے اجتناب کرنے کے لیے آپ کو ایک بہانہ عطا کر دیا تھا۔

صاحب مقام اور مستجاب الدعوات

آپ کا فیض بہت عام ہوا، اللہ تعالی نے آپ سے دعوت واصلاح کا بڑا کام لیا، بہت سے بندگان خدا آپ کی بدولت راہِ ہدایت پر گامزن ہوئے اور خدا تک پہنچے، بہت سی سنتوں کو آپ سے فروغ ہوا؛ خصوصاً عمامہ کی سنت؛ چنانچہ آپ کے حلقہ میں اکثر حضرات اس سنت کے پابند ہیں۔

آپ مستجاب الدعوات بزرگ تھے، دور دراز سے لوگ آپ سے دعائیں کرانے آتے تھے اور کھلی آنکھوں قبولیت دعا کا اثر دیکھتے تھے؛ لوگوں کے دلوں میں آپ کا بڑا احترام تھا۔

حضرت مدنیؒ کی خدمت میں

۱۹۵۲ء میں جامعہ محمود العلوم/ دملہ/ مدھوبنی میں ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد

ہوا، جس میں ملک کے چوٹی کے علماء واکابر نے شرکت کی، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (۱۲۹۵ھ =۱۸۷۹ء - ۱۳۷۷ھ = ۱۹۵۷ء) بھی تشریف لائے تھے، جب آپ نے حضرت مدنی کی تشریف آوری کے بارے میں سنا، تو آپ بھی جلسہ میں تشریف لے گئے، مدرسہ کی انتظامیہ نے حسن تدبیر وانتظام کے پیش نظر حضرت مدنیؒ سے مصافحہ کے لیے پانچ روپے مقرر کیے تھے، آپ کے پاس رقم بالکل نہ تھی، مدرسہ کی مسجد میں جا کر ''مراقبہ'' میں بیٹھ گئے، حضرت مدنیؒ نے کچھ دیر بعد خدمت پر مامور حضرت مولانا منظور پروہوی (مرحوم) سے فرمایا کہ جاؤ مسجد میں کوئی صاحب بیٹھے ہوں گے، انھیں بلالاؤ۔

جب وہ مسجد میں آئے، تو ان کی نظر شاہ صاحب پر پڑی؛ مگر وہ لوٹ آئے اور حضرت مدنیؒ سے فرمایا کہ وہاں تو کوئی نہیں، صرف ایک ''نومسلم'' بیٹھے ہیں، یہ سننا تھا کہ حضرت مدنیؒ جلال میں آگئے اور فرمایا کہ ''نومسلم'' کہتے ہو! جاؤ انھیں بلا کر لاؤ، شاہ صاحب حضرت مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے، معانقہ ہوا، مصافحہ کے لیے حضرت مدنی نے جب ہاتھ بڑھایا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس پانچ روپے نہیں ہیں! حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ آپ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ تو پھر شاہ صاحب نے سفارش کی کہ آپ اپنے فیض کو عام فرمادیں؛ چنانچہ پانچ روپے کی شرط کالعدم کردی گئی۔

بعد ازاں کچھ دیر تک دونوں بزرگوں کے درمیان راز ونیاز کی باتیں ہوتی رہیں، دوران گفتگو حضرت مدنیؒ نے استفسار کیا آپ نے شادی کی؟ تو شاہ صاحب نے نفی میں جواب دیا، حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ یہ ایک سنت ہے، جو آپ سے چھوٹ رہی ہے، آپ نے جواب دیا میں ضرور اس سنت پر عمل کروں گا اور کچھ ہی دنوں بعد جناب خلیفہ واعظ عرف نھو صاحب پروہوی کی دختر نیک اختر بی بی فاطمہ کے ساتھ آپ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔

قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم سید احمد حسن منورویؒ سے تعلق

حضرت منورویؒ سے حضرت شاہ صاحب کو خصوصی تعلق تھا، حضرت منورویؒ آپ سے بہت محبت فرماتے، شاہ صاحب کی دینی اور دنیوی تمام ضروریات کا خاص خیال

فرماتے، شاہ صاحب سے کبھی ریاضت ومجاہدہ میں چوک ہوجاتی تو پیغمبرانہ اسلوب اورلہجہ میں ان کی رہنمائی فرماتے، کبھی کوئی دنیوی مشکل پیش آتی تو اس کے ازالہ کی بھی راہ نکالتے؛ حتی کہ مولانا اختر امام عادل قاسمی صاحب نے ''حیات قطب الہند'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ پروہی میں شاہ صاحب کوکھانے کی کچھ دشواری کا سامنا ہواتو حضرت منورویؒ نے ایک دو، روز یاایک دو مہینے نہیں؛ بلکہ کئی سال تک شاہ صاحب کوتازہ کھانا پروہی تک پہنچوایا، دیگرضروریات کابھی بڑاخاص خیال فرماتے تھے۔

شاہ صاحب کی اصلاحی اورروحانی تعلیم کے تعلق سے مولانا اختر امام عادل قاسمی صاحب تحریرفرماتے ہیں:

> ''قرآن کریم کی تلاوت حضرت شاہ نوراللہؒ کے باطنی تصرف کے ذریعہ حاصل کی؛ البتہ صوفیاء کے اصول پر باقاعدہ روحانی تعلیم انہوں نے حضرت منورویؒ سے حاصل کی اوراسی نسبت سے وہ حضرت منورویؒ کو''ابا'' کہتے تھے، حضرت کا نام نہیں لیتے تھے، منورواشریف میں کئی کئی مہینے حضرت منورویؒ کی صحبت وخدمت میں رہتے تھے۔
>
> حضرت منوریؒ کی نظرعنایت آپ پر ہمیشہ مبذول رہی: خاص طور پرنومسلم ہونے کی بنا پر آپ کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے: تاکہ کسی طرح کی دشواری یامایوسی پیدانہ ہو۔''

(حیات قطب الہند حضرت منورویؒ، ص:۸۲۹،۸۳۰)

ماقبلِ اسلام آپ کے احوال

آپ کے بچپن کا ایک عجیب وغریب واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ولادت کے بعد جب رونے کی آواز بلند ہوئی، تو آپ کی آواز میں سے ''اللہ اللہ'' کی صدائیں آرہی تھیں، جسے آپ کے والدین، خاندان، گاؤں والوں اور مذہبی پنڈتوں اور بھکتوں نے بھی سنا اور سب حیرت واستعجاب کی تصویربن کررہ گئے پھر جب آپ کچھ بڑے ہوئے اور پاٹھ شالہ جانے لگے جس کے راستے میں ایک باغ آتا تھا، وہاں آپ کے ساتھ یہ حیرت انگیز واقعہ

پیش آیا کہ آپ پر ایک مرتبہ غنودگی طاری ہوگئی، آپ کتاب کے تھیلے کو سرہانے رکھ کر باغ میں سوگئے، آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ہیں جو فرمارہے ہیں کہ پڑھ اور ایک کتاب انھوں نے دی اور خود ہی پڑھانے لگے، تھوڑی دیر کے بعد بیدار ہوئے اور پاٹھ شالہ چلے گئے اور یہ واقعہ روزانہ کا معمول بن گیا، یہاں تک کہ وہ کتاب ختم ہوگئی، شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہ بزرگ حضرت مولانا بشارت کریمؒ تھے۔

نیز آپ کو بچپن ہی سے بتوں اور مورتیوں سے ایک طرح کی نفرت تھی، ذرا بھی دلچسپی نہ تھی، ایک مرتبہ آپ کی والدہ آپ کو لے کر ایک مندر میں گئیں، وہ آنکھ بند کر کے پوجا کرنے لگیں، آپ مورتی کی ناک، آنکھ، کان ٹٹولنے لگے اور اس سے کھیلنے لگے، والدہ نے جب دیکھا، تو بولیں: بیٹا ایسا مت کرو، بھگوان ناراض ہوجائیں گے، آپ نے کہا: جب وہ چل پھر نہیں سکتے، کھاپی نہیں سکتے، تو وہ ناراض ہوکر کیا کرلیں گے؟ والدہ یہ سن کر بہت ڈر گئیں اور انھیں وہاں سے لے کر فوراً گھر آگئیں، اسی طرح آپ اپنے گھر کی مورتیوں کے ساتھ بھی چھیڑ خانی کرتے رہتے تھے، والدہ کچھ کہتیں، تو فرماتے: کہ ان پر چوہے غلاظت کرتے ہیں، یہ ان سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے، تو ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ والدہ لاجواب ہوجاتیں، لیکن لاڈلا بیٹا تھا اس لئے کچھ نہ کہتی تھیں۔

آپ بچپن ہی سے ہندو مذہب سے بیزار اور اسلام کی طرف مائل تھے، آپ کو اسلامی احکامات سکھانے میں آپ کے گاؤں کی ایک جِنّ کا بڑا ہاتھ تھا، وہ وقتاً فوقتاً آپ کی بے قراری کو دیکھ کر اسلامی تعلیمات آپ کو دیتیں اور آپ ان پر عمل پیرا ہوکر سکون وراحت محسوس کرتے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے قلبی بے چینی کا تذکرہ کیا تو انہوں (جِنّ مرمومہ) نے آپ کو ایک نماز کی کتاب دی، جسے پڑھ کر آپ پابندی سے نماز پڑھنے لگے، انہوں نے ہی آپ کو اسلام کے پاکیزہ حکم طہارت سے واقف کرایا، جس پر آپ ہمیشہ بہت سختی کے ساتھ پابند رہے، یہاں تک کہ طہارت کا خیال نہ کرنے کی بناء پر آپ اپنی ہندو بیوی کے قریب بارہ سال تک نہ گئے، بالآخر وہ مجبور ہوکر طہارت کا خیال کرنے لگیں، نیز آپ کے ساتھ نماز بھی پڑھنے لگیں۔

قابل رشک موت

(۱۹/ شوال المکرّم ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳/ اپریل ۱۹۹۳ء) اتوار و پیر کی درمیانی شب کے آخری حصہ میں معمولات کے مطابق آپ بیدار ہوئے، بارگاہ الٰہی میں حاضری ہوئی؛ لیکن یہ حاضری اپنے اندر ایک خاص کشش اور جاذبیت لیے ہوئے تھی، فجر کی دوسری رکعت میں درِ الٰہی پر جبینِ نیاز خم کی، تو اس میں ایسا لطف اور ایسی چاشنی محسوس ہوئی کہ سر اٹھانا گوارا نہ کیا، محبوب سے ایک لمحہ کے لیے بھی اب فراق برداشت نہیں ہوا، کافی دیر بعد جب گھر کے افراد کو تشویش ہوئی، قریب گئے تو دیکھا، کہ سجدہ کی حالت ہی میں آپ کی روحِ مبارک قفس عنصری سے پرواز کر کے معشوق حقیقی اور رب کریم کے پاس جا چکی ہے۔

یہ روح فرساں خبر جنگل میں آگ کی طرح پورے علاقہ میں آناً فاناً پھیل گئی، چاروں طرف کہرام مچ گیا، غم واندوہ کے بادل چھا گئے اور ہر چہار جانب سے موضع پروہی کی طرف بلا لحاظ مذہب وملت اور بلا امتیاز مسلک ومشرب خلقِ خدا کا ایک سیل رواں امنڈنے لگا، سرزمینِ پروہی نے اپنے سینہ پر آج سے قبل اتنا بڑا مجمع کبھی نہیں دیکھا۔

دوسرے دن بروز منگل بعد نماز ظہر آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے چھوٹے داماد جناب حافظ صابر کریمی صاحب نے پڑھائی، ایک اندازہ کے مطابق دس (۱۰) ہزار لوگوں نے جنازہ کی نماز میں شرکت کی، جس میں علماء وصلحاء، مریدین ومتعلقین کے علاوہ عوام کا بھی ایک بڑا مجمع تھا، اس سے آپ کی ہر طبقہ میں بے پناہ محبوبیت ومقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور ہزاروں سوگواروں نے نمناک آنکھوں اور غمگین دلوں کے ساتھ آپ کو آپ کے گھر کے احاطہ میں سپرد رحمت کیا اور اس طرح اور چراغوں کی طرح یہ روشن چراغ بھی گل ہو گیا؛ مگر اس چراغ سے جو دوسرے چراغ جلے وہ ہر چہار سو اپنی روشنی بکھیر رہے ہیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مختصر سوانحی خاکہ

ولادت، نام ونسب اور مختصر خاندانی تعارف

ماقبل اسلام آپ کا نام ''نارائن ٹھاکرے'' اور مابعد اسلام آپ کا اسم گرامی ''عبد

اللہ'' قرار پایا، عوام آپ کو ''شاہ صاحب'' اور ''بھائی صاحب'' کے القاب سے پکارتی تھی، آپ کی پیدائش موضع ''اہیاری'' (AHYARI) ضلع مدھوبنی (بہار) میں اندازاً ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء کو ہوئی، آپ کے والد کا نام ''رام کشن ٹھاکر'' تھا، جو پیشے سے بڑھئی (Carpenter) تھے اور اپنے فن میں شہرت رکھتے تھے، نیز نہایت خوش مزاج، رحم دل اور دوسروں کے لئے مر مٹنے والوں میں سے تھے، آپ کی چار بہنیں تھیں، ایک بہن اور والدہ مسلمان ہوگئی تھیں، بہن کا بی بی آمنہ اور والدہ کا اسلامی نام رکھا گیا۔

شادی اور اولاد و احفاد

اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ کی ایک شادی ہوچکی تھی، آپ کی غیر مسلم زوجہ کا نام ''سُد اما'' تھا، جن سے ''منموہن، درگا، لکھن، تین لڑکے پیدا ہوئے، ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔ اور قبول اسلام کے بعد دوسری شادی ''پروہی'' میں جناب واعظ خلیفہ عرف نتھو صاحب کی لخت جگر بی بی فاطمہ سے ہوئی، جن سے دو صاحبزادی تولد ہوئیں، ایک کا ''مبینہ'' (وفات ۱۸/شوال ۱۴۳۴ھ) دوسری کا ''ثمینہ'' نام ہے، دونوں کی شادی موضع ''اجراء'' ضلع مدھوبنی میں ہوئی، پہلی صاحبزادی سے پانچ نواسے اور چار نواسیاں ہیں اور دوسری صاحبزادی سے چار نواسے: مولانا رحمت اللہ، غلام رسول، غلام ربانی اور غلام سبحانی اور چار نواسیاں ہیں۔

قبولِ اسلام اور اصلاحِ باطن

آپ نے تقریباً ۵۲، ۵۳ سال کی عمر یعنی ۱۳۵۴ھ یا ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں حضرت مولانا بشارت کریم صاحبؒ (۱۲۹۴ھ=۱۸۷۷ء - ۱۳۵۴=۱۹۳۵ء) (گڑھول شریف، سیتامڑھی) کے دست حق پر اسلام قبول کیا اور حضرت مولاناؒ سے ہی اصلاحی تعلق رہا؛ لیکن مولانا رحمۃ اللہ چند ہی سالوں کے بعد دار بقاء کو کوچ کر گئے، حضرت مولانا سے آپ کو باضابطہ خلافت نہیں ملی؛ البتہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا حکم آپ کو ہوا، اسی نسبت کی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ ''کریمی'' کا لاحقہ آتا ہے۔

اجازت و خلافت

حضرت مولانا بشارت کریمؒ کی رحلت کے بعد ان کے خلفاء اور مریدین سے

آپؒ کو خصوصی تعلق تھا، بالخصوص قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم سید احمد حسن منورویؒ (ولادت: رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ مطابق جنوری ۱۹۰۱ء، وفات: ۲۸/ رجب المرجب ۱۳۸۷ھ مطابق ۲/نومبر ۱۹۶۷ء) موضع ''صلحہ منوروا''، ضلع سمتی پور، خلیفہ حضرت مولانا بشارت کریمؒ سے آپ کو خاص تعلق تھا، جنھوں نے اپنے آخری وقت میں یہ کہہ کر آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا: کہ اب آپ اس باغ کی آبیاری کریں، چناں چہ آپ واردین، متوسلین، متعلقین اور طالبانِ معرفت وطریقت کو سلسلۂ نقشبندیہ کے موافق تعلیم دیتے تھے، آپ کے مریدین کا ایک بڑا حلقہ ہے، لیکن آپ نے باضابطہ کسی کو خلافت سے سرفراز نہیں کیا، تاہم آپ کے چھوٹے داماد جناب حافظ صابر کریمی صاحب آپ کے روحانی جانشین سمجھے جاتے ہیں۔

شاہ صاحب کی اجازت وخلافت کے تعلق سے مولانا اختر امام عادل قاسمی صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ''تکمیل سلوک کے بعد حضرت منورویؒ نے آپ کو سلسلہ کی اجازت بھی عطا فرمائی، جن دنوں حضرت منورویؒ کا طویل قیام ڈاکٹر غلام رسول صاحب (لہریا سرائے، دربھنگہ) کی کوٹھی پر تھا، حضرت نے شاہ صاحب سے متعدد احباب کی موجودگی میں فرمایا کہ عبداللہ! میں نے ایک چمن لگایا ہے، اس کی دیکھ بھال کرتے رہنا۔
>
> اس جملہ کا واضح مطلب یہ ہے کہ نگرانی اور تربیت کی اہلیت شاہ صاحب میں پیدا ہوگئی تھی اور حضرت نے اس کی فی الجملہ ذمہ داری آپ کے حوالے فرمائی۔''

(حیات قطب الہند حضرت منورویؒ، ص: ۸۳۰۔)

وفات اور آخری آرام گاہ

آپ کی وفات ۱۹/ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳/ اپریل ۱۹۹۳ء کو ہوئی اور آپ کی قیام گاہ ہی ابدی آرام گاہ بنی۔ (یہ تمام معلومات حافظ صابر کریمی صاحب اور مجلّہ عبداللہ

سے ماخوذ ہیں)

آپ کی کرامات اور حیرت انگیز واقعات کی ایک لمبی فہرست ہے، طوالت کے خدشہ سے اسی قدر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے   سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

حافظ اختر صاحبؒ

آپ کا نام اختر حسین، والد کا نام جناب عبدالعزیز اور دادا کا نام جناب امانت ہے، آپ انتہائی صاف ستھرے اور نستعلیق رہتے تھے، مدرسہ محمود العلوم، دملہ/مدھوبنی میں موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کی اور یہیں پر تعلیمی سلسلہ موقوف ہوگیا، آپ قرآن کریم کے جید حافظ تھے، رمضان میں دو(۲) قرآن سناتے تھے، کم عمری میں ہی قرآن حفظ کرلیا تھا، عوام کے درمیان آپ کا بہت رعب تھا، خاموش طبیعت اور مجاہدانہ مزاج رکھتے تھے، پورے سال سنت کے مطابق روزوں کا اہتمام فرماتے، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ حسینیہ دارالعلوم/پروہی کا قیام ہے، اس کے لیے آپ نے جان ومال کی بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں، آپ کی کاوشوں سے مدرسہ ترقی کی اوج پر تھا، ۱۶/اگست ۱۹۸۶ء مطابق ۱۰/ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ بروز ہفتہ آپ کی وفات ہوئی، مدرسہ کے احاطے میں مسجد کے باب الداخلہ کے سامنے آپ کی قبر ہے، جناب مولانا حسین صاحب دامت برکاتہم آپ کی تنہا نرینہ اولاد ہیں۔

ماضی قریب میں وفات پانے والے علماء

ماضی قریب میں رحلت فرمانے والے علماء میں صاحب سوانح: مولانا محبّ الحق صاحبؒ، قاری زبیر صاحبؒ مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی (ولادت: ۱۵/ جنوری ۱۹۵۰ء، وفات: ۲۵/مئی ۲۰۰۸ء)، مولانا شعیب صاحبؒ، مولانا عبدالحنان صاحبؒ (ولادت: یکم جنوری ۱۹۳۹ء، وفات: ۲۹/اکتوبر ۲۰۱۳ء)، مولانا عبدالسلام صاحبؒ (ولادت: ۲۵/ دسمبر ۱۹۵۰ء، وفات: ۹/ دسمبر ۲۰۲۰ء)، مولانا شبیر صاحبؒ سابق صدر مدرس مدرسہ دارالعلوم حسینیہ پروہی (۶/اپریل ۲۰۲۱ء مطابق ۲۴/ شعبان ۱۴۴۲ھ)، وغیرہ بھی قابل ذکر شخصیات

میں تھے۔

مدارس ومساجد

پروہی میں یوں تو چھوٹے چھوٹے کئی مکاتب ہیں، جو اپنے طور پر تعلیمِ قرآن کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور بستی کے بہت سے بچے ان سے مستفید ہو رہے ہیں، لیکن سب سے قدیم، اہم اور بڑا مدرسہ دارالعلوم حسینیہ/ پروہی ہے۔

دارالعلوم حسینیہ/ پروہی

یہ مدرسہ پہلے گاؤں میں عام مکتب کی شکل میں تھا، شروع شروع کسی بڑے مدرسہ کا تصور نہیں تھا اور اس کا فیض بھی بستی تک ہی محدود تھا، حافظ اختر حسین صاحب کی بلند نگاہی اور دل سوزی کے نتیجہ میں اس چھوٹے سے مکتب نے ایک بڑے مدرسہ کی شکل اختیار کی اور اس کا فیض پورے علاقہ میں عام ہوا؛ چناں چہ باقاعدہ مدرسہ کی بنیاد ۱۹۴۳ء میں رکھی گئی، اور یہ پروہی، پتونہ اور اسراہی کا مشترکہ مدرسہ قرار پایا، بانیان مدرسہ کے اخلاص اساتذہ میں خداداد صلاحیت اور کارکنان کی پیہم مخلصانہ جدوجہد سے مدرسہ ترقی کے اوج کمال پر تھا، چناں چہ ایک وقت وہ تھا، جب اس چشمہ علمی سے سیراب ہونے والے تشنگان علوم دینیہ کی تعداد چار سو (۴۰۰) سے متجاوز ہوتی تھی اور جہاں قاعدہ بغدادی سے لے کر عربی سوم اور چہارم تک کی تعلیم ہوتی تھی۔

نیز یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس مدرسہ کا قیام ایسے وقت عمل میں آیا، جب علاقہ میں گنے چنے چند ہی مدارس تھے جیسے: دملہ میں مدرسہ محمود العلوم، کھرایاں پٹرا میں مدرسہ بشارت العلوم، دربھنگہ میں مدرسہ امدادیہ اور کنہواں میں مدرسہ اشرف العلوم، اسی لیے قلیل عرصہ میں ہی پروہی کے اس مدرسہ کو نیک نامی، شہرت اور بے انتہا مقبولیت ملی، دور ونزدیک سے طالبان علوم نبوت جوق در جوق اس کا رخ کرنے لگے اور یہ سب ثمرہ تھا حضرت حافظ اختر حسین صاحبؒ اور ان کے منتخب عملہ کی انتھک کاوشوں کا۔

اس مدرسہ نے پورے علاقہ سے بڑی حد تک جہالت کی تاریکی دور کی اور علم کی روشنی سے اسے منور کیا، یہاں سے بے شمار افرادِ کار تیار ہو کر علم دین کی خدمت میں لگے اور

پورے ہندوستان میں اسلام کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں؛ بالخصوص علاقہ کے مکاتب و مدارس سب اسی دریائے علمی سے نکلی ہوئی نہریں ہیں۔

مدرسہ کی چند بنیادی معلومات

- مدرسہ کے لیے زمین کی فراہمی جناب عبدالجلیل،(عبدالخالق اور عبدالرازق صاحبان کے دادا مرحوم)،عبداللطیف صاحب (نصیر صاحب کے دادا مرحوم) اور عبدالمجید صاحب (ان کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی) نے کی تھی۔
- اولاً اس مدرسہ کا نام حافظ اختر حسین صاحب کے نام پر ''اختر العلوم'' رکھا گیا تھا پھر اصحاب رائے کے مشورے سے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ (۱۲۹۵ھ = ۱۸۷۹ء-۱۳۷۷ھ = ۱۹۵۷ء) کی بذریعہ مراسلت اجازت سے اس کا نام ''مدرسہ حسینیہ دارالعلوم/پروہی'' تجویز کیا گیا اور اس کو ''مدرسہ حسینیہ دارالعلوم/پروہی، پتونہ، اسراہی'' کے نام سے جانا جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ تینوں گاؤں کا مشترکہ مدرسہ ہے۔
- یہ مدرسہ برابر علوم دینیہ کی خدمت کے لیے بجلی کے ''پاور ہاؤز'' کی طرح کام کر رہا تھا کہ کسی بدنگاہ کی اسے بری نظر لگ گئی اور ۱۹۶۰ء میں بہار مدرسہ بورڈ سے اس کا الحاق کر دیا گیا، یہ الحاق مدرسہ کی علمی ترقی کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوا، جب ہی سے مدرسہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا، مدرسہ کی فعالیت اور کارکردگی پھیکی پڑنے لگی، خدمات کا دائرہ محدود سے محدود تر ہوتا گیا، اس کی رونق آہستہ آہستہ مضمحل ہوگئی، پوری امت سے راقم الحروف درخواست کرتا ہے کہ مدرسہ کی سابقہ علمی کارکردگی اور ترقی کی بحالی کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعا کریں۔ (حافظ اختر حسین صاحب اور مدرسہ کی معلومات مولانا حسین صاحب پروہی اور مولانا ضیاء الدین صاحب پتونہ اور دیگر سے حاصل کی گئی ہیں۔)

جامعہ عبداللہ بن مسعود

حضرت شاہ عبداللہ کریمیؒ جو ایک مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں، آپ کے

گھر کے احاطہ میں، آپ کے جانشین حافظ محمد صابر حسین کریمی صاحب نے ایک بافیض ادارہ قائم کیا ہے، جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی پہچان بنائی، اور گھر گھر اس ادارے کی تعلیم وتربیت کے خوبصورت تذکرے ہونے لگے، گاؤں کے قدیم مدرسہ کا سوتہ جب خشک ہوگیا تھا، وہاں سے مسلمان ناامید ہوگئے تھے، ان کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت کا کوئی بہتر نظم کہیں سے کہیں تک نظر نہیں آرہا تھا، ناامیدی کے ایسے عالم میں اس ادارہ نے علم کے چراغ کو روشنی عطا کی اور ایسا لگنے لگا کہ ایک بار پھر اس علاقہ میں قدیم علمی فضاء اور رونق لوٹ آئی، چند سالوں تک اس ادارہ کی کارگزاری اور یہاں کے تعلیمی نتائج انتہائی امید افزا رہے۔

لیکن یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں اسباب کو ترک کرنا قتل کے مترادف نہیں تو زندگی کو پریشانی میں ڈالنے کے ہم معنی ضرور ہے اور پھر بہار کی سرزمین جس کی کسی عارف نے ''اکّال الرجال'' (مردم خور) سے بالکل صحیح اور مبنی بر تجربہ ومشاہدہ ترجمانی کی ہے، اس پر مستزاد یہاں کی عوام، علم ناآشنا، علماء بےزار اور ''الناس اعداء لما جھلوا'' (انسان اس چیز کا دشمن ہوتا ہے، جسے وہ نہیں جانتا) کے سو فیصد مصداق، ایسے حالات میں کوئی علمی کام کرنا، کوئی ملی، تعلیمی اور رفاہی بیڑہ لے کر اٹھنا آندھی اور طوفان میں چراغ جلانے جیسا مشکل؛ بلکہ قریب محال کام ہے؛ چناں چہ چند سالوں میں ہی ادارہ اپنی زندگی کے آخری دن شمار کرنے لگا، اس کی رونق ماند پڑگئی اور اس کی سرگرمیاں خاموش ہوگئیں؛ تاہم تعلیم وتربیت کی یہ کشتی اب بھی تھپیڑوں کے بیچ ساحل مراد تک پہنچنے کی جدوجہد کر رہی ہے اور اپنی زندگی کے لیے، ملت کے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے اور ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کے لیے یہ ادارہ تگ ودوہ کر رہا ہے۔

ادارے کی بعض ضروری معلومات

نام: جامعہ عبد اللہ بن مسعودؓ، پروہی، مدھوبنی (بہار)، سن تاسیس: ۲۰۰۱ء، بیادگار: حضرت شاہ عبداللہ کریمیؒ، سرپرست: مولانا محمد نہال کریمی عرف باقی باللہ صاحب، گڑھول شریف، سیتامڑھی۔ سکریٹری: حافظ محمد صابر حسین کریمی صاحب۔

دینی اور مذہبی صورت حال

مسلکی اعتبار سے اس بستی میں احناف کا غلبہ ہے، اور مسلک حنفی پر یہاں کے لوگ مضبوطی سے عمل پیرا ہیں، صرف دو تین گھرانے اہل حدیث حضرات کے ہیں، بریلویت اور دیگر گمراہ فرقوں کا یہاں کوئی وجود نہیں۔

مشہور یہ ہے کہ یہاں کی عوام دیگر مقامات کی بنسبت زیادہ متدین ہے (جو واقع کے مطابق ہے)؛ اسی لیے یہاں کسی گمراہ فرقہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں، کبھی کبھی ایسے فرقوں نے سر اٹھانے کی کوشش بھی کی ہے؛ لیکن انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ دیا گیا۔

اسکول

بہار گورنمنٹ کی اسکیم کے تحت اس بستی میں بھی ایک اسکول کا قیام عمل میں آیا، جس کا نام ''ریاستی پرائمری مکتب کنیا پروہی انچل چھوٹا (بسفی) مدھوبنی'' ہے، یہ اسکول پانچویں کلاس تک ہے، سرکاری اداروں کی طرح اس میں بھی تعلیم کی زبوں حالی ہے، تاہم بستی کے بچوں کی ایک بڑی تعداد اس سے متعلق ہے اور کسی نہ کسی اعتبار سے اس کا فائدہ بھی ہے، اس کی وجہ سے دنیوی تعلیم کی شدبد بچوں اور بچیوں میں آرہی ہے، جو ایک خوش آئند چیز ہے۔ یہ اسکول نئے قبرستان کے پاس گاؤں سے جنوبی جہت میں واقع ہے۔

مساجد

یہاں تین مساجد ہیں: (۱) ایک قلبِ بستی میں ہے، یہ قدیم ترین مسجد ہے اور اب یہاں کی جامع مسجد کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں تقریباً تین سو (۳۰۰) نمازیوں کی گنجائش ہے، اس مسجد کے موجودہ عملی طور پر امام وخطیب حضرت مولانا اسرائیل صاحب دامت برکاتہم ہیں۔

(۲) دوسری مسجد مدرسہ کے احاطہ میں ہے، جس سے مدرسہ کے طلباء و اساتذہ کے ساتھ ساتھ مقامی عوام بھی مستفید ہوتی ہے، یہ مسجد دو سو (۲۰۰) مصلیوں کی وسعت رکھتی ہے، اس کی بنیاد حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے ۱۹۵۷ء میں رکھی تھی۔

(۳) تیسری مسجد بلال ہے اور یہ بستی کے شمالی کنارہ پر واقع ہے، ہمارے گھر کے پاس ہے، محلّہ کے لوگوں کی پریشانی کے باعث اس کی تعمیر عمل میں آئی ہے، اس کی بنیاد حضرت مولانا قاسم صاحب مظفر پوری صاحب نے رکھی ہے، اس میں بھی تین سو (۳۰۰) نمازیوں کی گنجائش ہے، اس مسجد کے موجودہ امام مولانا ارشد قاسمی صاحب ہیں۔

پروہی کے قبرستان

یہاں تین قبرستان ہیں (۱) ایک قبرستان سکھراری کی طرف سے گاؤں میں داخل ہوتے ہی ہے، یہ یہاں کا سب سے نیا قبرستان ہے اور آج کل سب سے زیادہ استعمال اسی کا ہو رہا ہے اور ماضی قریب میں انتقال ہونے والے یہاں کے علماء بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں، حضرت مولانا محبّ الحقؒ بھی اسی میں آرام فرما رہے ہیں، قبرستان کی جنوبی جانب میں مغربی دیوار سے تقریباً ۱۵ یا ۲۰ میٹر کے فاصلہ پر آپ کی قبر ہے۔

(۲) دوسرا قبرستان گاؤں کی قدیم مسجد سے مشرقی جہت میں ہے، بیچ میں ایک نہر جاری ہے، جس میں عموماً سیلاب کے موقع سے ہی پانی ہوتا ہے، نہر عبور کرنے کے بعد ہی تھوڑے فاصلہ پر یہ قبرستان ہے اور یہ یہاں کا سب سے قدیم اور سب سے بڑا قبرستان ہے، زیر استعمال ہے؛ لیکن بہت کم، حضرت مولانا مجیب الرحمانؒ اسی قبرستان میں آسودہ خواب ہیں۔

(۳) تیسرا قبرستان مدرسہ حسینیہ دارالعلوم/ پروہی سے بالکل قریب شمالی جہت میں ایک باغ سے متصل ہے، یہ نسبتاً سب سے چھوٹا ہے۔

پروہی کے تالاب

تالاب کو یہاں کی مقامی زبان میں ''پوکھر'' کہتے ہیں، اس بستی میں تالاب بھی تین ہیں:

(۱) ایک بستی کی جنوبی جہت میں بھائی وصی صاحب کے مکان کے بالکل سامنے والی سڑک سے متصل ہے، اس تالاب کا نام ''تیلیاں پوکھر'' یعنی تیلیوں کا تالاب ہے، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہاں تیلی برادری کے کچھ لوگ رہتے ہیں، یہ سب سے چھوٹا؛ لیکن سب

سے گہرا تالاب ہے اور اس کا پانی بھی صاف نہیں ہے۔

(۲) دوسرا تالاب ہمارے گھر سے بالکل متصل ہے، یہ تالاب ماضی قریب تک زیر استعمال تھا، اس کا پانی بھی صاف وشفاف تھا، گاؤں کے بچے اس میں نہاتے تھے، لیکن اب اس کا پانی گندا ہو گیا ہے، البتہ آج بھی ملاح (مچھلی پالنے والے اور مچھلی کا شکار کرنے والے) اس میں مچھلی ڈالتے ہیں اور اس میں سے گاؤں والوں کو بھی اور ہمارے خاندان کو بھی مچھلی ملتی ہے، وہ وقت بھی قابل دید ہوتا ہے، جب ملاح تالاب میں مچھلی مارنے (پکڑنے) آتے ہیں، ایک ہنگامہ سا رہتا ہے اور بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے چہروں پر خوشی کے آثار واضح نظر آتے ہیں، اس تالاب کی مغربی جہت کے علاوہ تینوں جہتوں میں مکانات تعمیر ہو گئے ہیں، شمالی جہت میں ہمارے اور بھائی مبین وغیرہ کے گھر ہیں اور جنوب میں جناب آصف (مکھیا) کا مکان ہے اور مشرق میں جناب محی الدین اور دیگر کے مکانات ہیں۔

(۳) تیسرا تالاب بستی کے شمال، مشرق میں ہے، گاؤں کی نئی مسجد سے بالکل مشرقی جانب میں دو منٹ کی دوری پر ہے، اس تالاب کا نام ''نئی کی پوکھر'' ہے (یعنی نیا تالاب) اس کا پانی آج بھی اچھا ہے۔

ندی (یا نالا)

ایک پرانی ندی ہے، اسے بڑا نالا بھی کہہ سکتے ہیں؛ لیکن یہاں اسے ندی ہی کہتے ہیں، جو گاؤں کے شمال میں کھیتوں اور باغ کے درمیان سے آتی ہے اور گاؤں کے مشرق سے ہوتی ہوئی، سکھراری کی طرف جا رہی ہے، یہ ندی نہ زیادہ گہری ہے اور نہ ہی زیادہ چوڑی، نیز اس میں سیلاب اور بارش کے موسم کے علاوہ میں پانی بھی کہیں کہیں ہی نظر آتا ہے؛ لیکن جب برسات اور سیلاب کے موسم میں یہ پانی سے لبریز ہوتی ہے، بہت خوشنما منظر پیش کرتی ہے، کیا یہاں کے بچے اور کیا بڑے، سب محظوظ ہوتے ہیں، نئے تالاب کے پاس ایک چھوٹا سا پل (پلیا) ہے، اس پر سے کود کود کر سب نہاتے ہیں اور مچھلی کا بھی شکار کرتے ہیں۔

باغات

مقامی زبان میں باغ کو ''گاچھی'' کہتے ہیں، اور یہاں زیادہ تر آم کے باغات ہیں اور انہیں باغوں میں کچھ دوسرے درخت بھی ہیں، گاؤں کے شمال اور مشرق اور کچھ جنوب میں یہ باغات ہیں، ہمارا بھی ایک چھوٹا سا باغ جانب جنوب میں ہے، مغربی سمت میں باغات کم ہیں، آم بھی مختلف انواع و اقسام کے ہوتے ہیں، اور مالدہ (لنگڑا) کسن بھوگ، بمبئ، بجّو (کہٹا) کلکتیا، کیلبی، فضلی (فجری)، مجری، گلاب خاص، آلو زردہ اور برمسیا زیادہ تر ہوتے ہیں، کہیں کہیں دسہری بھی نظر آتی ہیں۔

انہی کے ساتھ جامن، کٹہل، بڑہل، جنگلی جلیبی، چیکو (سپاٹر)، لیچی (لُچّی) کے پیڑ بھی ہیں، بلکہ جامن تو یہاں سب کے لیے مفت ہے، کوئی بھی کسی کے بھی درخت سے جامن توڑ سکتا ہے، ہاں مگر اب اس میں کچھ سختی پیدا ہوگئی ہے، تاہم جامن بکتی اب بھی نہیں ہے۔

کھیت اور کھیتیاں

بستی کے چاروں طرف کھیت ہی کھیت ہیں، جب ان میں فصل کھڑی ہوتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ ہرے ریشمی کپڑے میں پورے گاؤں کو ملبوس کر دیا گیا ہے، بڑا دل کش منظر ہوتا ہے، نیز جب زیادہ بارش ہوتی ہے یا سیلاب آتا ہے تو بالکل جزیرہ کا نظارہ ہوتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سمندر کے بیچ کسی جزیرہ میں ہم رہ رہے ہیں۔

دو بڑی فصلیں ہوتی ہیں: ایک چاول کی تو دوسری گیہوں کی، چاول کی مختلف قسمیں یہاں پیدا ہوتی ہیں، جیسے باسمتی (شاہی دھان) شاہ زیرہ، کمود اور دیگر بہت سے چاول ہوتے ہیں، نیز آلو، شکر قند، گنا اور مختلف قسم کی دالیں بھی یہاں کے کھیتوں میں ہوتی ہیں۔

عیدگاہ

پہلے عید کی نماز مدرسہ دارالعلوم حسینیہ کے صحن میں ہی ہوتی تھی، مستقل کوئی عیدگاہ نہیں تھی، لیکن اب نئے قبرستان سے متصل جانب جنوب میں ایک عیدگاہ کا انتظام ہوگیا ہے، اب چند سالوں سے عیدین کی نماز یہیں ہو رہی ہے، یہ عیدگاہ سات کٹھہ زمین پر پھیلی ہوئی ہے، لیکن واقف نے اس میں سے لب سڑک شروع کی دو کٹھہ زمین مسجد کے لیے

وقف کی ہے، عیدین کے امام حضرت مولانا اسرائیل صاحب ہی ہیں، جو جامع مسجد کے امام ہیں، مرحوم حاجی ظہیر الحق بن محمد اسرار الحق نے عیدگاہ کی زمین وقف کی ہے، اللہ تعالی اسے قبول فرمائے اور ان کے لیے اسے صدقہ جاریہ بنائے۔

محرم کا تعزیہ

یہاں شیعوں کا نام ونشان نہیں ہے اور دیگر بستیوں میں بھی یہ فرقہ نہیں پایا جاتا؛ لیکن قدیم زمانہ سے یہاں کے مسلمان محرم کا تعزیہ بناتے ہیں، محرم کے دنوں میں ڈھول بجاتے ہیں اور لاٹھی کھیلنے کی مشق کرتے ہیں اور اس کے مظاہر منعقد کیے جاتے ہیں اور دس محرم کو ایک فلک بوس تعزیہ اٹھایا جاتا ہے، جسے اپنے ہاتھ سے تیار کیا جاتا ہے اور اس کی تیاری کافی دنوں پہلے سے کی جاتی ہے اور کئی گاؤں کے تعزیے نرشام جاتے ہیں وہاں سب کا ملاپ ہوتا ہے اور کبھی کبھار وہاں ناخوش گوار واقعہ بھی پیش آجاتا ہے، وہاں میلے اور جشن کا ماحول کا ہوتا ہے۔

اس کا اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ مقامی لوگوں کے علاوہ جو حضرات اور نوجوان دیگر شہروں میں ملازمت کرتے ہیں وہ بھی محرم کے لیے اپنے وطن پہنچتے ہیں اور بعض تو بقرعید کے گئے ہوئے محرم کے بعد ہی لوٹتے ہیں۔

یہ بدعت بہت قدیم سے چلی آرہی ہے، تاہم اس میں اب کچھ نہ کچھ کمی آئی ہے اور جیسے جیسے لوگوں میں شعور پیدا ہوگا، تعلیم عام ہوگی، ان شاء اللہ یہ غلط رسم بالکل ختم ہو جائے گی، ہم علماء کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں میں شعور بیدار کریں، ان دنوں گاؤں میں سیرت النبی اور اصلاح معاشرہ کے جلسوں کا انعقاد کریں۔

❑❑❑

تیسری فصل

خاندان

رفتگاں اور قائماں

مولانا محبّ الحق ''خانوادہ حنیفی'' کے چشم و چراغ تھے، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: مولانا محبّ الحق بن محمد حنیف بن ولایت حسین بن امیر احمد بن محمد قاری بن حیدر علیؒ اور نسباً شیخ صدیقی ہیں، جو بہار کا ایک معزز خاندان شمار کیا جاتا ہے۔

ہمارا سابقہ گاؤں

ضلع مدھوبنی میں ''بلانٹھ'' نام کا ایک گاؤں ہے، جو مدھوبنی سے جانب مغرب میں تقریباً (۱۰) کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، یہیں آپ کے اجداد پہلے آباد تھے پھر آپ کے دادا ولایت حسین صاحبؒ اور ان کے بھائی نتھو صاحبؒ نے پروہی کو اپنا وطن بنایا، جب ہی سے یہ خاندان یہاں آباد ہے اور یہ گاؤں کا معزز خاندان شمار کیا جاتا ہے، جس کے افراد نے بستی کی علمی اور مادی ترقی اور اس کا نام روشن کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے، اب بھی اس خاندان کے کئی روشن ستارے مختلف جہات سے یہاں کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں، اس خاندان میں دینی و عصری تعلیم کا خوبصورت امتزاج پایا جاتا ہے اور تجارت میں بھی کافی کامیابیاں حاصل کی ہیں، اس ''خانوادۂ حنیفی وواجدی'' میں حافظ، قاری، عالم، مفتی، مفسر اور مصنف و مولف کے ساتھ ساتھ گریجویٹس اور انجینئرز بھی ہیں، جو محض عطائے خداوندی ہے۔

والد صاحب نے کتاب ''سادات عباسیہ امروہہ'' مؤلفہ محمود احمد عباسی کے آخری صفحہ پر اپنے قلم سے اپنے نسب اور خاندان کے تعلق سے ایک تحریر لکھی ہے جو درج ذیل ہے:

(۱) حیدر علی (۲) محمد قاری (۳) امیر احمد (۴) ولایت حسین (۵) محمد حنیف (۶) محبّ الحق: رضوان الحق، ضیاء الحق، امدادالحق، احترام الحق، محبوب الحق، نسیم الحق، بریرہ فریدی۔

امیر احمد کے چار فرزند ہوئے: (۱) محمد جعفر (۲) محمد فرزند (۳) محمد نھو (۴) محمد ولایت حسین۔ جعفر اور فرزند کی اولاد اپنے وطن بلانٹھ میں ہی مقیم ہے۔ نھو اور ولایت حسین اپنی سسرال، جو احقر کا وطن ہے (پروہی) مقیم ہوئے۔ نھو صاحب کے صرف ایک لڑکے ''فضل حق'' ہوئے اور فضل حق کی صرف تین لڑکیاں ہوئیں، اولاد نرینہ نہیں تھی۔ ولایت حسین کے دو لڑکے: واجد حسین، محمد حنیف اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ واجد حسین کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں، محمد حنیف کے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ ولایت حسین کی لڑکی ''لطیفن'' کی شادی پروہی میں ہوئی، دوسری لڑکی کی شادی ہستھان میں ہوئی، تیسری لڑکی کا عقد بلانٹھ میں ہوا، چوتھی لڑکی رسولن کا عقد بسفی میں ہوا، ان کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں: (۱) ماسٹر مطیع الرحمان (۲) ماسٹر محی الدین اور لطیفن کو ایک لڑکا عبدالحلیم اور ایک لڑکی خاتون ہوئی۔ انتہی۔

پروہی کو وطن بنانے کا پس منظر

جناب ولایت حسین صاحبؒ اور ان کے بھائی جناب نھو صاحب، دونوں کی شادی پروہی کے ایک ہی گھر میں دو سگی بہنوں سے ہوئی اور ان کے خسر کے پاس کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، اسی لیے انھوں نے اپنے دونوں دامادوں کو پروہی میں آباد ہو جانے پر اصرار کیا، جب ہی سے یہ دونوں حضرات یہیں رہنے لگے اور ان کی نسل یہیں آباد ہو گئی۔

جناب نھو صاحب اور ان کی اولاد

جناب نھو صاحب کی نسل آگے تک نہیں چلی؛ کیوں کہ ان کے صرف ایک لڑکے جناب فضل کریم صاحب ہوئے، جن کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، پہلی زوجہ سے ایک لڑکی

فاطمہ زوجہ حفیظ احمد صاحب پرسونی تھیں اور دوسری زوجہ سے دولڑکیاں تھیں: (۱) حفصہ عرف بہاروز وجہ حافظ زین الحق پرسونی، جن کی اولاد میں ابھی جناب جمیل صاحب ہیں اور یہ جناب مصطفیٰ صاحب مرحوم کی سگی خالہ اور ساس بھی ہوتی ہیں۔ (۲) پھول بی بی (متوفیہ: ۱۶/ ۵/ ۲۰۰۸ء)، ان کی شادی اپنے چچازاد بھائی جناب حبیب الرحمان بن محمد واجد صاحب سے ہوئی۔

جناب ولایت حسین صاحب اور ان کی اولاد واحفاد

جناب ولایت حسین صاحب کی پہلی زوجہ سے ایک لڑکی لطیفن تولد ہوئی، ان کی شادی پروہی میں جناب محمد حکیم صاحب سے ہوئی، ان کے ایک لڑکے جناب محمد حلیم تھے اور ان کے دولڑکے جناب محمد محفوظ اور جناب محمد محمود ہوئے۔

پھر جناب ولایت حسین صاحب کا دوسرا عقد مل پٹی، کنور (دربھنگہ) میں ہوا، جن سے تین صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے (۱) جناب محمد واجد صاحب (۲) جناب محمد حنیف صاحب ہیں، انہی دونوں حضرات کی نسل پروہی میں آباد ہے، اس لحاظ سے پروہی میں بلانٹھ سے آنے والے دونوں بھائیوں میں سے صرف ولایت حسین صاحب کی نسل باقی اور آباد ہے۔

(۱) جناب محمد واجد صاحب

آپ کا شمار گاؤں کے معزز لوگوں میں ہوتا تھا، انتہائی شریف اور خوش اخلاق تھے، پنچایتوں میں فیصلہ کے لیے آپ کو بلایا جاتا تھا، صحت مند، خوبصورت گندمی رنگ اور دراز قد تھے، بیلوں کی تجارت اور کاشت کاری کیا کرتے تھے، آپ کی شادی مل پٹی (کنور) میں ہوئی، آپ کے تین صاحبزادے (۱) جناب محمد محسن صاحبؒ (۲) جناب مطیع الرحمان صاحبؒ (۳) جناب حبیب الرحمان صاحب ہیں اور دو صاحبزادی (۱) محترمہ معصومہ خاتون زوجہ جناب عبدالمنان صاحب گڑھا (سیتامڑھی) (۲) محترمہ حسینہ خاتون زوجہ ڈاکٹر عبدالودود صاحب مرحوم کھرما (دربھنگہ)۔ ۱۹۸۹ء میں ڈاکٹر صاحب اس دارفانی سے داربقا کو کوچ کر گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ!

(۱) جناب محمد محسن صاحبؒ

آپ کے ایک صاحبزادے (۱) جناب مبین صاحب اور دو صاحبزادی (۲) محترمہ نسیمہ خاتون زوجہ جناب حفظ الرحمان صاحب بن حافظ طاہر حسین صاحب ملک پور (دربھنگہ) (۳) محترمہ شہزادی خاتون زوجہ جناب نسیم احمد صاحب پرسونی (مدھوبنی) جناب مبین صاحب دہلی میں اٹیچی کا کاروبار کرتے ہیں۔ جناب محمد محسن صاحب کی وفات ۱۹۷۷ء کے آس پاس ہوئی۔

حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ نے اپنے ایک خط بنام مولانا محبّ الحقؒ میں محمد محسن صاحب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے، تعزیت کی ہے، اس خط پر ۱۹۸۱ء کی تاریخ درج ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ وفات ۱۹۷۷ء نہیں ہے، یہ خط مفتی صاحب سے تعلقات کے ذیل میں آئندہ صفحات میں موجود ہے۔ (دیکھیں صفحہ نمبر: ۱۷۷-۱۷۸)

(۲) جناب مطیع الرحمان صاحبؒ

آپ کلکتہ میں ٹرانسپورٹ میں ملازم تھے، آپ کی وفات ۲۹/نومبر ۱۹۹۶ء بروز جمعہ کو ہوئی، آپ کے تین صاحبزادے (۱) جناب آس محمد صاحب (ولادت ۱۹۶۰ء ....) (۲) جناب محمد احسان صاحب (ولادت ۲۰/۴/۱۹۶۳ء ....) (۳) جناب محمد وصی صاحب (ولادت ۱۹۶۶ء............) اور تین صاحبزادیاں (۱) محترمہ ریحانہ خاتون زوجہ الحاج عبدالکلام صاحب نور چک (مدھوبنی) (۲) محترمہ شہانہ خاتون زوجہ جناب محمد شعیب صاحب مرحوم رتن پور (دربھنگہ) (۳) محترمہ افسانہ خاتون (گلوباجی) زوجہ جناب فیروز احمد مرحوم پروہی ہیں۔

جناب آس محمد صاحب اور جناب محمد احسان صاحب کا بمبئی میں اپنا اچھا کاروبار ہے، مختلف اقسام کے بیگ اور (کمرکی) بیلٹ ان کے کارخانہ میں تیار کیے جاتے ہیں، اول الذکر کو اللہ تعالی نے جہاں دولت کی نعمت سے نوازا ہے، وہیں دینی اور رفاہی کاموں میں بھرپور حصہ لینے کا بھی جذبہ عطا فرمایا ہے، جبکہ موخر الذکر اعلی اخلاق کے حامل، مہذب اور شائستہ شخصیت کے مالک ہیں۔

(۳) جناب حبیب الرحمان صاحب

آپ تا عمر گھر پر ہی رہے، تجارت کی غرض سے کبھی آسام اور کبھی بنگلہ دیش کے دورے کیے، کاشت کار اور بیلوں کے تاجر تھے، پنج وقتہ نماز کے پابند تھے، خاندان کے معزز بزرگ تھے، تمام خاندان والے آپ سے محبت رکھتے، کسی معاملے میں کسی سے الجھتے ہوئے ہم نے انہیں کبھی نہیں دیکھا، بغض، عداوت اور انتقامی کارروائی جیسی منفی صفات سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پاک رکھا تھا، والد صاحب (حضرت مولانا محبّ الحق رحمہ اللہ) سے بہت محبت فرماتے تھے، آخر کے پندرہ سالوں میں تمام دنیاوی مصروفیات سے الگ ہو کر عبادت کے لیے یکسو ہو گئے تھے، تہجد اور اشراق وغیرہ کے پابند تھے۔

تبلیغی جماعت کے بھی سرگرم رکن تھے، دو مرتبہ چار مہینہ اور دو چلے لگائے ہوئے تھے، تین دن کی جماعت کا تو شمار ہی نہیں؛ صحت الحمد للہ اچھی تھی۔

آپ کی وفات ۲۳/ دسمبر ۲۰۱۹ء کو ہوئی، جنازہ کی نماز آپ کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب مظاہری نے پڑھائی اور گاؤں کے نئے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ نور اللہ مرقدہ۔

آپ کے چھ صاحبزادے اور دو صاحبزادی ہیں (۱) جناب محمد مصطفیٰ صاحب (متوفی ۱۷/ صفر ۱۴۳۷ھ = ۳۰/ نومبر ۲۰۱۵ء بروز پیر، مقام وفات وتدفین: قبرستان حضرت باقی باللہ دہلی) (۲) جناب محمد فاروق صاحب (۳) جناب محمد اسماعیل صاحب عرف لال (۴) جناب محمد اسحاق صاحب عرف ہیرا (۵) جناب محمد یونس سلیم عرف جماہیر (۶) جناب مولانا محمد یوسف صاحب مظاہری (عرف گلاب) (۱) محترمہ تمنا خاتون زوجہ جناب منظر صاحب اجرا (۲) محترمہ رحمت النساء، عرف نازنین خاتون زوجہ مولانا اشرف علی صاحب پروہی۔

(۲) جناب محمد حنیف صاحبؒ

آپ کی ولادت ۱۹۱۱ء اور وفات یکم جنوری ۱۹۸۶ء بروز بدھ کو ہوئی، آپ ایک زراعت پیشہ شخص تھے، نیز بیلوں کی تجارت کیا کرتے تھے، جس کے لیے دور دراز کے سفر

پیدل ہی طے کیا کرتے تھے؛ حتی کہ کلکتہ، بنگال اور آسام تک بھی پا پیادہ ہی جایا کرتے تھے، آپ کی یکے بعد دیگرے چار شادیاں ہوئیں، ایک بانکا (مدھوبنی) میں، دوسری ترمہان (TIRMAHAN) دربھنگہ اور تیسری اور چوتھی پرسونی (مدھوبنی) میں۔ پرسونی کی ہماری دونوں دادیاں سگی بہنیں تھیں؛ اور صرف انھی دو بیویوں سے آپ کو اللہ تعالی نے نو (۹) اولاد عطاء کی، پہلی زوجہ سے (۱) جناب امیر الحق صاحبؒ (۲) مرحومہ رئیسہ خاتون۔ اور آخری زوجہ مرحومہ میمون النساء سے (۱) حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ (۲) جناب مجیب الحق صاحب (۳) جناب عزیز الحق صاحب (۴) جناب مولانا ظہیر الحق صاحب (۵) مرحومہ سلیمہ خاتون (۶) محترمہ صالحہ خاتون (۷) محترمہ ساجدہ خاتون۔

والد صاحب کی ایک ڈائری میں دادا جان کی وفات کے تعلق سے ایک تحریر دستیاب ہوئی ہے، جو درج ذیل ہے:

"آج کا دن (یکم جنوری ۱۹۸۶ء) میرے گھر والوں کے لیے ایک امتحان کا دن تھا، آج کے دن میرے والد صاحب نے دن کے گیارہ بجے اس دار فانی سے کوچ کیا اور آج ہی عصر کے بعد نماز جنازہ ہوئی، مولانا منظور صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور گاؤں کے دکھن والے قبرستان میں ہمیشہ کے لیے اپنی آرام گاہ میں پہنچ گئے، اللہ تعالی جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور والد صاحب کی قبر کو نور سے منور کردے، آمین۔ والد صاحب کی قبر سے پہلے بھائی شفیع الرحمان مرحوم (یہ قاری حسنین صاحب کے والد ہیں) کی قبر ہے، جن کا انتقال ۲۵/نومبر ۱۹۸۵ء کو ہوا۔"

دادا جان کا ایک خط والد صاحب اور چچا جان کے نام

از محمد حنیف پروہی ۷۸۶ ۱۹۸۴/۵/۳۱ء

عزیزم بابو محبّ الحق و ظہیر الحق کو والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی طرف سے بعد دعائے خیر اور مجیب الحق کی طرف سے سلام۔ ہم لوگ خیریت سے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ لوگ بھی خیر و عافیت سے ہوں گے،

لکھنا ضروری یہ ہے کہ ہم بدھ کے روز ۳۰/۵/۱۹۸۴ء کو گھر چلے آئے ہیں اور اسی روز رات کے بارہ بجے دیباہی والی بھابھی کی چھوٹی لڑکی روحی کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

والد صاحب ابھی ویسے ہی ہیں، جو دوا آپ نے بھیجی تھی، وہ چل رہی ہے، ابھی کوئی فائدہ نہیں ہے، حیدرآباد میں کرفیو ہے، جس کی وجہ سے روپیہ نہیں آسکا، ضیاء الرحمان کی طبیعت خراب ہے، مفتی صاحب کو سبھی کی طرف سے سلام، سلطان کی طرف سے ماموا ور مفتی صاحب کو سلام، مفتی صاحب کو کہیے گا کہ دعا کرتے رہیں تاکہ میں (سلطان) کامیاب ہوتا رہوں، گاؤں والی ہم شیرہ اور بھائی کی طرف سے دعا پیار۔

فقط والسلام

بھائیوں اور بہنوں کے درمیان مثالی محبت

ہمارے چچاؤں اور پھوپھیوں کے درمیان جیسی مثالی محبت پائی جاتی ہے، میری آنکھوں نے ایسی محبت کہیں نہیں دیکھی، جس کی واضح اور چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ ہمارے چچاؤں میں بعض سوتیلے بھی ہیں؛ لیکن ہم چچازاد بھائیوں میں سے اکثر کو آج تک یہ معلوم نہیں ہوسکا؛ کیوں کہ ہم نے کبھی ان کے درمیان اس قسم کی کوئی بات یا کوئی ایسا برتاؤ نہیں دیکھا؛ بلکہ وہ تو ایک دوسرے کو بہت ٹوٹ کر چاہنے والے ہیں، اللہ ان کی نسلوں میں یہ روایت باقی رکھے۔ آمین!

(۱) جناب امیر الحق صاحب

آپ نہ بہت لمبے تھے، نہ پستہ قد؛ بلکہ کچھ دراز قد کی طرف مائل تھے، رنگ سانولا تھا، چہرا بڑا، پیشانی کشادہ، آنکھیں درمیانی اور قدرے اندر کو دھنسی ہوئیں، سر پر کپڑے کی کشتی نما دوپلی کی ٹوپی اور ہلکی گھنی داڑھی آپ کے چہرے کی رونق تھی، آپ کرتا پائجامہ یا لنگی زیب تن کیا کرتے تھے۔

شروع میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ان کے کام میں تعاون کیا کرتے تھے،

بعد ازاں انھوں نے تلاش معاش کے لیے مختلف کاموں میں تجربے کیے، آخر میں راجستھان کے کسی دینی ادارہ اور مسجد میں خدمت انجام دیا کرتے تھے، پچھلے کئی سالوں سے مختلف بیماریوں اور کمزوری کی وجہ سے گھر پر ہی رہتے تھے، نماز باجماعت کے بے انتہاء پابند تھے، گاؤں کی مسجد وار جماعت کے اہم رکن تھے، وقتاً فوقتاً تبلیغی جماعت میں وقت لگاتے رہتے تھے۔

تقریباً ڈیڑھ سال قبل فالج کے زبردست حملہ کے شکار ہوئے، جس نے آپ کو صاحب فراش بنادیا اور آخر کے مہینوں میں یادداشت اور لوگوں کی شناخت بھی بہت کم باقی رہ گئی تھی۔ بالآخر جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات مورخہ ۲۳/ ربیع الاول ۱۴۴۳ھ مطابق ۳۰/ اکتوبر ۲۰۲۱ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

آپ کی شادی جناب عبدالرحیم بن حاجی بنیادی صاحب دبیاہی کی صاحبزادی محترمہ رقیہ خاتون (متوفیہ: ۱۹/ ربیع الاول ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۶/ اکتوبر ۲۰۲۲ء، ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب) کے ساتھ ہوئی، جن سے آپ کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں (۱) جناب مولانا حشمت اللہ صاحب (ولادت: ۱۳۹۰ھ=۱۹۷۰ء) استاذ مدرسہ جامعہ ابوبکر صدیقؓ، محلّہ گڑھی، شمس آباد، ضلع فرخ آباد (یو۔ پی) آپ عالم باعمل اور نیک طبیعت کے مالک ہیں، مدرسہ شاہی مرادآباد سے فضیلت (۱۹۱۲ء) اور عربی ادب (۱۹۱۳ء) میں کیا۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن ہیں، آپ ایک اچھے خطاط بھی ہیں، خطاطی میں کفیل امروہوی کے تلمیذ ہیں۔ (۲) جناب نصیر الحق صاحب (ولادت ۱۹۷۵ء تقریباً) کاروبار کے سلسلہ میں مع اہل وعیال حیدرآباد میں قیام پذیر ہیں۔ (۳) محترمہ نصرت پروین خاتون (عرف نصّو)، ان کی شادی اپنے پھوپھازاد بھائی جناب ممتاز صاحب پرسونی کے ساتھ ہوئی۔ (۴) محترمہ رابعہ خاتون، ان کا عقد بانکا میں جناب محمد معصوم صاحب بن محمد داؤد ناد م بانکا (مدھوبنی) کے ساتھ ہوا۔

(۲) مرحومہ ام ممتاز

مرحومہ رئیسہ خاتون (ام ممتاز)، ان کی شادی پرسونی میں جناب اختر صاحب

مرحوم سے ہوئی ،جن سے دو صاحبزادے (۱) جناب صابر صاحب (۲) جناب ممتاز صاحب اور چار صاحبزادیاں (۱) محترمہ مشتری خاتون زوجہ جناب جسیم بن مہتاب صاحب چھچھوا (۲) محترمہ حبیبہ خاتون زوجہ جناب صدر عالم بن نعیم صاحب بھگوتی پور (۳) محترمہ رقیہ خاتون زوجہ جناب اسرار صاحب اسراہی (۴) محترمہ سلمہ خاتون زوجہ جناب ممتاز بن پھول حسن صاحب سہرول۔

طویل علالت کے بعد ۳۰/ جنوری ۲۰۱۷ء بروز پیر آپ اپنے رب حقیقی سے جا ملیں ،اللہ ان کی قبر کو نور سے معمور کرے۔آمین!

(۳) حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ

آپ کی شادی محترمہ ریحانہ خاتون بنت جناب عباس بن سلیم صاحب چندرسین پور مدھوبنی (متوفی ۲۸/ فروری ۱۹۹۷ء) کے ساتھ ہوئی ،آپ کے چھ صاحبزادے ہیں (۱) قاری رضوان الحق محمودی (ولادت: ۲۸/ربیع الاول ۱۳۹۶ھ = ۲۸/مارچ ۱۹۷۶ء ....) (۲) ضیاء الحق شاداں (ولادت: ۲۶/ربیع الاول ۱۳۹۹ھ = ۲۳/ فروری ۱۹۷۹ء....................) (۳) مفتی امداد الحق بختیار قاسمی (ولادت: یکم جمادی الاولی ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵/فروری ۱۹۸۲ء....................) (۴) مولانا خواجہ احترام الحق فاضل جامع مسجد امروہہ (ولادت: ۲۰/ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ = ۱۷/ستمبر ۱۹۸۴ء.................... ......) (۵) محبوب الحق (ولادت: ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۶ء ....) (۶) نسیم الحق (ولادت: ۱۵/رجب ۱۴۱۱ھ=۱۹۹۰ء ....) پہلے ،دوسرے اور پانچویں صاحبزادے دہلی میں کام کے سلسلہ میں مقیم ہیں اور امداد الحق بختیار قاسمی دارالعلوم/حیدر آباد میں استاذ حدیث،شعبہ افتاء،صدر شعبہ عربی ادب اور چیف ایڈیٹر سہ ماہی عربی مجلّہ ’’الصحوۃ الاسلامیۃ‘‘ ہیں اور مولانا خواجہ احترام الحق بمبئی کے ایک اسکول میں کمپیوٹر کی تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں اور نسیم الحق سیول انجینئر ہیں اور برسر ملازمت ہیں اور ایک صاحبزادی بریرہ فریدی (ولادت: ۴/صفر ۱۴۱۶ھ=۳/جولائی ۱۹۹۵ء بروز پیر مقام ولادت امروہہ یو۔پی ....) زوجہ جناب حافظ شمس عالم بن شعیب صاحب تیسی

ہیں۔

(۴) جناب مجیب الحق صاحب

آپ گھر پر ہی رہتے ہیں، خانوادہ حنفی کے عملاً ذمہ دار آپ ہی ہیں، زراعت پیشہ ہیں، صوم وصلاۃ کے ہم جیسے مولویوں سے بھی زیادہ پابند ہیں، آپ کے چار صاحبزادے (۱) مختار الحق ہادی (ولادت: ۲۶ شوال المکرّم ۱۴۰۰ھ = ۷/ستمبر ۱۹۸۰ء ....) (۲) منہاج الحق (ولادت: ۱۵/ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ = ۳/اگست ۱۹۸۵ء ہفتہ...... ....) (۳) مصباح الحق (ولادت: ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ = ۱۹۹۱ء................) (۴) حافظ معراج الحق (۱۳/شوال ۱۴۱۴ھ = ۲۶/مارچ ۱۹۹۴ء.................) اول الذکر تینوں بھائی ایک ساتھ دہلی میں بیگ کا کارخانہ چلاتے ہیں اور تین صاحبزادیاں ہیں (۱) محترمہ سمیہ خاتون (ولادت: ۹/رجب المرجب ۱۴۰۸ھ = ۲۸/فروری ۱۹۸۸ء.................) زوجہ جناب محمد امجد صاحب رجمان (۲) زینب زوجہ جناب محمد اشتیاق صاحب بھن گاما (۳) حبیبہ۔

(۵) جناب عزیز الحق صاحب

آپ کام کے سلسلہ میں بمبئی میں رہتے ہیں، طبیعت میں خاموشی کے ساتھ سادگی بھی ہے، آپ کے دو لڑکے ہیں (۱) ابرہیم (ولادت: ۶/ جنوری ۱۹۹۶ء) (۲) اسماعیل (ولادت: ۳۰/ دسمبر ۱۹۹۷ء) اور ایک لڑکی ماریہ خاتون (ولادت: ۱۴۰۹ھ = ۱۹۸۹ء) زوجہ جناب انظار صاحب بن جناب شوکت صاحب چندر سین پور۔ جناب انظار صاحب کا جوانی کی عمر میں ہی ۳۱/ اگست ۲۰۲۰ء مطابق ۱۲/محرم ۱۴۴۲ھ بروز پیر کو انتقال ہوگیا، کرونا اور لاک ڈاؤن کی دہشت کے دنوں میں دل کا دورہ پڑنے سے ممبئی میں آپ کی وفات ہوئی، ان دنوں جنازہ میں بھی شرکت بہت مشکل تھی؛ چنانچہ ابراہیم بابو، جناب عارف صاحب بانکوی (داماد شہانہ باجی) اور چند حضرات نے مل کر ناریل واڑی قبرستان، رئی روڈ، ممبئی میں ہی تجہیز وتکفین اور تدفین کے تمام مراحل پورے کیے۔ انظار صاحب کا انتقال دیگر لوگوں کے ساتھ خاص طور پر ہماری بہن ماریہ کے لیے بہت بڑا حادثہ تھا۔

(۶) جناب مولانا ظہیر الحق صاحب

آپ کی ولادت ۱۹۶۸ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں ہوئی اور فراغت جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد سے ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۱۲ھ میں ہوئی، بعد ازاں آپ نے مدرسہ معارف القرآن اوجھاری (ضلع مرادآباد) میں چند سالوں تک تدریسی خدمات انجام دیں، پھر میرا روڈ، بمبئی کی ایک مسجد میں کئی سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اوراب بمبئی میں ہی تجارت کرتے ہیں، آپ ایک اچھے خطاط بھی ہیں، خطاطی میں کفیل امروہوی کے تلمیذ ہیں، آپ کی اولاً چار صاحبزادیاں پھر تین صاحبزادے ہیں (۱) ام کلثوم (ولادت: ۱۲/ فروری ۱۹۹۵ء) زوجہ محبوب الحق بن حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ (۲) عائشہ (ولادت: ۱۸/ دسمبر ۱۹۹۸ء) زوجہ جناب انتظار صاحب دبیاہی (۳) صفیہ (یکم جنوری ۲۰۰۲ء) (۴) خدیجہ (ولادت: یکم جنوری ۲۰۰۴ء) (۴) محمد (ولادت: ۱۳/ اگست ۲۰۰۵ء) (۵) احمد (ولادت: ۲۴/ جون ۲۰۰۸ء) (۶) طلحہ (ولادت: ۲۰/ جولائی ۲۰۱۳ء)۔

(۷) مرحومہ ام سلطان

مرحومہ سلیمہ خاتون (ام سلطان) ان کی شادی پروہی میں ہی جناب محبّ الحق بن عبدالرؤف بن نواب علی بن فرزن علی صاحب سے ہوئی، ان کے ایک صاحبزادہ جناب محمد سلطان احمد صاحب (ولادت: ۱۹۶۷ء) اور تین صاحبزادیاں (۱) محترمہ زینت خاتون زوجہ جناب نثار بن وحید الحق صاحب ترمہان (۲) محترمہ نعمت خاتون زوجہ جناب ذکی احمد ہاشمی بن حاجی محمد ذاکر حسین صاحب اجرا (۳) محترمہ رحمت خاتون (پھول بوبو) زوجہ جناب حسیب احمد بن حاجی عبدالغفار صاحب دبیاہی۔

بھائی سلطان صاحب سنجیدہ، شریف، اپنے کام سے کام رکھنے والے، مہذب اور تعلیم یافتہ شخص ہیں، آپ بنگاباشی مورنی کالج کلکتہ سے گریجویٹ ہیں، آپ کا عقد محترمہ رخسانہ خاتون پیغمبرپور کے ساتھ ہوا۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں: (۱) محمد ساجد سلطان عرف شمسی بابو، بی ٹیک میکینکل، ولادت: یکم جنوری ۱۹۹۳ء (۲) محمد شاہد سلطان عرف نجمی

بابو، میٹرک لیشن، ولادت: ۴/ مئی ۱۹۹۵ء (۳) محمد راشد سلطان عرف فیصل بابو، (میڈیکل کی تیاری میں ہیں) ولادت : ۱۷/ دسمبر ۱۹۹۹ء اور ایک صاحبزادی: ثنا تسنیم (معائشہ سلطان) گریجویٹ، ولادت: ۱۶/ستمبر ۲۰۰۱ء۔

ہماری پھوپھی مرحومہ سلیمہ خاتون ۲۶/ نومبر ۲۰۱۱ء کو اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئیں، نئے قبرستان میں ہی آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ اللہ ان کی قبر کو جنت کا نمونہ بنائے۔ آمین!

(۸) محترمہ ام عرفان

محترمہ صالحہ خاتون (ام عرفان) ان کی شادی کوکروا (COCARWA) میں جناب نثار احمد ولد محمد حلیم صاحب کے ساتھ ہوئی، جن سے چار لڑکے (۱) محمد عرفان (۲) نذیر احمد عرف فرقان (۳) حافظ محمد غفران (۴) محمد عمران عرف گلاب اور دو لڑکی (۱) مسرت زوجہ جناب پرویز صاحب رجوڑا (۲) نصرت عرف چاندنی زوجہ مولانا متین الحق صاحب، سنگرام مدھوبنی۔

ہمارے پھوپھا جناب نثار صاحب کا ۱۲/ فروری ۲۰۱۹ء کو ممبئی میں انتقال ہوا، مولانا ظہیر الحق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، احقر بھی جنازے میں شریک تھا، تدفین بھی ممبئی میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۹) محترمہ ام اقبال

محترمہ ساجدہ خاتون (ام اقبال) ان کا عقد جناب ابوذر بن محمد یونس صاحب بھسن گاما کے ساتھ ہوا، ان کے پانچ لڑکے (۱) حافظ محمد اقبال (ولادت: ۱۹؍صفر المظفر ۱۴۰۳ھ = ۷؍دسمبر ۱۹۸۳ء) (۲) محمد اشتیاق عرف لال بابو (۳) محمد ابرار (۴) محمد امتیاز صدام (ولادت: ۱۹۹۲ء) (۵) محمد انتخاب۔ اور تین لڑکیاں (۱) قرینہ نازنین زوجہ جناب نیر تاباں صاحب رجوڑا بابو سلیم پور (۲) فاطمہ زوجہ جناب عارف اقبال صاحب بانکا۔ (۳) عائشہ (متوفیہ ۲۰۰۱ء)۔

❑❑❑

چوتھی فصل

شہرامروہہ-تاریخ وشخصیات

آپ ؒ کا وطن ثانی: امروہہ کی مختصر تاریخ

چوں کہ والد صاحب ؒ کی حیات کا دو تہائی سے زیادہ حصہ شہر امروہہ میں گزرا، انہیں اس شہر سے بے پناہ محبت تھی، بیشتر تعلیم انہوں نے یہیں حاصل کی، یہیں تدریسی اور دیگر خدمات انجام دیں، حتی کہ وفات بھی یہیں ہوئی؛ لہذا اس کے ذکر کے بغیر ان کی سوانح ناتمام رہے گی؛ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ اس شہر کی تاریخ، اس کے اور وہاں کے اہل علم ودانش کے ساتھ ان کے روابط پر روشنی ڈالی جائے۔

امروہہ شمالی ہندوستان کا ایک قدیم تاریخی شہر ہے، جو مردم خیز بھی ہے اور علم پرور بھی۔ مؤرخین کے مطابق یہ بستی ڈھائی ہزار سال سے زیادہ قدیم ہے، ''ہستناپور'' کا راجہ ''امر جودھ'' جو ۴۷۶ قبل مسیح ''ہستناپور'' کی راج گدی پر بیٹھا تھا، اسی کو امروہہ کا بانی بتایا جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ کے سلسلے میں تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امروہہ دراصل سنسکرت زبان کے ایک لفظ (امرونم) سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ''آموں کی جگہ'' اُس وقت بھی آموں کے باغ یہاں بکثرت پائے جاتے تھے اور آج بھی یہ علاقہ آموں کی کیفیت وکمیت کے لحاظ سے مشہور ہے پھر مرور ایام کی بناء پر حرفوں میں کچھ تبدیلی ہوتی رہی اور آخر کار یہ لفظ ''امروہہ'' رہ گیا۔

امروہہ کو بڑے بڑے علماء، فضلاء، صوفیا، اولیاء، اطباء، شعراء اور صاحبانِ علوم وفنون کا مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس شہر کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ یہاں تقریباً تمام

مروّجہ سلاسلِ طریقت کے مشائخ نے اپنے اپنے عہد میں چشمہائے فیوض وہدایت سے مخلوق کو سیراب کیا ہے، یہاں ہر دور میں بڑے بڑے باکمال علماء ہوئے اور بعض خاندانوں میں مسلسل علماء پیدا ہوتے رہے ہیں، اسی طرح بعض خاندانوں کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ اس میں نسلاً بعد نسلٍ بڑے بڑے ذی علم اور حاذق اطباء پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے خدمت خلق کو اپنا شعار بنائے رکھا، فن شاعری میں بھی امروہہ امتیازی شناخت رکھتا ہے۔

یہاں پر ہر زمانہ میں نامور شخصیتیں پیدا ہوئیں، یہاں ''معز الدین کیقباد'' [۱۲۸۷ء-۱۲۹۰ء] کے عہد میں سب سے پہلا عربی مدرسہ ''معزیہ'' کے نام سے قائم ہوا تھا، یہاں کی خانقاہوں میں علم وعرفان کی بارشیں ہوتی تھیں، اکبری دور کے مشہور میر عدل مولانا سید محمدؒ [مدۃ القضاء ۱۵۷۹ء-۱۵۸۱ء، متوفی ۹۸۶ھ] اسی سرزمین کے باشندے تھے، (۲) صاحبِ '' منتخب التواریخ'' ملا عبدالقادر بدایونیؒ [۱۷/ ربیع الآخر ۹۴۷ھ =۱۵۴۰ء-۱۰۰۴ھ=۱۵۹۵ء] نے آپ سے درس حاصل کیا۔

مشہور ہے کہ امروہہ پر مسلمانوں کے تسلط کی ابتداء سلطان محمود غزنوی [۱۵/ دسمبر ۹۶۷ء = ۹/محرم ۳۵۷ھ-۲۳/ ربیع الآخر ۴۲۱ھ =۳۰/ اپریل ۱۰۳۰ء] کے صاحبزادے کے زمانہ میں سید سالار مسعود غازیؒ [متوفی ۴۲۴ھ=۱۰۳۳ء] کی مجاہدانہ جدوجہد سے ہوئی، سلطان غیاث الدین تغلق [ت: فروری ۱۳۲۵ء= ربیع الآخر ۷۲۵ھ] کے ابتدائی عہد میں سید العارفین سید حسن المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ العزیز ملتان سے مع اپنے خلفاء اور اعزاء کے امروہہ تشریف لائے اور یہیں مقیم ہوگئے اور اپنے روحانی مرتبہ کے سبب یہاں کے ''شاہ ولایت'' کہلائے۔

سلسلۂ چشتیہ کے تین مشہور اور پائے کے بزرگ: شاہ عضدالدینؒ (متوفی: ۱۱۷۲ھ) شاہ عبدالہادیؒ (متوفی: ۱۱۹۰ھ) اور شاہ عبدالباریؒ (متوفی: ۱۲۲۶ھ) بھی یہیں آسودۂ خواب ہیں۔

حضرت مولانا فریدیؒ کے خواہرزادے پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم لکھتے ہیں:

''امروہہ شمالی ہندوستان کی ان قدیم بستیوں میں ہے، جہاں اسلامی

تہذیب اور تمدن کی بہترین آبیاری ہوئی ہے، محمد بن تغلق کے زمانہ میں ایک غیرملکی سیاح ''ابن بطوطہ'' نے محسوس کیا تھا کہ ''**وهی بلدةٌ صغيرةٌ حسنةٌ**'' : یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ (رحلہ ۲/۹۰) لیکن امروہہ کی حقیقی دل کشی اور رعنائی کا باعث وہ مذہبی، تہذیبی اور تمدنی رجحانات تھے، جنھوں نے اس کے آغوش میں پرورش پائی تھی، اس کا تمدنی ماحول روحانی سلاسل کے لیے سازگار ثابت ہوا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں چشتی، سہروردی، نقشبندی اور قادری بزرگوں کی نواسنجیوں سے ساری فضا گونج اُٹھی تھی، یہاں گیسوئے اردو سنوارے گئے، لکھنوی دبستاں کے عظیم شاعروں ناسخؔ اور آتشؔ کو اس سرزمین نے استاد فراہم کیا، سعادت امروہوی نے میرؔ: شہنشاہِ متغزلین کو اردو شعر کہنے پر راغب کیا، مرزا عبدالقادر بیدلؔ نے امروہہ ہی کے ایک شاگرد عطاؔ کو اپنا قلم دان بخشا۔ جب دہلی کے شب و روز مرزا مظہر جان جاناں پر گراں گزرنے لگے، تو امروہہ ہی میں ان کو امن و عافیت کا سانس لینا نصیب ہوا، مولانا سید احمد شہید (رائے بریلویؒ) نے جب جہاد کا نعرہ بلند کیا، تو یہاں کے در و دیوار سے ''لبّیک'' کی صدائیں بلند ہوئیں، جب برطانوی انتقام کے شعلے درگاہ بابا فرید پاک پٹن تک پہنچے، تو اس قصبہ کے ایک فریدی بزرگ شیخ ارشاد علی ہی نے ان شعلوں کو بجھایا، سرسید (احمد خاں) کی تعلیمی تحریک کا ایک ستون، نواب وقارالملک (مولوی مشتاق حسین) اسی سرزمین امروہہ سے تعلق رکھتا تھا، یہ کہنا تو صحیح نہ ہوگا کہ ؎

رہتے تھے یہاں منتخب ہی روزگار کے

لیکن اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس سرزمین نے بہت سے ''لعل و گوہر'' پیدا کیے، ہندوستان کی کوئی علمی اور مذہبی تاریخ امروہہ کے علمی اور تہذیبی کارناموں کو نظر انداز نہیں کرسکتی، جس سرزمین سے

''ریاض الفصحاء، عقد ثریا، تفسیر شاہی، مقاصد العارفین، بشیر النصائح بشیر المدائح، قرابادین جلالی، تشخیص الکامل'' وغیرہ کتابیں لکھی گئی ہوں، جہاں سید شرف الدین سہروردیؒ، شیخ چائلدہؒ، پیر شاہ ابنؒ نے اپنا رخت سفر کھولا ہو، جہاں'' شاہ عضد الدین جعفریؒ، شاہ عبدالہادیؒ، شاہ عبدالباریؒ' نے تزکیہ نفس کے درس دیے ہوں، جہاں (سید العلماء) مولانا سید احمد حسنؒ جیسے محدث، حکیم بخش اللہ جیسے طبیب، حکیم مولانا محمد حسن جیسے متبحر عالم پیدا ہوئے ہوں، علمی دنیا میں اس کے مقام سے کون انکار کرسکتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ امروہہ کی وہ دنیا، جس نے ان بزرگوں کو پیدا کیا تھا، تاریخ کے دھندلکوں میں غائب ہوچکی ہے۔

(حیات فریدی، مولفہ مولانا محبّ الحقؒ)

مولانا محبّ الحقؒ اور امروہہ

مولانا محبّ الحقؒ نے امروہہ میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا ہے، ۱۹۶۷ء میں جب کہ وہ ۱۶ یا ۱۷ سال کی عمر کے تھے، امروہہ تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے، ان کی نشست و برخاست، زبان ولہجہ، رہن سہن اور طرز زندگی یہ سب یہاں کے ماحول میں ڈھل چکے تھے، ان کی کسی بھی بات سے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ امروہہ کے نہیں ہیں اور بہار یا باہر کسی اور صوبہ کے ہیں، یہاں کی مٹی سے انہیں محبت تھی، یہاں کے لوگوں سے انس تھا، یہاں کی تہذیب انہیں پسند تھی، یہاں کی زبان میں وہ مٹھاس محسوس کرتے تھے، یہاں کا علمی اور ادبی ماحول ان کے لیے باعث تسکین اور وجہ کشش تھا اور یہاں کی امن وامان، اخوت و بھائی چارگی اور پیار ومحبت کی فضا میں وہ سکون اور راحت کا سانس لیتے تھے؛ اسی لیے انہوں نے ۱۹۶۷ء سے لے کر ۲۰۱۳ء تک تقریباً ۴۶ یا ۴۷ سال اپنی زندگی کا طویل عرصہ یہیں گزار دیا؛ حتی کہ آپ کی وفات بھی اسی شہر میں ہوئی، لہذا اگر اس شہر کو ان کا وطن ثانی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، جب کہ بعض حضرات نے ایسا لکھا بھی ہے۔

محلّہ سرائے کہنہ امروہہ

محلّہ سرائے کہنہ امرہہ کی انار والی مسجد میں آپ نے طویل عرصہ تک امامت و خطابت کے فرائض انجام دیے، اس پورے محلّہ سے آپ کو اور یہاں کے باشندوں کو آپ سے حد درجہ انسیت تھی، کئی سال مع اہل و عیال بھی آپ اس محلّہ میں قیام پذیر رہے، تمام اہل محلّہ کے ساتھ خاندانی رشتے جیسا تعلق تھا، بالکل گھر جیسا معاملہ تھا، جو آج تک قائم ہے، آج بھی وہاں اگر کسی کی شادی یا کوئی تقریب ہوتی ہے تو ہمیں یاد کیا جاتا ہے، دعوت دی جاتی ہے، یہاں کے لوگ؛ بلکہ پورے شہر کے لوگ بڑی محبت والے ہیں۔

اس محلّہ کے ہر شخص اور ہر گھر سے بہت قریبی تعلق تھا، لہٰذا یہ فرق کرنا بہت مشکل ہوگا کہ کس سے زیادہ اور کس سے کم تعلق تھا، چنانچہ جناب سید صنوبر حسین زیدی مرحوم ومغفور (متوفی: ۱۸/ اگست ۲۰۱۴ء)، جناب غلام رسول عرف مٹّن صاحب، جناب عبد الرب صاحب، جناب سید ساجد حسین مرحوم (متوفی: ۳۰/مئی ۲۰۱۲ء)، جناب سید زائر حسین صاحب (متوفی: ۱۱/ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۰/دسمبر ۲۰۰۸ء)، جناب یونس صاحب پینٹر، (۱۱/ رمضان ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۴/ اپریل ۲۰۲۱ء) جناب ایوب صاحب پینٹر، (۲۶/اپریل ۲۰۲۱ء) جناب سلطان صاحب، جناب یاقوت صاحب، جناب اقرار صاحب و اکرام صاحب، جناب اسلام نبی صاحب، جناب نسیم احمد صاحب، جناب محمد احمد بقاء صاحب، جناب ڈاکٹر فضل احمد صاحب، اسی طرح ناموں کی بہت لمبی فہرست ہے، ان سب حضرات سے بہت قریبی تعلق تھے۔

نیز جناب حاجی اللہ دیا مرحوم، جناب آفتاب فریدی صاحب گھیر مناف، ماسٹر آفتاب احمد صدیقی صاحب گھیر مناف، جناب حُسین قریشی صاحب مرحوم، جناب جلیل احمد صاحب مرحوم مجاپوتہ، جناب لائق علی صاحب مجاپوتہ، جناب امین عالم رابن صاحب مرحوم اور جناب عبد الصبور صاحب شاہی چبوترہ سے بھی گہرے روابط تھے۔

جناب حاجی یاسین صاحب تلوار شاہ، ماسٹر کمال صاحب، حاجی شرافت صاحب، جناب شجاعت علی صاحب، جناب تسلیم صاحب، جناب تنظیم صاحب، سید منصور

حسن زیدی صاحب، جناب سبیل صاحب، جناب نسیم صاحب، جناب مزمل صاحب، جناب فاروق صاحب، جناب نجم صاحب و برادران، جناب جنید صاحب وغیرہ یہ سب حضرات مولاناؒ کے باتوفیق اور فرمانبردادشاگردوں میں سے ہیں۔

امروہہ میں سب سے پہلے الحاج سید زائر حسین صاحب کے مکان میں آپ کے اہل خانہ کی رہائش رہی، جو مدرسہ نسیم العلوم کی عمارت کے بالکل عقب میں واقع ہے، پھر ایک لمبے عرصہ تک ایڈوکیٹ جناب لائق علی صاحب کے مکان میں قیام رہا، جو جناب سبیل صاحب کی دوکان کے اوپر ان کے گھر سے متصل جانب شمال میں واقع ہے، اور سب سے زیادہ جناب نسیم صاحب قریشی کے مکان میں سکونت پذیر رہے، اور ان سب حضرات نے از راہ محبت اپنا مکان رہائش کے لیے پیش کیا، کسی نے کبھی کوئی کرایہ نہیں لیا، اللہ تبارک وتعالی ان سب حضرات کو بہتر سے بہتر جزاء عطا فرمائے۔

امروہہ ومضافات کی تاریخ پر گہری نگاہ

یہاں کی تاریخ پر آپ کی گہری نظر تھی؛ یہاں کے نوخیز علماء اور محققین امروہہ کی تاریخ کے حوالے سے آپ سے استفادہ بھی کرتے تھے، ''حیات فریدی'' کا پہلا باب ''مختصر تاریخ امروہہ'' اس کی بڑی دلیل ہے، نیز امروہہ، اہالیان امروہہ اور مضافات امروہہ کی تاریخ پر متعدد کتابیں بھی آپ کے ذاتی کتب خانہ میں ہیں، جیسے (۱) تاریخ اصغری، مؤلفہ سید اصغر حسین نقوی (۲) تحفۃ الانساب، مؤلفہ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (۳) آئینہ عباسی، تصنیف محمد محبّ علی خاں عباسی (۴) ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی میں امروہہ کا حصہ، مؤلفہ شہوار حسین نقوی (۵) سادات عباسیہ امروہہ، مؤلفہ محمود احمد عباسی (۶) نگاہ فقر یعنی ایک فریدی خاندان کی تاریخ، مؤلفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (۷) تذکرہ علماء امروہہ، مؤلفہ سید شہوار حسین نقوی (۸) تذکرہ علماء امروہہ، مؤلفہ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (۹) شعرائے امروہہ، مؤلفہ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (۱۰) حضرت شیخ صدر الدین محمد یعقوب جھنڈا شہیدؒ، تالیف پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی (۱۱) نظام الفرائد، تالیف حافظ مظہر الدین فریدیؒ، ترجمہ جنید اکرم فاروقی (۱۲) تاریخ حسن پور ہماری

تہذیب کے آئینہ میں، تالیف ڈاکٹر توقیر احمد خاں (۱۳) فاروقیانِ امروہہ (امروہہ میں آباد اولاد فاروق اعظم کا مختصر تعارف) تالیف جنید اکرم فاروقی (۱۴) دُرِّ فرید (حضرت خواجہ راشد فریدی سجادہ نشین حضرت بابا فریدیؒ رجب پور شریف کی سوانح) تالیف جنید اکرم فاروقی اور بھی بہت سی کتابیں ہیں؛ لیکن وہ ابھی میرے پاس نہیں ہیں؛ کیوں کہ ہمارا کتب خانہ دو بڑے حصوں میں تقسیم ہے، ایک حصہ بہار میں ہمارے گھر ہے تو دوسرا حصہ میرے ساتھ حیدر آباد میں۔

آپ کی تاریخی دست رس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امروہہ کی معروف شخصیات کے احوال، ان کے خاندان، ان کی اولاد واحفاد کی تفصیلات، ان کے علمی کاموں اور عملی کارناموں سے آپ بخوبی واقف تھے، ایک ایک گوشہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا، کسی مجلس میں تذکرہ ہوتا تو پوری تفصیل زبانی پیش فرمادیتے، امروہہ، مضافات اور یہاں کی علمی شخصیات پر کوئی کتاب آتی تو متعدد مقامات پر مؤلف کے تسامح کو قلم زد فرماتے، ایسی کئی کتابیں ہمارے پاس ہیں، جن میں والد صاحب نے گراں قدر معلوماتی نوٹس اپنے قلم سے لکھے ہیں، بہت سی تاریخی غلطیوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔

نیز امروہہ اور مضافات کی تاریخ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں والد گرامی کی کتابوں کے حوالے ملتے ہیں، جن سے اس حوالے سے ان کے تاریخی کاموں کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

جیسے ڈاکٹر مصباح صاحب صدیقی امروہی نے اپنی کتاب ”علماء امروہہ“ کی تالیف میں مولانا محبّ الحقؒ کی کتاب ”فیضان نسیم“ سے بھی استفادہ کیا ہے، جیسا کہ کتابیات کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے۔

نیز ڈاکٹر توقیر احمد خاں نے ”تاریخ حسن پور ہماری تہذیب کے آئینہ میں“ کی ترتیب میں بھی مولانا محبّ الحقؒ کی دو کتابوں (۱) مکتوبات نعمانی اور مکتوبات مشاہیر سے استفادہ کیا ہے اور ان دونوں کتابوں کے نام کتابیات کی فہرست میں درج بھی کیے ہیں۔

(تاریخ حسن پور ہماری تہذیب کے آئینہ میں، ڈاکٹر توقیر احمد خاں، اشاعت: ۱، ۲۰۰۵ء، ص: ۳۲۰)

امروہہ کے علمی وادبی حلقوں میں آپ کا مقام

امروہہ کے تمام علمی وادبی حلقوں میں آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، امروہہ کے تقریباً تمام علماء، شعراء اور ادبا سے آپ کے قریبی تعلق تھے، شاید ہی امروہہ کے ماضی قریب اور حال کے کوئی شاعر ہوں جن کا مجموعہ کلام آپ کے پاس نہ ہو، ایسے مجموعوں اور کلیات کی ایک لمبی فہرست ہے، جن کا بڑا حصہ بہار کے کتب خانہ میں ہے، میرے پاس جو موجود ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: (۱) کلیات لاابالی مرتبہ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (۲) چمنستان عطاء، مرتبہ مصباح احمد صدیقی (۳) گلدستہ شمیم، مرتبہ ڈاکٹر شمیم (۴) نسیم سحر، مرتبہ انیس احمد فاروقی (۵) تاجدار شہادت، مرتبہ تاجدار امروہی۔

یہاں کے علماء کی تصانیف بھی آپ کے کتب خانہ میں کثرت سے ملتی ہیں؛ لیکن ادبا اور شعراء کے مقابلہ میں علماء کی تالیفات کم ہیں، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کے علماء نے اس عرصہ میں تصنیف وتالیف کی طرف بہت کم توجہ مبذول کی ہے اور یہ واقعہ بھی ہے۔

یہاں کے علماء میں کچھ آپ کے اساتذہ ہیں جیسے مفتی نسیم احمد فریدی امروہی اور حضرت مولانا طاہر حسن صاحب وغیرہ اور بہت سے آپ کے ہم درس اور ہم عصر ہیں جیسے مولانا محمد قاسم صاحب سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ اور مولانا محمد یوسف صاحب سابق استاذ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ وغیرہ اور ایک بڑی تعداد ان کی ہے جو آپ کے شاگرد یا شاگرد کے درجہ میں ہیں۔

امروہہ کے شعراء، ادبا، اطباء اور اہل علم، جن سے آپ کے قریبی تعلقات تھے، ان میں مفتی عبدالرحمٰن صاحب نوگانوی، جناب افسر امروہوی، ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی، جناب جنید اکرم فاروقی، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر انیس احمد فاروقی، حکیم صیانت اللہ صدیقی، حکیم شعیب صدیقی، جناب توفیق احمد چشتی، جناب محمد احمد جید پریس بلی ماران دہلی، منشی معراج النبی خاں انجم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ذیل میں ان میں سے بعض کے حالات پیش کیے جاتے ہیں جو خود والد صاحب

کے اشہب قلم سے وجود میں آئے ہیں:

الحاج سید زائر حسین زیدی امروہویؒ

امروہہ کے مشہور ومعروف صنعت کار محبوب بیڑی ۷۴۷ کے پروپرائٹر سید زائر حسین زیدی مرحوم یہاں کے معزز اشخاص میں سے تھے۔ آپ کے خاندان کا تعلق سادات زیدی سے ہے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ سید قطب علی زیدی نے قصبہ گولی تحصیل چاندپور ضلع بجنور سے ترکِ وطن کر کے امروہہ میں سکونت اختیار کی۔ ان کو یہاں کوئی خاص مقام حاصل نہ ہوا بلکہ کئی پشتیں گمنامی میں رہیں۔

انہیں سید قطب علی کی اولاد میں سید شاکر حسین زیدی مرحوم تھے جن کا شروع کا زمانہ بڑی عسرت، مفلوک الحالی اور افلاس میں گزرا؛ لیکن صبر کا دامن نہ چھوڑا، نہایت خوداری کے ساتھ صابر وشاکر رہے؛ بلکہ اسم بامسمی تھے۔ سید شاکر حسین زیدی کے گھر میں جہاں مفلوک الحالی کا دور دورہ تھا، ۱۹۲۴ء میں سید زائر حسین زیدی کی پیدائش ہوئی۔ زیدی صاحب نے جب ہوش سنبھالا تو والدین نے پریشانیوں کے باوجود تھوڑی سی تعلیم دلائی بعدہٗ کسب معاش کرنے لگے؛ تاکہ گھر کی تنگ دستی اور افلاس دور کرسکیں۔ جلد ہی ان کا بیڑی مزدور سے ترقی کرتے ہوئے یہاں کے بڑے کارخانے داروں میں شمار ہونے لگا۔ اللہ نے مال ودولت کی فراوانی سے نوازا۔ اس کے ساتھ ہی غریب پروری کا جوہر بھی پیدا کیا۔ داد ودہش میں بے مثال تھے۔ زیدی صاحب مرحوم کے یہاں سے کوئی بھی ضرورت مند خالی نہیں لوٹتا تھا۔ ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا ان کا شعار تھا۔ مدارس اسلامیہ دینیہ اور دنیوی اداروں کی امداد بھی کرتے رہتے تھے۔

اللہ کا عطا کیا ہوا سب کچھ تھا؛ لیکن غرور وتکبر بالکل نہ تھا۔ سادگی کے ساتھ پوری زندگی بسر کی اور سادہ ہی لباس استعمال کیا کرتے تھے۔ علماء وصلحاء سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔ ان کا احترام ملحوظ خاطر رہتا تھا۔ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کی خدمت میں اکثر وبیشتر حاضر ہوا کرتے تھے۔ پورے گھر میں دینداری کا ماحول ہے۔ آپ نہ صرف اپنے محلّہ میں بلکہ امروہہ میں ہر دل عزیز تھے۔

زیدی صاحب مرحوم کی ہر دل عزیزی کی صرف دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔۱۹۶۲ء میں میونسپل بورڈ امروہہ کے الیکشن میں کافی ووٹوں سے کامیاب ہوئے، جس کے صلہ میں تعلیم کے چیئر مین ہوئے۔حکیم صیانت اللہ مرحوم کے انتقال کے چند سال بعد جامعہ حسینیہ عربیہ دارالعلوم چلہ کے ارباب شوریٰ کے مشورے سے دارالعلوم چلہ کے مہتمم ہوئے۔آپ نے اہتمام کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے۔آپ کے اہتمام میں دارالعلوم چلہ میں کافی ترقی ہوئی۔آج جہاں جدید عمارت ہے اس کو اپنی کثیر رقم سے خرید کر مدرسہ کو وسعت دی۔زیدی صاحب مرحوم ہندوستان کی مشہور ومعروف درس گاہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کی شوریٰ کے ممبر رہے۔

ایک سال سے بیماری کا سلسلہ چل رہا تھا۔موت وزیست کی حالت تقریباً پندرہ دن سے چل رہی تھی۔آخر کار وقت موعود آ پہنچا۔۱۱/ذی الحجہ کا دن گزار کر ۶ بج کر ۴۵ منٹ پر روح پرواز کر گئی۔زیدی صاحب کے انتقال پر سیکڑوں آنکھیں اشک بار تھیں جیسے کہ ان میں ہر ایک کا محسن ان سے جدا ہو گیا۔۱۲/ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۱/دسمبر ۲۰۰۸ء کو تدفین ہوئی۔آپ کے جنازے کی نماز شہر امام ڈاکٹر (مولانا) سید محمد طارق نے پڑھائی۔ جنازے میں ہزاروں کی تعداد میں ہر طبقے کے افراد شریک تھے۔آپ کے پسماندگان میں تین لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں۔اللہ بال بال مغفرت کرے۔آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❑❑❑

مولانا حکیم سید عطاء الرحمان صاحبؒ

مولانا حکیم سید عطاء الرحمٰن صاحب آپ کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھے، دونوں کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے، مولانا کئی دفعہ ہمارے وطن بہار بھی تشریف لے گئے، ہماری شادی کے موقع پر بھی آپ کی تشریف آوری ہوئی تھی، والد صاحب کے انتقال کے وقت غم فراق کی وجہ سے ان کی حالت غیر ہو گئی تھی، والد صاحب نے فیضان نسیم کے حاشیہ پر مولانا کے تعلق سے جو لکھا ہے وہ پیش خدمت ہے:

’’مولانا حکیم عطاء الرحمان صاحب حسینی آپ گلڑیا معافی تحصیل ٹھاکر دوارہ، ضلع مرادآباد کے رہنے والے ہیں (تھے) اولاً قرآن کریم ناظرہ پڑھا، مڈل کے بعد جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں از ابتداء تا انتہا عربی کی تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد طب حکیم محمد اسماعیل عباسی امروہیؒ سے پڑھی، آپ ایک کامیاب مدرس اور حکیم ہیں (تھے) آپ نے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، اب مطب کا سلسلہ جاری ہے، حضرت استاذ محترم (مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ) کے خصوصی شاگرد ہی نہیں؛ بلکہ آپ کے تحریری کاموں میں احقر (مولانا محبّ الحقؒ) کے ساتھ رہتے تھے، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بیعت بھی ہیں (تھے)۔ (فیضان نسیم، ص:۱۴۱)

۳/صفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰/ دسمبر ۲۰۱۴ء کو آپ جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔

(حیات فریدی، ص:۱۸۴)

جناب افسر حسن بیگ افسرؔ

جناب افسر حسن صاحب ایک درویش صفت شاعر تھے، درویشی اور شاعری دونوں ہی حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہی کی صحبت کی مرہون منت تھی، مفتی صاحب کے توسط سے ہی والد صاحب سے بھی ان کے اچھے تعلقات تھے، ہمارے گھر کے لیے کئی سہرے اور نظمیں افسر صاحب نے لکھی ہیں، ہماری بہن بریرہ فریدی کی ولادت کے موقع پر بھی آپ نے ایک نظم لکھی تھی، ہماری اور ہمارے چھوٹے بھائی مولانا خواجہ احترام الحق کی شادی کے موقع پر سہرا بھی آپ نے لکھا تھا، ذیل میں آپ کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے:

افسر حسن بیگ نام اور افسرؔ تخلص ہے۔ وہ محلّہ چاہ غوری امروہہ کے ایک مغل خاندان میں ۹/ مئی ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا اسم گرامی مرزا محبّ حسن بیگ تھا۔

افسر صاحب کی عمر پانچ سال کی تھی کہ ابتدائی تعلیم کے لئے ان کا داخلہ مجاہد ملت (پیرزادہ) پرائمری اسکول میں کرا دیا گیا۔ وہاں سے پانچویں پاس کرنے کے بعد امام

المدارس انٹر کالج سے انٹر پاس کیا اور ہندو ڈگری کالج سے بی.اے اور کے.جی.کے کالج مراد آباد سے ایم.اے کیا۔ انھوں نے پہلا ایم.اے. پولیٹکل سائنس میں کیا تھا؛ حالانکہ ان کا پولیٹکل سے کوئی لگاؤ ہے، نا سائنس سے۔ شاید اسی لئے انھوں نے دوسری بار اردو سے ایم.اے کیا۔

اس کے بعد بی.ایڈ کے لئے علی گڑھ چلے گئے، پھر بمبئ گئے اور وہیں سے اردو میں ایم.اے پاس کیا۔ وہیں انہوں نے سینٹ جوزف کالج بمبئ میں پی ایچ.ڈی.کے لئے رجسٹریشن کرا لیا اور موضوع لیا۔ ''فیض احمد فیض''؛ لیکن چند وجوہات کی بنا پرانہیں بمبئ چھوڑنا پڑا اور وہ پی.ایچ.ڈی نہ کر سکے۔ شاعری کا شوق ابتدا ہی سے تھا؛ چنانچہ جب وہ علی گڑھ میں تھے، تب وہاں انھوں نے اس میدان میں بھی اپنی طبع رسا کے جوہر دکھائے اور ممتاز شاعر کا سٹیفکیٹ حاصل کیا۔

افسر صاحب کی خوش قسمتی یہ ہے کہ ابتدا ہی میں انھیں اچھے استاد مل گئے۔ پہلے انھوں نے حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدی سے استفادہ کیا اور جب مفتی صاحب نے عشقیہ شاعری سے گریز کیا تو افسر صاحب حضرت شہباز مرحوم کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ علامہ شہباز صاحب سے انھوں نے عروض کی تعلیم حاصل کی اور یہ انھیں کا فیض ہے کہ آج افسر صاحب کا شمار چند ان گنے چنے شاعروں میں ہوتا ہے، جو عروض کی تمام تر پابندیوں کے ساتھ شعر کہتے ہیں۔ بلا شبہ افسر صاحب ایک اچھے شاعر ہیں؛ لیکن انھوں نے مزاجی کیفیت سماجی پائی ہے اور یہی کیفیت ان کی شاعری میں بھی ہے؛ چنانچہ پہلے وہ روایتی انداز میں غزل کہتے تھے اور اپنے اسی رنگ میں وہ کافی پسند کیے گئے، پھر یکایک انھوں نے ترقی پسندانہ انداز اپنانے کی کوشش کی اور دو تین غزلیں جدید لب ولہجہ میں بھی کہیں؛ لیکن اس طرف ان کے قدم بتدریج نہیں بڑھے۔ زندگی کے آخری سالوں میں انھوں نے غزل کی طرف توجہ کم کردی اور غزل کی فارم میں نعت اور منقبت کہنے لگے تھے۔ بلا شبہ نعت ومنقبت میں بھی ان کا ایک مخصوص مقام ہے؛ بلکہ آپ امروہہ کے نعت گوشعراء میں سر فہرست ہیں۔

انھوں نے گورنمنٹ انٹر کالج چکروتہ (برہ دون) میں لکچرار کی حیثیت سے ملازمت کی اور پھر گورنمنٹ انٹر کالج امروہہ میں بحیثیت لکچرار تقرر ہوا اور وہیں سے ریٹائرمنٹ ہوا۔ آپ کا ۳۱/ مارچ ۲۰۱۶ء کو امروہہ میں انتقال ہوگیا۔

جناب توفیق احمد چشتی قادری

جناب توفیق احمد قادری چشتی نوادر فروش اور مخطوطہ شناس کی حیثیت سے عالمی شہرت کے حامل تھے، آپ کی ولادت ۱۱/ دسمبر ۱۹۴۰ء کو امروہہ کے محلّہ بساون گنج امروہہ میں ہوئی اور ۹/ اگست ۲۰۱۶ء کو امروہہ میں ہی انتقال کر گئے، شاہ ولایت کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ کئی گراں قدر تالیفات بھی آپ کی یادگار ہیں، جیسے قاضی نوراللہ شوستری کا تجاہل عارفانہ، حضرت سید شاہ شرف الدین حسین سہروردی واسطی کا مذہب وغیرہ۔

❑❑❑

مفتی عبدالرحمان صاحب نوگانوی

مہتمم مدرسہ انصار العلوم نوگانواں

آپ نوگانواں، تحصیل امروہہ (سابق) ضلع مرادآباد (حال امروہہ) کے رہنے والے ہیں، قرآن کریم ناظرہ اور اردو دینیات نئی بستی نوگانواں کی جامع مسجد میں پڑھی، ابتدائی فارسی مولانا حکیم عطاء الرحمان حسینی سے پڑھی، پرائمری درجات پاس کرنے کے بعد درس گاہ عالیہ شریف نگر میں درس نظامی میں داخلہ لے کر سال اول کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ فیض العلوم قصبہ کانٹھ میں داخلہ لیا اور وہاں سال دوم وسوم کی کتابیں پڑھیں، بعدہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا اور یہاں شرح جامی سے دورہ حدیث تک کی تمام کتابیں پڑھیں، ۱۹۷۱ء میں فراغت ہوئی، حضرت استاد مکرم (مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ) سے ابوداؤد شریف پڑھی، بعدہ ۱۹۷۲ء میں دوبارہ دورہ حدیث مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں پڑھا اور ۱۹۷۳ء میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی نگرانی میں افتاء کی مشق کی، ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد اپنی تمام تر خدمات اہل نوگانواں کے لیے وقف کردیں، آپ مدرسہ انصار العلوم نوگانواں کے صدر مدرس ہی نہیں؛ بلکہ تمام تر ذمہ

داری آپ ہی کے سپرد ہے، آپ ہی کی جد و جہد سے دور دور تک شرک و بدعت ختم ہو رہی ہے، اہل نو گانواں اور آپ کی مساعی جمیلہ سے حضرت استاد مکرم (مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ) کے نام نامی سے موسوم ''فریدی ہائر سکنڈری اسکول'' قائم ہو گیا ہے۔

حضرت سید احمد شاہ دامت برکاتہم خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بیعت ہوئے، سلوک کے تمام تر مراحل طے کرنے کے بعد شاہ صاحب نے اجازت بیعت دی، آپ نہایت نیک طینت، ذہین و ذکی ہیں۔ (فیضان نسیم، ص: ۱۷۰، ۱۷۱)

❑❑❑

حکیم شعیب اختر صدیقی

حکیم شعیب اختر صاحب بن حکیم صیانت اللہ بن حکیم فرحت اللہ بن حکیم رفعت اللہ بن حکیم کفایت اللہ خان بن حکیم علیم اللہ بن شیخ معظم روہیل کھنڈ کے مشہور اطبا میں ہیں، طبابت کا سلسلہ حکیم علیم اللہ صاحب سے جاری ہوا، اس وقت بھی حکیم شعیب اختر صاحب اس خاندان کے نامور اور لائق فرزند ہیں، امروہہ میں آپ کے خاندان میں تقریباً ڈھائی سو سال سے مطب کا سلسلہ جاری ہے، حکیم کفایت اللہ صدیقی کو نواب جنت آرام گاہ نواب سعید خان رام پوری نے ''خان بہادر'' کا خطاب دیا تھا۔ (فیضان نسیم، ص: ۳۳۰)

❑❑❑

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (علیگ)

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (علیگ) ولدیت جناب استجاب احمد صدیقی (مرحوم) تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۶۰ء (ہائی اسکول سرٹیفکیٹ کے مطابق) محلّہ گھیر مناف، امروہہ کے رہنے والے ہیں، ابتداً مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے حفظ قرآن کے بعد دو سالہ تجوید کا کورس پاس کیا، پھر متعدد جامعات میں تعلیم حاصل کی اور اخیر میں آپ نے پی. ایچ. ڈی (شعبہ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) سے ۲۰۱۱ء میں کی۔

۹/ اکتوبر ۱۹۹۵ سے پرائمری اسکول میں بحیثیت اردو ٹیچر تقرر ہوا۔ ۴/ اکتوبر ۲۰۰۴ء میں ترقی پا کر ہائی سکینڈری اسکول میں آئے۔ اردو زبان و ادب میں امتیازی

خصوصیت کے سبب ۷/اگست ۲۰۰۵ء سے اپریل ۲۰۱۰ء تک ڈائٹ جے پی نگر میں بحیثیت اردو لکچرار اردو بی ٹی سی، وششٹھ بی ٹی سی کے طلباء و طالبات کو ٹریننگ دی۔

ڈاکٹر صاحب کی اب تک دو درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں (۱) تحفۃ الانساب (۲) تذکرہ علمائے امروہہ (۳) شعرائے امروہہ (دو جلدیں) (۴) امروہہ کے ہندو شعراء (۵) کلیاتِ شہباز (۶) تکملہ جواہر فریدی (۷) اسراریہ کشف صوفیہ (اردو ترجمہ و حواشی) (۸) تواریخ امروہہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ قابل ذکر ہیں۔

❑❑❑

جناب جنید اکرم فاروقی جنیدؔ

جناب جنید اکرم فاروقی یکم جولائی ۱۹۶۶ء کو محلّہ چلہ امروہہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد محترم کا نام اکرام الدین صاحب اکرؔم فاروقی تھا، جو ایک بہترین افسانہ نگار تھے اور جواہر نوادے کالج کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کا پورا خاندان ادب، درس و تدریس سے وابستہ رہا ہے، جنید اکرم فاروقی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ چلہ کے پرائمری اسکول میں ہوئی، بعدہٗ اسی مدرسہ سے حضرت قاری محمد شوکت صاحب سے دو سال کے قلیل عرصہ میں حفظ قرآن کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد عربی و فارسی درسیات میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا انصار الحق صاحب صدیقی علیہ الرحمہ اور مدرسہ ہٰذا کے دیگر اساتذہ کرام سے عربی پڑھی، فارسی قاضی عزیز احمد صاحب عباسیؒ اور حضرت علامہ شہباز امروہویؒ سے پڑھی، بعدہ مثنوی مولانا روم حضرت حکیم محمد احمد صاحب اثرؔ عباسیؒ سے پڑھی۔ اس کے علاوہ فتح انٹر کالج فتح گڑھ سے ۱۹۸۲ء میں ہائی اسکول، ۱۹۸۴ء میں انٹر پاس کیا۔ امروہہ ہندو ڈگری کالج سے ۸۹-۱۹۸۸ء میں بی. اے پاس کیا اور کالج میگزین کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے بعد مہاراجہ ہریش چند ڈگری کالج مرادآباد سے اردو میں فرسٹ ڈویژن میں ایم. اے پاس کیا اور روہیل کھنڈ یونیورسٹی میں دوسرے نمبر پر رہے۔ اس کے علاوہ علوم مشرقیہ میں منشی اور عالم کے امتحانات امتیازی نمبرات سے پاس کرنے کے بعد آج کل بیسک جونیئر ہائی اسکول میں مدرس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

فارسی اور اردو ادب کا گہرا مطالعہ ہے، نہایت ذہین انسان ہیں، اسلامی تاریخ اور علم حدیث پر اچھی نگاہ ہے۔ روایات کو روایت کے اصول پر پرکھے بغیر قبول کرنے کے سخت مخالف ہیں۔

آپ کی اب تک حسب ذیل کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں: فصاحت گفتار، دُرّ فرید، درایات، ورینکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی دہلی کے علمی وادبی خدمات، بحر میر، اردو علم عروض، ضروری تجدید اور آدابِ محفل۔

دیگر علمی وادبی شخصیات

نیز جناب بقاء صاحب، جناب امین عالم رابن صاحب، جناب رئیس احمد رئیس امروہی صاحب، جناب شکیل جاوید صاحب شفاعت پوتہ، جناب طرب ضیائی صاحب کٹکوئی، مشہور نعت گو شاعر مولانا محمد سعد امروہوی وغیرہ سے بھی مولانا محبّ الحقؒ کے اچھے روابط اور تعلقات تھے۔

❑❑❑

پانچویں فصل

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ-تاریخ وتعلق

مختصر تاریخ

امروہہ ایک قدیم تاریخی بستی ہے، اس میں بڑے بڑے مشائخ، علماء، اطباء اور ادبا؛ غرض کہ ہر فن کے ماہرین پیدا ہوئے، یہاں معزالدین کیقباد کے عہد میں سب سے پہلا عربی مدرسہ ''مدرسہ معزیہ'' کے نام سے قائم ہوا، یہاں کی خانقاہوں میں علم وعرفان کی بارشیں ہوتی تھیں۔

اسی مردم خیز سرزمین پر ۱۸۵۷ء سے پہلے مسجدوں، گھر کی بیٹھکوں اور محلّہ کی سہ دریوں میں بہت سے انفرادی مکاتب موجود تھے، لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد اس علمی شہر کی درسی محفلیں خاموش ہوگئیں تھیں۔ یہ قاسم العلوم والمعارفؒ (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) اور ان کے ممتاز شاگرد کا صدقہ ہے کہ امروہہ کی روایات قدیمہ دوبارہ زندہ ہوگئیں اور ہندو بیرون ہند میں اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ (سید العلماء، تصنیف: مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ، تکمیل و ترتیب: مولانا محبّ الحقؒ، ناشر: جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، ۱۴۳۰ھ =۲۰۰۹ء ص: ۳۵، ۳۶)

حضرت نانوتویؒ کے سلسلہ کے چند بزرگ امروہہ میں آسودہ خواب ہیں، جیسے حضرت شاہ عضد الدینؒ، حضرت شاہ عبدالہادیؒ اور حضرت شاہ عبدالباریؒ، نیز یہ شہران کے عزیز ترین شاگرد حضرت محدث امروہی کا بھی تھا، اسی نسبت کی وجہ سے حضرت امام نانوتویؒ وقفہ وقفہ سے یہاں تشریف لایا کرتے تھے اور علم وعرفان کے اس شہر میں، یہ سنہری روایت

جاری وساری رکھنے کے لیے امام نانوتویؒ نے یہاں کے اہل علم وخیر حضرات کو مشورہ دیا کہ یہاں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی جائے؛ چنانچہ یہاں کے حساس مسلمانوں اور حضرت نانوتویؒ کے متوسلین نے اس مدرسہ کی داغ بیل ڈالی،۱۸۸۳ء مطابق ۱۳۰۱ء میں اس مدرسہ میں فارسی وعربی کی تعلیم شروع ہوگئی۔ (تعارف جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، اشاعت ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء)

مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبد الرحمان صدیقیؒ فرماتے ہیں:

''مدرسہ اسلامیہ امروہہ کی بنیاد مولانا نانوتویؒ کے ایماء سے رکھی گئی ہے، حکیم عبد الصمد صاحب مرحوم نے (جو کہ حضرت شاہ عبد الہادی قدس سرہ کی اولاد سے تھے) بیان کیا تھا کہ جب مولانا نانوتویؒ امروہہ تشریف لائے تو فرمایا کہ تمہارے یہاں سے تو فیض کا چشمہ جاری ہوا ہے، اب بھی تم کو اجرائے فیض کا انتظام کرنا چاہیے؛ چنانچہ اسی زمانہ میں مشورہ کر کے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی، جو مختلف محلوں میں رہا، آخر میں جب مولانا امروہیؒ شاہی مدرسہ مراد آباد سے چلے آئے تو اہل امروہہ نے ان کو یہیں روک لیا اور مدرسہ جامع مسجد میں قائم ہوگیا''۔ (مقالات فریدی، جامع ومرتب: مولانا محبّ الحقؒ، ناشر: ادارہ ادبیات دلی ۵۸۰۳ صدر بازار دہلی، اشاعت: ا (۲۰۰۸ء) ج: ا،ص: ۲۰۹)

حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہی تحریر فرماتے ہیں:

''یہ مدرسہ بنیادی حیثیت سے حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ کا قائم کردہ ہے، انھی کے ایماء پر اس مدرسہ کی داغ بیل پڑی تھی، شمالی ہند کے جہاں اور بہت سے مدارس اسلامیہ حضرت قاسم العلومؒ کی یادگار ہیں، وہاں یہ مدرسہ بھی انھی کی یادگار اور ان کے دریائے فیض کی ایک نہر ہے، حضرت نانوتویؒ کی حیات میں اور ان کی وفات کے کچھ سال بعد تک یہ مدرسہ متعدد محلوں میں مختلف ناموں (تاج المدارس) سے ابتدائی ومتوسط

حالت میں چل رہا تھا، آپ نے اس کا مختصر نام ''مدرسہ اسلامیہ امروہہ'' رکھا''۔(سید العلماء، ص:۳۳)

حضرت محدث امروہیؒ ماہ رمضان ۱۳۰۳ء میں مدرسہ شاہی مرادآباد سے مستعفی ہو چکے تھے، اب وہ اپنے وطن عزیز میں تشریف لے آئے اور شروع میں اپنے مکان پر ہی طلبہ کو درس دینا شروع کر دیا تھا؛ لیکن اہل شہر کے مشورہ کے بعد پھر مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں تشریف لے گئے اور پھر اس مدرسہ کی نشأۃ ثانیہ کی، اس کو باقاعدہ اور باضابطہ طریقہ پر قائم کیا، از سر نو اس کی بنیادوں کو مضبوط کر کے اس میں تمام علوم وفنون کی تعلیم جاری کی، پہلے ہی سال اس مدرسہ کی شہرت حضرت محدث امروہیؒ کی شخصیت کی بناء پر دور ونزدیک ہوگئی، کچھ طلبہ ذی استعداد تو مرادآباد سے آپ کے ہمراہ آئے تھے، اس کے بعد مستقبل قریب ہی میں تشنگان علوم نبویہ شدّ رحال کر کے ہندوستان کے ہر صوبہ کے علاوہ کابل، تاشقند، سمرقند اور بخارا وغیرہ سے اس چشمہ فیض سے سیراب ہوئے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بھی دارالعلوم میں داخل بعض طلبہ سے یہ فرماتے تھے کہ تم میر احمد حسن امروہی کے پاس امروہہ جاؤ، وہاں تمہیں تشفی بخش جواب ملیں گے، بہت سے طلبہ اس طرح بھی دارالعلوم دیوبند سے مدرسہ امروہہ میں داخل ہوتے۔(سید العلماء، ص:۳۲،۳۳،۳۴)

حضرت محدث امروہیؒ کے انتقال کے بعد آپ کے مخصوص شاگرد مولانا حافظ عبد الرحمان صدیقی سندیلوی ثم امروہی (متوفی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء) تاحیات اس کے استاذ اور صدر مدرس رہے، پھر آپ کے ڈابھیل چلے جانے کی وجہ سے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے استاذ اور مربی حضرت شیخ الہندؒ کی ایماء پر جامعہ کی مسند حدیث کو رونق دی اور اپنے فیوض علمیہ سے تشنگان علوم کو سیراب کیا، تقریباً چھ ماہ تک صدر المدرسین کے عظیم عہدہ پر فائز رہے اور آخر وقت تک جامعہ کے سرپرست نیز رکن مجلس شوری رہے۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان صدیقی سیوہارویؒ بھی اس مدرسہ کے مدرس اور مہتمم رہے۔(سید العلماء، ص:۱۷۲،۱۷۵،)

جامعہ میں تعلیم اور تدریس

حضرت مولانا محبّ الحقؒ نے جب اس علمی سرچشمہ کا قصد کیا تو اس وقت یہاں شیخ الاسلامؒ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد، جیسے حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ، شیخ الحدیث مولانا شبیہ احمد خاںؒ فیض آبادی، شیخ الحدیث مولانا طاہر حسن امروہیؒ وغیرہ کے علم و عرفان کا دریا اپنی پوری توانائی کے ساتھ رواں دواں تھا۔یہیں آپ نے ابتدائی جماعتوں سے لے کر دورہ حدیث تک کی مکمل تعلیم حاصل کی ،فراغت کے بعد مادرعلمی سے وابستہ رہے، ایک لمبے عرصے تک صرف بیرونی خدمت کا تعلق رہا، تدریسی ذمہ داری آپ کے سپرد نہیں کی گئی، اس کی وجہ کیا تھی؟ بس اللہ جانے !مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ نے اپنی ایک تحریر میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ”اہل امروہہ نے جس طرح مفتی صاحب کی قدر ومنزلت کی ، مجھے امید ہے کہ وہ ان کے خادم خاص کے ساتھ بھی وہی تعلق قائم رکھیں گے اور (مولانا) محبّ الحق کو یہ محسوس نہیں ہوگا کہ وہ یتیم ہو گئے۔ارباب مدارس (امروہہ) سے بھی ایک گونہ مایوسی کے ساتھ یہ توقع ہے کہ وہ مولانا محبّ الحق کی قدر دانی کا ثبوت دیں گے اور ہر ممکن تعاون دے کر انھیں اس قابل کردیں گے کہ وہ اپنا علمی مشغلہ جاری رکھیں“۔(فیضان نسیم ص:۱۳)

اخیر کے دس پندرہ سالوں میں باقاعدہ استاذ کی حیثیت سے عربی، فارسی اور اردو کی کچھ کتابوں کی تدریس آپ کے سپرد کی گئی۔

جامعہ کی دیگر خدمات

آپ نے اپنی تحریروں اور تالیفات کے ذریعہ بھی جامعہ کی بڑی خدمت انجام دی ہیں، آپ کی تالیفات کے ذریعہ جامعہ کی تاریخ کا بڑا حصہ محفوظ ہو گیا ہے، جامعہ اور اکابر وارباب جامعہ کی تاریخ میں ماضی میں مورخ امروہہ محمود احمد عباسی اور حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ اور حال میں ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی اور مولانا محبّ الحقؒ کی کتابیں اور تحریریں ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں؛ چنانچہ اب جامعہ کے حوالے سے جو بھی تحریر سامنے آرہی ہے، وہ

زیادہ تر ان ہی چاروں حضرات کی کتابوں سے مستفاد ہوتی ہیں۔

مادر علمی سے بے نظیر لگاؤ

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے پوری زندگی وابستہ رہے، جہاں آپ نے فارسی اور چند ابتدائی عربی کتابوں کی تدریسی خدمات بھی انجام دیں، ادارے سے بے انتہا لگاؤ تھا، ہر موقعہ پر ادارے کے تعاون کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے، ادارے سے اتنی محبت تھی کہ تمام تر پیش آمدہ مسائل اور مشکل ترین حالات کے باوجود مادر علمی سے اپنا رشتہ کبھی منقطع نہیں کیا، کئی مدارس نے اپنے یہاں کے لئے پیش کش بھی کی؛ لیکن آپ نے کسی کو قبول نہیں فرمایا۔

گذر جائیں گے اہل درد رہ جائیگی یاد ان کی
وفا کا درس جب ہوگا تو ان کے ذکر پر ہوگا

❑❑❑

دوسرا باب

سیرت وسوانح

پہلی فصل

سوانحی خاکے

مختصر سوانحی نقوش

ولادت باسعادت اور سلسۂ نسب

مولانا محبّ الحقؒ کی ولادت باسعادت (آدھار کارڈ کے مطابق) ۱۹۴۸ء کو ضلع مدھوبنی (بہار) کی ایک چھوٹی سی بستی ''پروہی'' (PAROHI) میں ہوئی، یہ بستی شہر ''دربھنگہ'' سے شمال ومغرب کی جانب ۳۲ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، یہ بستی چھوٹی ضرور ہے؛ مگر علاقہ میں دیندار افراد اور علماء وحفاظ کی بستی سے مشہور ہے۔

آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: مولانا محبّ الحق بن محمد حنیف بن ولایت حسین بن امیر احمد بن محمد قاری بن حیدر علیؒ ...... آپ نسباً شیخ صدیقی ہیں، جو صوبہ بہار کا ایک معزز خاندان شمار کیا جاتا ہے۔ آپ نے ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں، جسے معاشرہ میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، آپ کے والد محترم جناب محمد حنیف صاحب بستی کے بااثر اور معزز لوگوں میں سے تھے، کسی بھی نزاعی وغیر نزاعی مسئلہ میں آپ کی رائے اور فیصلے کی قدر کی جاتی تھی۔

ابتدائی تعلیم

آپ کا خانوادہ چونکہ دینی مزاج کا حامل تھا، خاندان کے تمام افراد صوم وصلوٰۃ کے پابند اور علماء وصلحاء کے قدرداں تھے؛ اسی لئے ابتداء سے ہی آپ کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ کی گئی، آپ کو سب سے پہلے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب پٹونوی (PATONAVI) کے پاس پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا اور کچھ عرصہ قریب کی بستی ''

پرسونی'' (PARSAUNI) میں حضرت مولانا عبدالستار صاحب کے پاس آپ نے تعلیم حاصل کی، پھر جب مولانا عبدالستار صاحب کا تقرر جامعہ احمدیہ، کاشی باڑی، ضلع اتر دیناجپور میں ہوا، تو والدین کے مشورے سے آپ استاذ محترم کے ہمراہ ہوگئے اور وہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

متوسط اور اعلیٰ تعلیم

بعد ازاں ۱۵، ۱۶ سال کی عمر میں بہتر تعلیم کی غرض سے اسلامی علوم کی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کا قصد فرمایا، جہاں اس زمانے میں اپنے وقت کے اساطین علم، علوم شرعیہ کے مایہ ناز ماہرین علماء کرام اور معرفت وطریقت کے مشائخ عظام اپنے فیوض سے ایک عالم کو بہرہ ور کر رہے تھے، والد محترم اپنی امروہہ آمد کا حال خود بیان کرتے ہیں:

> ''۱۹۶۷ء میں ہم وطن ساتھیوں کے ہمراہ، علم کی تلاش میں امروہہ کے لئے رخت سفر باندھا، امروہہ جو علم کا گہوارہ تھا اور ہے، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کا قائم کیا ہوا ہے، جو کہ ایک قدیم دینی درسگاہ ہے، جہاں سے ہر علم وفن کے ماہر تیار ہوتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ ہوتے رہیں گے۔ ایک طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا، اس وقت اس درسگاہ میں مایہ ناز علماء علم کے دریا بہار ہے تھے''۔ (فیضان نسیم، ص: ۳۰)

یہاں آپ نے فارسی تا دورہ حدیث مکمل تعلیم حاصل کی اور شعبان ۱۳۹۳ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۷۳ء میں آپ نے اسی جامعہ سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ (ڈائری) یہ وہ زمانہ ہے، جب کہ مولانا اعجاز حسینیؒ جامعہ کے مہتمم اور مفتی نسیم احمد فریدیؒ صدر مدرس تھے۔

فیضان نسیم کے ایک حاشیہ میں آپ نے لکھا ہے:

> ''میری دستار فضیلت پندرہویں شب شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ میں ہوئی

تھی‘‘۔(فیضان نسیم ص:۲۳۳،ح:۱)

مشغولیت اور درس وتدریس

دوران تعلیم ہی مفتی نسیم احمد فریدیؒ سے مولانا محب الحقؒ کا تعلق اور لگاؤ بہت گہرا ہوگیا تھا،آپؒ حضرت فریدیؒ کے معتمد علیہ اور خادم خاص کی حیثیت رکھتے تھے،اسی لیے فراغت کے بعد حضرت فریدیؒ نے پورے اعتماد کے ساتھ آپؒ کو یہ حکم صادر فرمایا کہ تمہیں امروہہ سے جانا نہیں ہے؛ چنانچہ آخری سانس تک آپ نے استاذ محترم کے اس حکم کی لاج رکھی،حضرت مفتی صاحب کے تحقیقی وتصنیفی کاموں کا حصہ بن گئے،حضرت مفتی صاحبؒ کی بصارت زائل ہوچکی تھی؛ لہٰذا مسودات کی تبییض وتسوید،مصادر سے مراجعت وتحقیق اور تہذیب وترتیب کی تمام تر ذمہ داری آپ کے اوپر آ گئی تھی؛اسی لئے حضرت مفتی صاحب کی بہت سی کتابوں کے مقدمہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ضرور ملتاہے،میں سمجھتا ہوں کہ یہ والد محترم کے لئے بہت بڑا صدقۂ جاریہ ہے،جوان شاء اللہ ان کی مغفرت کا باعث بنے گا،مفتی صاحبؒ کی رحلت کے بعد بھی ان کے مشن کو والد صاحب نے جاری رکھا اور آپ ہی کے طرز پر تحقیقی،تصنیفی اور تالیفی کام کرتے رہے۔

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تدریسی خدمات

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے پوری زندگی وابستہ رہے،جہاں آپ نے فارسی اور چند ابتدائی عربی کتابوں کی تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔

جناب مولانا محمد سالم جامعی ارقام کرتے ہیں:

> ’’حضرت مفتی صاحب کے علوم ومعارف کی ترتیب وتسوید کے ساتھ ساتھ آپ مادرِ علمی جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں درس وتدریس کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔یہ حضرت مفتی صاحبؒ جیسے باکمال استاذ ومربی کی توجہ اور دعا کا ہی طفیل ہے کہ مولانا مرحوم نے جو کام کیا اسے عند اللہ اور عندالناس مقبولیت تامہ حاصل ہوئی۔‘‘

مولانا عارف حسن کاظمی لکھتے ہیں:

''خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنی علمی وتحقیقی دلچسپیوں اور تصنیفی وتالیفی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ اسی مدرسہ اسلامیہ عربیہ (جامع مسجد) امروہہ میں درس وتدریس کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں (تھے) جہاں ان کے استاذؒ طالبان علم کو اپنے دریائے علم سے سیراب کرتے تھے، مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ مدرسہ مذکور کے اہتمام نے طلبا کے استفادے کی خاطر مولانا (مرحوم) کی رہائش کا بندوبست مدرسہ ہی میں کر دیا ہے (تھا)۔''

مولانا مفتی محمد اسلم امروہی صاحب جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے اساتذہ کے تذکرہ کے ذیل میں ''مولانا محبّ الحق صاحب مدھوبنی''عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''آپ جامعہ کے فاضل اور اکابر واسلاف کے کارناموں اور زندگیوں کے عینی شاہد ہیں۔ بڑے بڑے اکابر کی معیت کا شرف آپ کو حاصل رہا ہے، خصوصاً حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہیؒ کی معیت خادم خاص کی حیثیت سے تقریباً ۲۱ سال حاصل رہی اور حضرت مفتی صاحب کی تصنیف وتالیف کے کام میں شریک رہے اور پورا اعتماد حاصل رہا۔ اس دور میں اکابر کی یادگار اور سراپا تاریخ بن گئے ہیں۔

جامعہ میں فارسی کی کتابوں کی تدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی اعلی ذوق رکھتے ہیں۔'' (جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ اکابر کی نظر میں، از: مفتی محمد اسلم امروہی، ص: ۲۷، ناشر: جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ)

اعزازی تدریس

ایک چیز جو حیرت انگیز بھی ہے اور قابل رشک بھی کہ مولانا محبّ الحقؒ فراغت (۱۹۷۳ء) کے بعد سے لے کر اخیر زندگی (۲۰۱۳ء) تک جامعہ سے وابستہ رہے، اس کی ہمہ جہت خدمت میں لگے رہے، اخیر کے سالوں میں تدریسی خدمت بھی انجام دی؛ لیکن مولاناؒ نے سوائے آخری چند مہینوں کے جامعہ سے کبھی مشاہرہ نہیں لیا، انھوں نے پوری زندگی اعزازی طور پر ہی خدمت انجام دی، مادیت کے اس دور میں یہ بات بڑی تعجب خیز

معلوم ہوتی ہے۔

مفتی محمد اسلم صاحب امروہی لکھتے ہیں:

''حضرت مولاناؒ نے اپنا بچپن، جوانی بلکہ پوری زندگی بہت تنگی اور پریشانی میں گذاری، مگر کبھی اس کا اظہار بھی نہیں فرمایا، بہت صبر وقناعت سے کام لیا جب تک مدرسہ میں پڑھایا حسبۃً للہ فارسی کتابوں کی تعلیم دی، کبھی مشاہرہ نہیں لیا۔''

تدریس کے ساتھ ساتھ آپ جامعہ کے مالیہ کے لیے بھی کوشاں رہتے، اہل خیر مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتے اور خود بھی دہلی اور نینی تال وغیرہ کے اسفار کرتے۔

امامت وخطابت

اس کے علاوہ آپ مسجد انارو والی، محلّہ سرائے کہنہ، امروہہ کے عرصۂ دراز تک امام وخطیب بھی رہے، جہاں آپ نے مختلف علمی اور معاشرتی خدمات انجام دیں، وہاں آپ نے ''مدرسہ نسیم العلوم'' کے نام سے ایک مکتب بھی قائم فرمایا، جس میں خود بھی تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔

مفتی ریاست علی صاحب رامپوری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''امروہہ میں قیام کے دوران سرائے کہنہ کی ایک مسجد میں امامت اور خطابت کے ساتھ جامعہ اسلامیہ امروہہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، عموماً ابتدائی عربی وفارسی کی کتب آپ سے متعلق رہتی تھی اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک برقرار رہا۔''

معمولات

آپ کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت فرماتے، چنانچہ تلاوت کے وقت کوئی محسوس نہیں کرپاتا کہ آپ حافظ نہیں ہیں، نیز قرآن کریم کی تلاوت اور معانی پر غور وفکر کرنے کی وجہ سے آپ کو اتنا ملکہ حاصل ہوگیا تھا کہ اگر کوئی آپ کے سامنے قرآن غلط پڑھتا تو قرآن کریم دیکھے بغیر فوراً تصحیح کردیا کرتے، میں ہر سال آپ کی مسجد میں تراویح

میں قرآن سنایا کرتا تھا، ایک دن آپ نے کسی بات پر فرمایا کہ میں خود بھی پیچھے سے غلطی بتا سکتا ہوں۔

فجر، ظہر اور مغرب کے بعد آپ پابندی سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے، فجر کے بعد سورۂ یٰسٓ اور منزل اور مغرب کے بعد سورۂ واقعہ اور کچھ اوراد و وظائف شاید ہی کبھی آپ سے چھوٹے ہوں، بعض متعلقین کا کہنا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں آپ سے زیادہ قرآن پڑھنے والا نہیں دیکھا۔

ذوق تصنیف وتالیف

والد محترم میں تصنیفی ذوق حضرت مفتی صاحبؒ کا مرہون منت تھا، آپ کی خدمت میں طویل صحبت اور آپ کے علمی و تحقیقی کاموں میں بھرپور حصہ لینے کی وجہ سے والد صاحبؒ میں تصنیفی و تحقیقی ملکہ پیدا ہو گیا تھا؛ چنانچہ ایک کتابچہ ''سیرت ذی النورین'' کی تکمیل حضرت مفتی صاحبؒ کی حیات مبارکہ ہی میں ہو گئی تھی؛ البتہ اس کی اشاعت بعد میں ہوئی، یہ کتابچہ (۶۴) صفحات پر مشتمل ہے، بڑا جامع اور نافع ہے، اختصار کے ساتھ حضرت عثمان غنیؓ کی حیاتِ مبارکہ کا بخوبی احصاء کیا گیا ہے، اس پر مولانا سید طاہر حسن امروہیؒ، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ، مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری اور مولانا عبد الغفور صاحب سنبھلی کی تقریظات وتاثرات ہیں، اس کتابچہ کے دو ایڈیشن آ چکے ہیں۔

حضرت مولانا عتیق احمد بستوی تحریر فرماتے ہیں:

> ''مولانا فریدیؒ کی زندگی میں یہ اندازہ نہیں تھا کہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ تحریر وتصنیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے ہیں، حضرت مولانا فریدیؒ کی وفات کے بعد جب الفرقان کے ''فریدی نمبر'' میں مولانا محبّ الحق صاحبؒ کا تفصیلی مضمون آیا، تو اہل قلم چونک گئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے مولانا فریدیؒ سے صفات وخصوصیات ہی اخذ نہیں کی ہیں؛ بلکہ مولانا فریدیؒ کا تحقیقی و تصنیفی ذوق بھی نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے اندر جذب کر لیا ہے۔''

جناب مولانا محمد سالم جامعی ارقام کرتے ہیں:

''تصنیف وتالیف اور جمع وترتیب میں انھیں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ انھوں نے اپنے محترم استاذ ومربی اور امروہہ کی معروف علمی و دینی شخصیت حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی قدس سرہٗ کے رشحاتِ قلم کو اپنی جدوجہد اور کاوش کا مرکز بنایا اس سلسلہ میں ان کی متعدد تالیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔''

جناب نظیف الرحمان سنبھلی رقم طراز ہیں:

''جہاں تک مولانا مرحوم کی تحریری صلاحیت کا تعلق ہے، اس کے بارے میرا خیال ہے کہ مفتی صاحبؒ کی تربیت سے اس میں نکھار آیا ہوگا، یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہر مصنف کے اندر اپنا ایک مصنف چھپا ہوتا ہے، بس اسے جگانے کی ضرورت ہوتی ہے، مفتی صاحبؒ نے ان کے اندر کے مصنف کو جگایا، مختصر یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے اپنے استاذ کے علم و قلم سے خوب استفادہ کیا اور دل نشین طرزِ تحریر کو اپنایا، جس کے ثبوت میں ان کے اس مضمون کو خاص طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، جو ''الفرقان'' کی خاص اشاعت ''مفتی نسیم احمد فریدی نمبر'' میں شائع ہوا تھا، اس کے علاوہ مقالات میں افتتاحیہ کے طور پر مولانا نے جو تعارفی مضامین لکھے ہیں، وہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ایک اچھے نثر نگار تھے، مولانا نے جو کچھ بھی لکھا اس میں ان کا خلوص اور مفتی صاحب مرحوم سے بے پناہ محبت شامل ہوتی تھی، اس کی گواہ ان کی تصانیف ہیں، جن کے بارے میں دوسرے اہل علم لکھیں گے۔''

جناب جنید اکرم فاروقی امروہی لکھتے ہیں:

''مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی تالیفات میں تقریباً ۱۲ کتب ہیں، جن میں سات (۷) کتابیں، ان کے استاذ محترمؒ سے متعلق ہیں۔ مولانا مُحبّ الحق صاحب نے اپنی زندگی اس کارِخیر کے لیے

وقف کردی تھی اورانہوں نے بأحسن وجوہ اس حق کوادا کرنے کی سعی بلیغ انجام دی اوروہ یقیناًاس میں کامیاب ہوئے خداوند قدّوس کی بارگاہ سےان شاءاللہ انہیں اس کی جزائے احسن ملے گی۔"

مولاناعارف حسن کاظمی لکھتے ہیں:

"مولانا محبّ الحق صاحب مولانا فریدیؒ کے شاگرد رشید، خادم خاص سفر وحضر کے رفیق اور علمی وتحقیقی کاوشوں میں جانشینِ فریدی ہونے کے ساتھ ساتھ، بذات خود اور بفیض استاذ ماشاء اللہ ایک ابھرتے ہوئے سیرت نگاراور محقق ہیں (تھے) اور جن کی تحقیقی کاوشوں کا خصوصی محوراپنے مربی اوراستاذ (حضرت مولانا فریدیؒ) کے رسائل ومجلّات میں بکھرے رشحات قلم اور شذرات فکر منظر عام پر لانا، ضروری حواشی اور تعلیقات کا اضافہ کر کے ان کو مرتب و مدون کرنا اور اپنے مالی وسائل کی کمی کے باوجودان کو زیورطبع سے آراستہ کرنا، جن کی تحقیقی کاوشوں کا خصوصی محور ہے(تھا)۔

مفتی ریاست علی رامپوری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"اپنے استاذ محترم کی پوری لگن اوردلچسپی کے ساتھ خدمت کی، ان کے تصنیفی کاموں میں بھرپورتعاون فرمایا۔"

مزیدارقام کرتے ہیں:

"اپنے مخدوم گرامی حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد تدریسی اموراورامامت وخطابت کے فرائض کے ساتھ اپنے استاذ گرامی کے مکتوبات، ملفوظات اور مقالات اور غیر مطبوعہ مضامین کی اشاعت میں اپنے آپ کووقف کردیا۔"

اتباعِ سنت

آپ نے پوری زندگی ہر معاملہ میں سنت کا اہتمام فرمایا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا

پھرنا، سونا جاگنا، بات چیت، بول وبراز، غرض ہر معاملہ میں سنت پیش نظر رہتی، آپ کبھی ننگے سر رفع حاجت کے لئے نہیں گئے، ہمیشہ مسواک کا اہتمام فرماتے، ہم بچپن میں کبھی کبھی دیکھتے کہ جب والد محترم وضو فرماتے، تو کبھی کبھی ایک ہی چلو سے ایک ہی ساتھ کلی بھی کرتے اور ناک میں بھی پانی ڈالتے، ہمیں یہ عمل عجیب سا معلوم ہوتا تھا، لیکن جب ہم نے ترمذی شریف میں اس مضمون کی حدیث پڑھی، تو فوراً والد صاحب کا وہ عمل ذہن میں آ گیا۔ آپ بہت کم ننگے سر رہتے، علالت کے زمانے میں جب آپ وویکانند ہاسپٹل مراد آباد میں داخل تھے، نیند میں ٹوپی سر سے اتر جاتی، جب بیدار ہوتے، تو مجھ سے فرماتے کہ میری ٹوپی تھی؟ اوڑھا دو، ایسے اچھا نہیں لگتا۔

کھانا کھاتے وقت بھی سنن وآداب کا بڑا اہتمام ہوتا؛ چنانچہ ہم بھائیوں اور شاگردوں کو ان کے ساتھ کھانا کھانے میں بہت احتیاط سے کام لینا پڑتا تھا، ایک ایک عمل پر نگاہ رہتی تھی اور غلطی ہونے پر فوراً اصلاح اور تربیت بھی ہوتی تھی۔

اخلاق واوصاف

آپ اخلاق حسنہ سے متصف تھے، ہر ایک کا بڑا اعزاز واکرام فرماتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے؛ چھوٹوں پر بہت شفقت فرماتے، آپ نہ تو بہت کم گو تھے، نہ کثیر الکلام؛ لیکن جب گفتگو فرماتے تو خیر ہی کی گفتگو ہوتی، آپ کی بہت کم مجالس حضرت مفتی صاحبؒ یا دیگر اکابر کے تذکرہ سے خالی ہوتیں، آپ بہت متحمل، بردبار اور شفیق تھے، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حافظ ساجد صاحب امام مسجد محل والی سرائے کہنہ فرماتے ہیں کہ میں مولاناؒ کے ساتھ (۱۲) سال تک رہا؛ لیکن آپ نے کبھی کسی بات پر میرے سامنے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، یہی بیان آپ کے آخری رفیق حجرہ مولانا منصور صاحب جو یاوی استاذ جامعہ کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی مولانا کا غصہ نہیں دیکھا۔

نیز آپ کبھی تنہا کھانا تناول نہیں فرماتے، آپ کے ساتھ جو بھی رہتے، کھانے کے وقت انہیں فون یا کسی اور ذریعہ سے بلواتے پھر ساتھ ہی کھانا کھاتے، کبھی ننگے سر کھانا نہ کھاتے، دستر خوان پر موجود کھانوں میں، جس کی طرف دیگر لوگوں کی رغبت کم ہوتی، اس

کھانے کی خوب تعریف کرتے اور خود اسے تناول کرتے۔

مولانا سالم جامعی لکھتے ہیں:

’’مولانا مرحوم بڑے عمدہ اخلاق سے مزین تھے۔ اتباعِ سنت آپ کا محبوب عمل تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت اوراوراد و وظائف پر مداومت آپ کے اوصافِ حمیدہ کا خاص حصہ تھے۔ امورِ خیر میں اخفا آپ کا معمول تھا۔ نام و نمود کے موجودہ دور میں کسی ایسے بندۂ مومن کا وجود بلا شبہ ایک بیش بہا نعمت اور سرمایۂ آخرت ہے اور مولانا مرحوم جس کی ایک بہترین مثال تھے۔ جو کوئی ایک بار ان سے ملتا وہ ان کے حسن اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ مولانا مرحوم عوام و خواص میں بڑی قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کا واقعی مصداق تھے۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔‘‘

جناب نظیف الرحمان سنبھلی رقمطراز ہیں:

’’مرحوم کا اخلاق بلند تھا، وہ مجھ جیسے بے علم سے بھی اس طرح پیش آتے جیسے میں بھی کوئی عالم دین ہوں؛ حالاں کہ علم دین سے تو میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔‘‘

مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری لکھتے ہیں:

’’حضرت اقدس مولانا محبّ الحق صاحب دربھنگوی نور اللہ مرقدہ استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، ہمارے بزرگوں کی یادگار اور اکابر واسلاف کا نمونہ تھے، رب ذوالجلال نے مرحوم ممدوح کو گوناگوں کمالات وحسنات اور بیشمار خوبیوں سے نوازا تھا، اپنے اساتذۂ کرام اور بزرگوں کی عظمت اور ان کا غایت درجہ ادب واحترام اور اپنے چھوٹوں پر شفقت اور ان کی حوصلہ افزائی ان کا امتیازی وصف تھا۔‘‘

خوردنوازی

اگرکسی کا کوئی علمی کام آپ کے سامنے آتا تو بہت حوصلہ افزائی فرماتے، کسی علمی منصوبے میں کوئی آپ سے مشورہ لیتا تو اس کی بھرپور مدد فرماتے، طلبہ اور نوجوان فضلاء کو علمی کاموں کی طرف متوجہ فرماتے، مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری لکھتے ہیں:

> ''اگر اپنے چھوٹوں کی جانب سے کوئی علمی کام سامنے آتا، تو اس کی خوب خوب پذیرائی فرماتے اور حد درجہ اس کو سراہتے تھے، اگر کوئی شخص علمی کام میں یا دیگر امور میں مشورہ طلب کرتا، تو غایت درجہ شفقت اور محبت کے ساتھ مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ آج ممدوح ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں ،مگر ان کی شفقت اور محبت ہمیشہ یاد آتی رہے گی، سال گذشتہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے سیمینار کے موقع پر جب جامعہ کے ارباب اہتمام وانصرام نے مجھے جامعہ میں دینی خدمات انجام دینے والی مشہور ومقتداء شخصیات کا مختصر تعارف لکھنے کا حکم صادر فرمایا، تو متعدد کتب کی ورق گردانی کے ساتھ موصوف وممدوح سے بار بار ملاقات اور استفادہ کی ضرورت محسوس ہوئی، آپ ہر ملاقات پر خندہ پیشانی اور وسعت اخلاق کا مظاہرہ کرتے اور کبھی بھی آپ کی طرف سے گرانی کا احساس نہیں ہوا۔''

مفتی محمد اسلم امروہی لکھتے ہیں:

> ''سن ۲۰۰۴ء میں جب احقر کا تقرر جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں ہوا، جامعہ چونکہ احقر کا مادرِ علمی بھی ہے اور اس وقت اکثر اساتذہ بھی موجود تھے، لہٰذا جذبہ پیدا ہوا کہ اپنے مدرسہ کا تعارف شائع ہو۔ اس نیت سے کتابوں کی ورق گردانی، تلاش وجستجو شروع کی اور اچھا خاصہ مواد جمع کرلیا، پھر اس کی تلخیص کرکے ''جامعہ اکابر کی نظر میں'' تیار کرکے مہتمم جامعہ کے حکم سے حضرت مولاناؒ کی خدمت میں برائے

اصلاح پیش کیا، اس وقت حضرت کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا، اس کی اصلاح کے بعد اس رسالے کو شائع بھی کرایا۔ اس کے بعد جامعہ سے منسلک اہم شخصیات کے حالات جمع کرنے کا ذوق ہوا، اس کے لیے ''امروہہ کی مثالی شخصیات'' کے عنوان سے کام شروع کیا۔ کافی مواد جب جمع ہوگیا تو اس کے بعد حضرت مولاناؒ کی خدمت میں پیش کیا، انھوں نے بڑی شفقت فرمائی، خوشی کا اظہار فرمایا، بہت حوصلہ مند کلمات کہے۔''

صبر وقناعت

آپ انتہائی صابر وشاکر تھے، پوری عمر اسی وصف کے ساتھ گزاری، قلیل تنخواہ پر گزارہ فرمایا، دنیا کی حرص اور لالچ ان کے اندر نہیں تھی۔ مفتی محمد اسلم امروہی لکھتے ہیں:

''حضرت مولاناؒ نے اپنا بچپن، جوانی بلکہ پوری زندگی بہت تنگی اور پریشانی میں گذاری، مگر کبھی اس کا اظہار بھی نہیں فرمایا، بہت صبر وقناعت سے کام لیا جب تک مدرسہ میں پڑھایا حسبۃ للہ فارسی کتابوں کی تعلیم دی، کبھی مشاہرہ نہیں لیا۔''

مادیت کے دور میں خودداری کے پاسدار

جن حضرات کے متعلقین کا حلقہ وسیع ہوتا ہے، ان میں بہت سے صاحب ثروت اور مالدار بھی ہوتے ہیں، ان کے درمیان میں رہ کر اپنی خودداری کی حفاظت کرنا بہت مشکل امر ہوتا ہے؛ لیکن آپ نے ان کے درمیان میں رہ کر زندگی کا ایک مثالی نمونہ چھوڑا ہے، آپ کے متعلقین میں معاشی اور اقتصادی اعتبار سے ہر طبقہ کے لوگ تھے، آپ کا معاملہ سب کے ساتھ یکساں تھا؛ بلکہ آپ زیادہ تر متوسط اور ادنی طبقہ کے شرفاء کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے، مالدار حضرات سے حتی الامکان احتیاط ہی رکھتے تھے، ان سے ملنا ملانا بھی بس رسمی اور دعوتی حد تک تھا، انتہائی خوددار تھے، کبھی کسی سے مالی نفع حاصل کرنے کا خیال تک نہیں کیا، ایک صاحب نے وہاں کے ایک بڑے مالدار شخص کا تذکرہ احقر کے سامنے کیا اور

کہنے لگے کہ مولاناؒ نے ان سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا، اگر مولاناؒ ان سے رابطے میں رہتے تو بڑا فائدہ ہوتا، میرے دل نے جواب دیا کہ جو چیز آپ کے یہاں فائدہ مند ہیں، وہی ان کے یہاں ضرر رساں اور نقصان دہ ہے، جسے آپ محبوب سمجھتے ہیں، وہ ان کے نزدیک مبغوض تھی، چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

الغرض آپ نے بہت ہی صاف ستھری، پاکیزہ اور محتاط زندگی گزاری ہے، آپ کی احتیاط کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے قدیم منشی جناب اقبال صاحب نے ہمارے سامنے روتے ہوئے بیان کیا کہ مولاناؒ چندہ کے دوران ایک دن کا پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے تھے؛ بلکہ میرے پاس (یعنی مدرسہ میں) لاکر جمع کردیا کرتے تھے۔

میری ان آنکھوں نے ایسے باعمل علماء کم ہی دیکھے ہیں، اللہ تبارک وتعالی ہمیں ان کا صحیح وارث بننے کی توفیق عطا فرمائے، ان کے نقش قدم پر چلائے، ہمارے خاندان میں اس سلسلہ کو باقی رکھے۔ آمین!

سادگی وتواضع

آپ خوش وضع تھے، لیکن اس میں کبھی تصنع اور تکلف نہیں دیکھا گیا اور تواضع تو آپ کی فطرت میں رچی بسی تھی، مولانا سالم جامعی ارقام کرتے ہیں:

> ’’مولانا محبّ الحق مرحوم کی دینی وعلمی خدمات کو دیکھتے ہوئے سمندر میں موجود اس تودۂ برف کی مثال نگاہوں میں آجاتی ہے، جس کا کچھ حصہ سطح سمندر پر تیرتا ہوا نظر آتا ہے اور بڑا حصہ سمندر کی گہرائیوں میں مستور ہوتا ہے۔ یہی حالت مولانا مرحوم کی بھی تھی۔ بہت کم لوگ ہوں گے، جنھیں مولانا مرحوم کی خدمات اور قربانیوں کا صحیح اندازہ ہوگا۔ سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ پروپیگنڈہ کے اس دور میں وہ خاموشی کے ساتھ کام کرنے کے عادی تھے۔ ان کے قول وعمل اور کردار میں اخلاص تھا اور یہی وہ جوہر نایاب ہے، جو آج کے تشہیری دور میں انتہائی کمیاب ہے۔ اس

طرح قحط الرجال کے اس دور میں مولانا مرحوم ایک عظیم نعمت اور خدائے پاک کی عظمت کا نشان تھے۔''

جناب نظیف الرحمان سنبھلی لکھتے ہیں:

''میں نے مفتی صاحب کا انداز گفتگو دیکھا ہے، ان کی باتیں سننے کا متعدد بار موقع ملا، ان کے یہاں جس طرح کی سادگی، بے نیازی اور اپنے آپ کو چھوٹا ظاہر کرنے والی بات تھی، یہ اوصاف مرحوم کی شخصیت میں بھی نظر آتے تھے، بلاشبہ یہ سب کچھ مفتی صاحبؒ کی تربیت اور ان کی برکت کا ثمرہ ہی ہوں گے۔''

مفتی اسلم امروہی لکھتے ہیں:

''موصوف فطرۃً بڑے نیک، متواضع، منکسر المزاج اور بہت کم گو تھے، کوئی بات معلوم کی جاتی تو بتادیتے ورنہ خاموش رہتے۔ یہ چیز بھی آپ کو اپنے شیخ ومرشد، محسن ومربی حضرت فریدیؒ سے ورثے میں ملی تھی۔ بہت سادہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اکثر کرتے وتہبند میں ہی نظر آتے۔ آپ کی تواضع وسادگی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنے شیخ ومرشد کے حکم پر محلّہ سرائے کہنہ، امروہہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت کی اور آخر تک اس کے ایک چھوٹے سے کمرے میں جس میں کتابوں اور رسائل کے علاوہ کچھ اور نظر نہ آتا تھا، اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ تقریباً ۴۳ سال گذار دیئے۔ بہت مختصر سامان تھا اور دو بکس تھے، غالباً وہ بھی کتابوں سے ہی بھرے ہوئے تھے۔

ذوق مطالعہ اور علمی جستجو

مولانا محبّ الحقؒ کتابوں کے مطالعہ کے بڑے شوقین تھے، ہم دست آنے والی ہر کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ فرماتے تھے، شب وروز کا بڑا حصہ ورق گردانی اور کتب بینی میں

گزرتا تھا، اس تعلق سے والد صاحب سے کسی موقع سے سنا گیا آپ کا ارشاد نقل کرنا چاہتا ہوں، آپ فرماتے تھے:

''کوئی بھی کتاب مکمل پڑھنی چاہیے اور ایک بار ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، باقی یاد رہنا، نا رہنا تو یہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے''۔

چناں چہ حضرتؒ کی بیشتر کی کتابوں کے اخیر میں آپ کے دستخط اور شروع کے سفید ورق پر کتاب کی کچھ یادداشتیں تحریر کردہ ملتی ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''الفرقان کے ''فریدی نمبر'' میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؔ علیہ الرحمہ کے علمی شغف پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: ''علمی اشغال رکھنے والے، تصنیف و تالیف کرنے والے بہت مل جائیں گے، لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق ہی نہیں؛ بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفا، سب کچھ ہو وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔'' (الفرقان ''فریدی نمبر'' ص ۴۶) اسی طرح کی ایک علمی شغف رکھنے والی شخصیت امروہہ میں مولانا محبّ الحق صاحب کی بھی ہوئی۔''

مفتی اسلم امروہی لکھتے ہیں:

''حضرت فریدیؒ کی صحبت سے اللہ تعالیٰ نے موصوف کو مطالعہ کا ایسا ذوق عطا فرمایا تھا کہ بہت کم لوگوں میں ایسا ذوق نظر آتا ہے۔ عام طور پر جب بھی ملاقات ہوتی، ہاتھ میں کوئی کتاب یا رسالہ ہی نظر آتا، چھوٹی سی مسجد کا ایک چھوٹا سا کمرہ اور کتابیں، نہ کہیں آنا، نہ کہیں جانا، مدرسہ میں دو تین گھنٹے شروع میں پڑھانے آتے اور پھر مسجد جا کر اپنا سارا وقت مطالعہ میں گزارتے۔ حضرت فریدیؒ کے انتقال پر تعزیتی تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ان کے بارے میں جو فرمایا تھا ''مولانا

فریدیؒ کوعلم سے ایسا ہی تعلق تھا جیسا مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے“ مولاناؒ میں
بھی اس جملے کی کچھ جھلک نظر آتی۔“

قوت حافظہ

آپ کی یادداشت اورقوت حافظہ کا مشاہدہ ہمیں اور آپ کے حاضر باش تلامذہ اور متعلقین کوتو بار ہا ہوا، تاہم دو اقتباس پیش کیے جاتے ہیں۔

جناب نظیف الرحمان سنبھلی ارقام کرتے ہیں:

”یادداشت بھی مرحوم کی بہت اچھی معلوم ہوتی تھی، ایک بار مجھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے کسی استاذ کے بارے میں کچھ اشتباہ تھا، فون پر مرحوم سے معلوم کیا، آپ نے استاذ کا نام اور کالج شاید عربک کالج دہلی کا نام بتلایا۔“

مفتی اسلم امروہی لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے آپ کو حافظہ بھی بلا کا عطا فرمایا تھا، حضرت فریدیؒ کی خدمت اور مطالعہ کی کثرت نے دماغ کومزید روشن کر دیا تھا۔ اکابر کے حالات و واقعات اوران کی تاریخیں از بر یاد تھیں، احقر راقم الحروف جب کسی بزرگ کے بارے میں معلوم کرتا تو ان کے پورے حالات ذکر فرما دیتے تھے، کب پیدا ہوئے، کہاں پیدا ہوئے، کہاں کہاں پڑھا، کس کس سے پڑھا، کہاں کہاں پڑھایا، کون کون شاگرد ہیں، پوری تفصیل بتا دیتے تھے۔ کسی کتاب کے بارے میں معلوم کرتا تو پوری اس کی ہندی کی چندی فرما دیتے کہ فلاں صاحب اس کے مصنف ہیں، فلاں فلاں جگہ سے یہ کتاب، فلاں فلاں سن میں چھپی، فلاں کتاب کا وہ چربہ ہے، اس کتاب کے بارے میں فلاں کی یہ رائے ہے، اس موضوع پر ہے، یہ حقیر حیرت زدہ رہ جاتا۔ اس سے آپ کا ذوق مطالعہ اور قوت حافظہ کا علم ہوتا ہے۔“

علمی اسفار

مولانا محبّ الحقؒ نے اپنے استاذ مکرم حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے ہمراہ متعدد علمی اسفار کیے، نیز مفتی صاحبؒ کی رحلت کے بعد بھی ان اسفار کا سلسلہ جاری رہا؛ چنانچہ اس ضمن مین دہلی، لکھنؤ، کاندھلہ، علی گڑھ، سہارن پور اور دیوبند وغیرہ کے بہت اسفار ہوئے۔

جناب جنید اکرم فاروقی ارقام کرتے ہیں:

’’یہ مضامین انہوں نے جس قدر محنت اور جانفشانی سے حاصل کیے، ان کا کچھ اندازہ راقم کو ہے، وہ ہر ملاقات پر فرماتے کہ کس مضمون کے لیے کہاں خط لکھا گیا ہے، کن صاحب کا جواب آ گیا ہے یا مضمون کی زیروکس آ گئی ہے، مضمون کے حصول کے بعد مولانا صاحب بشاش ہوجاتے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے دیوبند، مظفرنگر، کاندھلہ، تھانہ بھون وغیرہ کے سفر بھی کیے۔‘‘

مفتی محمد اسلم امروہی لکھتے ہیں:

’’مطالعہ کے ذوق اور تحقیقی ذہن کی وجہ سے متعدد علاقوں اور شہروں کے کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں کو کھنگالنے کے لیے مسلسل اسفار فرماتے۔ حضرت فریدیؒ کے رفیق سفر بن کر میرٹھ، پھلت، پھلاودہ، نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون، دیوبند، کاندھلہ، سہارنپور اور نہ جانے کہاں کہاں گئے اور بعد میں بھی یہ سلسلہ مستقل جاری رکھا۔ جب سے احقر کا تعلق ہوا ہمیشہ راقم الحروف کو بھی سفر میں ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ بارہا کاندھلہ، دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون و دیگر مقامات پر ساتھ جانے کا شرف حاصل ہوا۔‘‘

علالت و رحلت

۱۵ر شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳ر اگست ۲۰۱۳ء جمعرات و جمعہ کی درمیانی

شب میں تقریباً بارہ بجے مولانا محب الحق پر دل کا حملہ (Heart Attack) ہوا، حملہ اتنا شدید تھا کہ مولاناؒ کے کراہنے کی آواز سن کر محلّہ کے بھی چند نوجوان دوڑے ہوئے آئے، ان کی معیت میں جامعہ کے اساتذہ قاری حبیب الرحمٰن اور قاری محمد حنیف صاحبان مولاناؒ کو ایمبولینس میں لے کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے، ایک ڈاکٹر دوسرے ڈاکٹر کو ریفر کرتا رہا، بالآخر وویکانند ہاسپٹل مرادآباد میں آپ کو داخل کرایا گیا اور معالجہ شروع ہوا۔

آپؒ کا حلقہ امروہہ اور بیرون امروہہ کافی وسیع ہے، جب یہ روح فرساں خبران حضرات کو ملی تو سب بہت متفکر ہوئے اور احباب وارباب مدرسہ نے کافی دعائیں کیں اور ہر وقت ساتھ رہے، ہم تمام بھائی بھی یکے بعد دیگرے مرادآباد پہنچ گئے، میں اس وقت دیوبند میں تھا، خبر ملتے ہی چل پڑا اور تین بجے دوپہر کو ہاسپٹل پہنچ گیا، والد صاحب سے ملاقات کی، مجھے دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے، میں نے اپنے اوپر بہت ضبط کر کے انہیں تسلی دی، تاہم یہ ضبط کا باندھ دیر تک نہ رہ سکا، ہم سب بھائیوں سے چھوٹی ہماری اکلوتی اور پیاری بہن بریرہ کے حوالے سے بہت متفکر تھے، مجھ سے مایوسی کے عالم میں تذکرہ کیا، میں نے ہمت کر کے عرض کیا کہ جس اللہ نے آپ کی پرورش کی ہے، وہی اللہ ہماری اور بریرہ کی بھی نگہبانی اور کفالت کرے گا، یہ سن کر آپ تو خاموش ہوگئے، جیسے آپ کو بڑی تسلی ہوگئی ہو؛ لیکن میری آنکھوں نے آنسوؤں کے سامنے ہار مان لی۔

جب مرادآباد میں کچھ افاقہ ہوا، تو اصحاب رائے کے مشورے سے جی بی پنت (G.B.PANT) دہلی والد صاحبؒ کو منتقل کر دیا گیا، وہاں آپ کی حالت میں کافی بہتری آئی، دو دن بعد آپ کی اینجوگرافی ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ دل کی اکثر رگیں بند ہیں اور اس کا اکثر حصہ ناکارہ ہوچکا ہے؛ لہٰذا اب صرف بائی پاس سرجری کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہا، بعدہ ایک دن اور ہاسپٹل میں رہے پھر ڈاکٹر نے پندرہ دن بعد کا وقت دیا، والد صاحبؒ کی حالت کافی اچھی تھی، خود چلنے پھرنے، کھانے، پینے اور باتیں کرنے لگے تھے، والد صاحبؒ نے فرمایا: جب پندرہ دن کا وقفہ ہے، تو پھر مجھے امروہہ لے چلو؛ چنانچہ ۳۱/ اگست ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ رات کو آٹھ بجے ہم انہیں امروہہ لے کر پہنچے، والد صاحبؒ کے

ساتھ احقر، برادر خورد مولانا خواجہ احترام الحق اور بڑے ابو کے بڑے صاحبزادے مولانا حشمت اللہ صاحب تھے۔

دہلی جی. بی پنت ہاسپٹل کے علاج میں حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ اور قاری محمد عارف صاحب (امام نرسری مسجد لوک نایک ہسپتال، ایل. این. جے. پی کامپلیکس میر درد روڈ نئی دہلی و چیئرمین آل انڈیا امام فاؤنڈیشن) کا بڑا تعاون رہا، قاری صاحب نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال میں لاتے ہوئے ڈاکٹروں سے رابطہ فرمایا اور تمام کارروائیاں بہت کم وقت میں کروادیں، قاری صاحب خود بھی ہر موقع پر ساتھ رہے، اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب اور قاری صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے، صحت وسلامتی اور عافیت تندرستی کے ساتھ ان کا سایہ عاطفت دراز فرمائے۔

خواب

انتقال کے سال بہت طویل عرصہ بعد والد صاحب نے عید بہار میں اپنے گھر پر کی اور اتفاق یہ کہ ہمارے تمام چچا بھی اس عید میں گھر پر موجود تھے، اسی سفر میں بہار میں بھی ایک مرتبہ طبیعت ناساز ہوئی تھی، اسی بیماری کے دوران آپ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ آپ کو یاد فرما رہے ہیں؛ چنانچہ اس خواب کو والد صاحب نے کئی حضرات کے سامنے بیان فرمایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ تشریف لائے تھے اور مجھے یاد فرما رہے تھے۔ مفتی اسلم امروہی لکھتے ہیں:

> ''عید کے چند روز بعد اپنے استاذ محترم شیخ کامل، مشفق ومحسن مربی حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کو خواب میں دیکھا، حضرت فرما رہے ہیں ''یہاں کیوں پڑے ہو، چلو امروہہ'' خواب دیکھنا تھا کہ امروہہ آنے کے لیے بے چین ہوگئے، گھر والوں نے طبیعت کی خرابی کی وجہ سے امروہہ نہ جانے پر اصرار کیا؛ لیکن حضرت مولاناؒ کسی طرح رکنے کے لیے تیار نہ ہوئے، چھ یا سات شوال کو مدرسہ تشریف لے آئے، مدرسہ آتے

ہی احقر راقم الحروف کوفون کیا، میں فوراً پہنچا، کمزوری اور نقاہت چہرے سے ظاہر ہورہی تھی ۔ خیر و عافیت معلوم کرنے پر اپنی طبیعت اور مفتی صاحب کے خواب کا تذکرہ فرمایا اور خود ہی اس کی تعبیر بھی بیان فرمادی کہ ’’اب میں زیادہ دن تک زندہ نہیں رہوں گا۔‘‘ میں نے عرض کیا ’’حضرت! اس کا مطلب یہ نہیں ہے‘‘ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت فرمارہے ہیں کہ میرے جن کاموں کوتم کررہے تھے،ان کوجلد پورا کرو۔‘‘

چنانچہ دہلی سے جس رات کوآپ امروہہ پہنچے اس کی صبح کواذان کے بعد والد صاحب بیدار ہوئے اور فجر کی نماز کے لئے وضوفرمایا، وضوکر کے جب کمرے میں تشریف لائے ،تو کھانسی شروع ہوگئی، جس سے ہم سب کی آنکھ کھل گئی، پھراچانک سانسیں اکھڑنے لگیں اور پسینہ آنے لگا اور چند ہی لمحوں بعد کلمہ پڑھتے ہوئے ہمیشہ کے لئے آغوشِ رحمت میں تشریف لے گئے۔

إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون !

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

جنازہ اور تدفین

حضرت مولانا محمد اسماعیل جویاوی دامت برکاتہم اور مفتی اسلم امروہی صاحب نے آپ کوغسل دیا، مجھے بھی بلایا گیا، میں نے بھی کچھ حصہ لیا؛ لیکن اس وقت میری حالت کیا ہوگی ،اس کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے،جس کوکبھی اس صدمہ کا سامنا ہوا ہو۔

نمازِ جنازہ صبح آٹھ بجے جامعہ کے احاطہ میں آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نے پڑھائی، جنازہ میں اچھی خاصی تعداد تھی، جب کہ نماز بعجلت پڑھائی گئی تھی۔

مفتی محمد اسلم امروہی لکھتے ہیں:

’’ آپ یہ وصیت فرما گئے تھے کہ میری نمازِ جنازہ میرے استاذ محترم

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب پڑھائیں۔ چنانچہ غسل کرایا گیا اور نمازِ جنازہ پڑھنے کی فوراً تیاری کی گئی۔ حضرت مولانا کی اقتداء میں سینکڑوں لوگوں نے نمازِ جنازہ ادا کی۔"

پھر آپ کو آپ کے آبائی وطن لے جایا گیا اور دوسری نماز آپ کے برادر خورد مولانا ظہیر الحق صاحب نے پروہی کی عیدگاہ میں پڑھائی اور ۲؍ستمبر ۲۰۱۳ء بروز پیر کو ایک جم غفیر نے محزون دلوں اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ آپ کو سپرد رحمت کر دیا۔

إن القلب ليحزن، وإن العين لتدمع، وإنا على فراقك يا أبانا لمحزونون، غفر الله زلاتك، وأغدق الله شآبيب رحمته ورضوانه على ثراك الطيب، وأدخلك وأسكنك فسيح جناته مع النبيين والصديقين والشهداء والصالحين.

❑❑❑

پسماندگان

اہلیہ محترمہ اور اولاد واحفاد

ام رضوان

ہماری والدہ محترمہ ریحانہ خاتون بنت جناب محمد عباس صاحب (متوفی ۲۸/ فروری ۱۹۹۷ء) بہت صابرہ و شاکرہ خاتون ہیں، انہوں نے بے پناہ دشواریاں اور مشکلات کا سامنا کیا ہے، تقریباً ۱۷ سالوں سے فالج کی بیماری میں مبتلا ہیں، قوت گویائی ختم ہوگئی ہے؛ جس کی وجہ سے وہ کسی کے سامنے اپنے دل کی باتیں بیان کر کے اپنا غم ہلکا بھی نہیں کرسکتیں، اللہ تعالی ان کو مکمل صحت عطا فرمائے، ان کی عمر دراز فرمائے اور ہم سب کو ان کی صحیح خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

حافظ وقاری رضوان الحق محمودی

آپ سب سے بڑے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت ۲۸/ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۸/ مارچ ۱۹۷۶ء کو ہوئی، مکمل تعلیم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے حاصل کی، حافظ اور قاری ہیں، حفظ کی تکمیل مولانا اقبال صاحب افضل گڑھی سابق استاذ وناظم تعلیمات جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے پاس ہوئی ہے اور قراءت حفص کی تعلیم قاری اختر حسین امروہیؒ سے حاصل کی۔ کاروبار کے سلسلہ میں دہلی میں مع اہل وعیال مقیم ہیں۔ آپ کی شادی تیسی میں مرحوم جناب انصار صاحب کی دختر محترمہ زینت پروین کے ساتھ ہوئی، جن سے آپ کے تین صاحبزادے: (۱) محمد عاصم فریدی (ولادت: ۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۸/ جنوری ۲۰۰۵ء) (۲) محمد خالد فریدی (ولادت: ۲۷/ رمضان ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء) (۳) محمد اخلد فریدی (شعبان ۱۴۲۹ھ

مطابق ۲۰۰۸ء) اور ایک صاحبزادی افرا فریدی (ولادت: ۸/مئی ۲۰۱۴ء) ہیں، تمام بچے زیر تعلیم ہیں۔ عاصم کا نام دادا نے رکھا ہے، باقی کے نام ان کے والد صاحب نے ہی رکھے ہیں۔

جناب ضیاء الحق شاداں

آپ کی ولادت ۲۶/ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۴/ فروری ۱۹۷۹ء کو ہوئی، آپ کاروبار میں طویل تجربہ رکھتے ہیں، دہلی میں بیگ کا کاروبار کرتے ہیں، متشرع اور متدین ہیں۔ آپ کی شادی اپنی ماموزاد بہن محترمہ قسمتی پروین بنت جناب محمد گلاب صاحب چندرسین پور سے ہوئی، جن سے آپ کی ایک صاحبزادی: تسنیم فریدی (ولادت: ۱۲/ ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۹/ مارچ ۲۰۱۰ء) اور تین صاحبزادے ہیں: (۱) محمد سالم فریدی (ولادت: ۳۰/ شوال ۱۴۳۳ھ مطابق ۸/ ستمبر ۲۰۱۲ء) (۲) صباح الحق (ولادت: ۲۷/ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۸/ جنوری ۲۰۱۵ء) (۳) رباح الحق (ولادت: ۲۸/ دسمبر ۲۰۱۸ء)۔ تمام بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تسنیم اور سالم ان دونوں کے نام دادا نے تجویز کیے ہیں۔

امداد الحق بختیار

احقر کی ولادت: یکم جمادی الاولی ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵ر فروری ۱۹۸۲ء کو ہوئی، احقر نے تعلیم کا آغاز اپنے وطن پر وہی سے کیا، اور ناظرہ قرآن کی تکمیل قاری حسین احمد امروہی سے جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں کی، تکمیل حفظ حافظ ذاکر حسین صاحب جویاوی سے اسی مدرسہ میں کی، قراءت حفص قاری اختر حسین امروہی سے پڑھی، فارسی تا چہارم عربی اسی مدرسہ میں پڑھا، پھر اعلی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، وہاں عربی پنجم تا دورہ حدیث کی تعلیم حاصل کی، ۲۰۰۷ء میں فراغت ہوئی، پھر عربی ادب اور تکمیل افتاء بھی دارالعلوم دیوبند سے کیا، بعد ازاں حضرت الاستاذ مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی دامت برکاتہم العالیہ (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) کے حکم کے مطابق جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد تدریس کے لیے آ گیا۔

فی الحال دار العلوم حیدرآباد میں دورۂ حدیث میں ترمذی شریف جلد اول، شعبۂ افتاء میں درمختار، تمرین فتاوی اور عربی کے دیگر درجات کی کتابیں زیر تدریس ہیں، نیز صدر شعبہ عربی ادب اور عربی مجلّہ ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' کا چیف ایڈیٹر بھی ہے۔

احقر کی شادی پرسونی میں جناب عزیز صاحب کی صاحبزادی محترمہ عمرانہ پروین کے ساتھ ہوئی، جن سے ایک بیٹی: ثوبیہ فریدی (ولادت: ۵/ رمضان ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۵/ جولائی ۲۰۱۲ء)، تین بیٹے: (۱) اعتصام الحق (ولادت: ۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ مطابق یکم فروری ۲۰۱۵ء، بروز اتوار، شام ساڑھے چار بجے) (۲) اجتباء الحق (۱۳/ محرم الحرام ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۴/ اکتوبر ۲۰۱۶ء) (۳) اصطفاء الحق (ولادت: رجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۷/ مارچ ۲۰۲۰ء) ہیں۔ بیٹی کا نام حضرت مولانا اسماعیل صاحب نے تجویز فرمایا ہے۔

مولانا خواجہ احترام الحق

مولانا خواجہ احترام الحق کی ولادت: ۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ = ۱۷/ ستمبر ۱۹۸۴ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ حسینیہ پروہی میں حاصل کی، ناظرہ قرآن کریم والد صاحب سے مدرسہ نسیم العلوم انار والی مسجد محلّہ سرائے کہنہ میں مکمل کیا، عربی تعلیم تا فضیلت جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے ہوئی، ۲۰۰۵ء میں دورہ حدیث سے فراغت ہوئی، فی الحال ممبئی میں برسر ملازمت ہیں، المؤمنہ اسکول محمد علی روڈ ممبئی میں ایڈمنسٹریشن اسٹاف کے عہدہ پر فائز ہیں۔ آپ کی شادی اسراہی میں جناب اسرار صاحب کی دختر محترمہ فاطمہ زہرا سے ہوئی، جن سے ان کے دو صاحبزادے ہیں: (۱) محمد سلمان صدیقی (ولادت: ۶/ رمضان ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۶/ جولائی ۲۰۱۲ء) (۲) محمد حنظلہ صدیقی (ولادت: ۱۴/ ستمبر ۲۰۱۷ء) اور ایک صاحبزادی ہیں: صبیحہ صدیقی (ولادت: ۲۴/ مئی ۲۰۱۵ء)۔ پہلے بچے کا نام دادا نے رکھا ہے۔

محبوب الحق

آپ کی ولادت: ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۶ء کو ہوئی، آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ نسیم العلوم مسجد انار والی اور جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں حاصل کی، نیز امروہہ کے

کسی اسکول میں کچھ کلاسیں پڑھی ہیں۔اب دہلی میں بیگ کا کاروبار کرتے ہیں۔ان کی شادی اپنی چچازاد بہن محترمہ ام کلثوم بنت مولانا ظہیر الحق صاحب کے ساتھ ہوئی، جن سے ان کے تین بچے ہیں: (۱) سامیہ فریدی (ولادت: ۲۳/ جولائی ۲۰۱۶ء) (۲) وائل فریدی (ولادت: ۲۴/ جنوری ۲۰۱۹ء) (۳) نائل فریدی (ولادت: ۲۸/ نومبر ۲۰۲۲ء مطابق ۳/ جمادی الاولی ۱۴۴۴ھ)

نسیم الحق

آپ کی ولادت: ۱۵/رجب ۱۴۱۱ھ=۱۹۹۰ء میں ہوئی، ان کی ابتدائی دینی تعلیم مدرسہ نسیم العلوم انار والی مسجد محلّہ سرائے کہنہ میں ہوئی۔عصری تعلیم اپنے وطن میں کھنگریٹھا اسکول سے ہوئی، گیارہویں اور بارہویں کی تعلیم دہلی میں ہوئی اور ڈپلومہ ان سول انجینئرنگ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے کیا۔اپنے ہی شعبہ سے متعلق مختلف کمپنیوں میں ملازمت کی، فی الحال سنگاریڈی حیدرآباد میں برسر ملازمت ہیں۔

بریرہ فریدی

بریرہ فریدی کی ولادت: ۴/صفر ۱۴۱۶ھ=۳/جولائی ۱۹۹۵ء بروز پیر کو امروہہ یو۔پی میں ہوئی، بریرہ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ نسیم العلوم انار والی مسجد محلّہ سرائے کہنہ امروہہ میں ہوئی، عصری تعلیم کچھ امروہہ اور باقی اپنے وطن میں کھنگریٹھا سے ہوئی، ۱۰ویں پاس ہیں، ان کی شادی تیسی میں جناب شعیب صاحب کے صاحبزادے حافظ شمس عالم صاحب سے ۱۲/مئی ۲۰۱۴ء کو ہوئی، ان کے تین صاحبزادے ہیں: (۱) محمد معاویہ (ولادت: ۹/مئی ۲۰۱۵ء) (۲) محمد معاذ (ولادت: ۳/ جولائی ۲۰۱۸ء)۔ (۳) مصعب (ولادت: ۵/ اگست ۲۰۲۲ء مطابق ۶/محرم الحرام ۱۴۴۴ھ بروز جمعہ تقریباً تین بجے دن)

❑❑❑

گذر جائیں گے اہلِ درد، رہ جائے گی یاد ان کی

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کی ایک اہم یادگار رخصت ہوئی

از: مفتی محمد اسلم صاحب امروہی
استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، جانا ہر ایک کو ہے، آگے پیچھے نمبر لگے ہوئے ہیں، دنیا کی آبادی مسلسل گھٹ رہی ہے اور قبرستان کی آبادی مسلسل بڑھ رہی ہے، نہ جانے کتنے لوگوں کو ہم اپنے ہاتھوں سے دفن کر کے آچکے ہیں اور اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ دنیا میں ہر چیز کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ لیکن موت کے بارے میں سب متفق ہیں کہ دنیا سے تو جانا ہی ہے۔ نہ جانے کتنے لوگ اس عالم رنگ و بو سے روزانہ رُخصت ہوتے ہیں اور خاکِ ارض ان کو ہضم کر جاتی ہے اور ان کی موت پر کوئی کف افسوس ملنے والا بھی نظر نہیں آتا۔

لیکن بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی وفات ہزاروں لوگوں کو سوگوار بنا دیتی ہے اور ان کی جدائی غیروں کی آنکھوں کو بھی اشکبار بنا دیتی ہے اور ان کی وفات سے ایک عظیم خلا پیدا ہو جاتا ہے، جس سے امت کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ انہیں شخصیات میں سے ناقدانہ بصیرت اور محققانہ ذہن رکھنے والے، حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کے شاگرد و مسترشد اور آپ کے خادم خاص، ان کی روحانی توجہات کے مرکز، اکابر و اسلاف کی زندگیوں اور کارناموں کے عینی شاہد، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کے مؤقر اور قدیم استاذ حضرت مولانا محبّ الحق صاحب پروہی مدھوبنی (بہار) نور اللہ مرقدہ اپنی زندگی

کے ۶۵ سال مکمل کر کے گذشتہ ۲۴ ؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ مطابق یکم ستمبر ۲۰۱۳ء بروز اتوار صبح ۵:۱۵ ؍منٹ پر جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ، کے ایک حجرے میں انتقال فرما گئے اور اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ إنا للہ و إنا إلیه راجعون!

حضرت فریدیؒ سے آپ کا تعلق

حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ ان خوش نصیب افراد میں سے تھے جن کو حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کی طویل رفاقت، تقریباً :۲۱ سال خدمت، صحبت اور مستقل استفادہ کا شرف حاصل رہا۔ اور حضرت مفتی صاحب کی بینائی کے ختم ہونے کے بعد آپ کے سفر و حضر کے ساتھی؛ بلکہ ان کے دن رات کے ہاتھ اور آنکھ بنے رہے۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں: ۱۹۷۳ء میں درس نظامی سے فراغت کے بعد حضرت فریدیؒ نے احقر سے فرمایا ''تمہیں امروہہ سے جانا نہیں ہے، ہمارے ساتھ رہنا ہے۔'' اس دن سے آخر تک آپ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ ور رہا، آپ نے احقر کو اپنی اولاد کی طرح رکھا اور اس قرب کی یہ انتہاء ہے کہ اپنے انہیں ہاتھوں سے آپ کی ابدی آرام گاہ تک جا کر لٹایا۔ (فیضانِ نسیم ۴؍) حضرت فریدیؒ کو عربی، فارسی اور اردو کے ماخذ، مخطوطات، مضامین و مقالات، تصحیح و تقریظ کے لیے آئے ہوئے مسودات پڑھ کر سناتے۔ مفتی صاحبؒ کے ان سے حاصل شدہ نتائج کو قلمبند کرتے، ان کے جمع کردہ ملفوظات و مکتوبات کی تلخیص و ترتیب بھی آپ ہی کے ذمہ تھی۔

حضرت فریدیؒ کی وفات کے بعد

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے حضرت فریدیؒ کے لائق فائق برادر زادے ڈاکٹر نثار احمد صاحب نظامی فاروقیؒ سے کہا: ''آپ چچا میاں کے بارے میں مولانا محبّ الحق صاحب سے ضرور لکھوائیں، چاہے وہ جیسا بھی لکھیں۔'' پھر خود ہی ان کے برادرِ خورد جناب انیس احمد صاحب فاروقی کو مکتوب لکھا:

> ''برادرِ عزیز مکرم مولوی محبّ الحق صاحب مولانا کے خادم خاص کی حیثیت سے مدت تک خدمت میں رہے، یقیناً ان کے علم میں مولانا علیہ الرحمہ کی

بہت سی ایسی باتیں اور واقعات ہوں گے جو بندگان خدا کے لیے سبق آموز اور رشد وہدایت کا وسیلہ بنیں گے، وہ ان کو جمع کر دیں، ان شاء اللہ انہیں کے نام سے الفرقان کے فریدی نمبر میں شامل کر لیے جائیں گے۔‘‘

چنانچہ حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے آپ کے حالات پر قلم اُٹھایا اور سادے انداز میں اتنا عمدہ اور جامع مضمون لکھا کہ جب وہ ’’الفرقان‘‘ میں شائع ہوا تو اہل علم ونظر سے اس قدر دادِ تحسین حاصل ہوئی، جس کا اظہار حضرت نعمانیؒ نے آپ کو ایک طویل مکتوب میں لکھ کر فرمایا، جس کی تلخیص درجِ ذیل ہے:

’’برادرِ عزیز! مکرم مولانا محبّ الحق صاحب زیدت حسناتکم۔ خدا کرے سب بخیر وعافیت ہوں، غالباً فریدی نمبر شائع ہونے کے بعد نہ تو آپ سے ملاقات ہوئی اور نہ میں نے کوئی خط لکھا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کے مضمون سے مولانا علیہ الرحمہ کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں علم میں آئیں جو اتنے قدیم مخلصانہ تعلق کے باوجود میرے علم میں نہیں تھیں، مجھے ان باتوں کے علم میں آنے سے بتوفیقہ تعالیٰ بڑا نفع ہوا اور اپنی محرومیوں کا شدید احساس بھی، لیکن افسوس! اس ضعف اور مختلف امراض کی وجہ سے ایسے حال میں ہوں کہ تلافی مافات کی کوئی امید نہیں جس پر استغفار کرتا ہوں۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

’’اس سے بہت پہلے ’’الفرقان‘‘ کے ’’مجدد الف ثانی‘‘ اور ’’شاہ ولی اللہ‘‘ نمبر شائع ہوئے، علمی حیثیت سے اور بعض دوسرے پہلوؤں سے انہیں غیر معمولی تحسین اور خراج حاصل ہوئے، لیکن افادی اور تاثیری حیثیت سے مولانا کے تذکرے پر مشتمل یہ نمبر سب سے بالاتر اور فائق رہا، جو بے شمار خطوط لوگوں کے موصول ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ عام طور سے

پڑھنے والوں کو بڑا دینی نفع پہنچا اور یہی اصل کام آنے والی چیز ہے، اس میں بڑا حصہ آپ کا ہے، آپ کے سیدھے سادے مضمون نے مجھے اور دوسرے ناظرین کو بہت زیادہ متاثر کیا اور دلوں میں نیک جذبہ پیدا ہوا کہ کاش! ایسی زندگی کسی درجہ میں نصیب ہوجائے۔'' (محمد منظور نعمانی ۱۱ر ستمبر ۱۹۸۹)

حضرت مفتی صاحبؒ کی فیض رساں نگاہوں سے موصوف کو تحریری تربیت اور اس پر قدرت بھی حاصل ہوگئی تھی، جس کا بعد میں خوب ظہور ہوا۔ اس کا کچھ اندازہ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی مدظلہ سابق مدیر ''الفرقان''، مقیم حال لندن کے اس درج ذیل مکتوب سے لگایا جاسکتا ہے، جو موصوف نے الفرقان کا فریدی نمبر پڑھ کر اور اس سے متاثر ہوکر لندن سے حضرت کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا۔

''برادر مکرم! مولوی محبّ الحق صاحب سلام مسنون، ''الفرقان'' کا فریدی نمبر ابھی دو چار دن ہوئے مجھے ملا، بلا مبالغہ سب سے زیادہ اچھا آپ کا مضمون لگا، بڑی دعائیں دل نے آپ کو دیں، کیوں؟ آپ نے مولاناؒ سے بہت بھرپور واقفیت کا سامان بہم پہنچایا اور پھر مضمون کا مزاج بھی بالکل وہ ہے، جو مولانا کے تذکرہ کا ہونا چاہئے۔ وہی سادگی جو مولانا کی شان تھی اور اس سادگی میں دلکشی، مولانا سے اتنا تعلق ہونے کے باوجود، ان کے کسی گوشے سے بھی گہری واقیف نہ تھی، اس نمبر نے پہلی مرتبہ کچھ واقفیت کا سامان کیا اور آپ کے مضمون نے بالخصوص۔ آپ کے مضمون سے بایں معنیٰ بھی خوشی ہوئی کہ آپ نے الحمدللہ مولانا سے پورا ہی کسب فیض کیا ہے؛ حتیٰ کہ تحریر پر قدرت بھی۔ کیا آپ اس سے پہلے بھی لکھتے رہے ہیں؟ اگر نہیں! تب تو اس مضمون کو مولانا کی کرامت ہی کہنا پڑے گا، مجھے زندگی میں بھی حسرت تھی کہ کچھ وقت مولانا کے ساتھ امروہہ میں گذاروں اور اب جو تفصیلی حالات معلوم ہوئے تو اور بھی زیادہ ہوگئی، مگر

میرے جیسے کم ہمت آدمی کا کہاں یہ نصیب ہوسکتا تھا، مولانا جس طرح تحقیقی کام زندگی بھر کرتے رہے کاش ان کی روایت کو باقی رکھنے اور آگے بڑھانے کا کوئی سامان امروہہ میں ہوجاتا۔ بشرطیکہ ان کی سادگی اور پتہ ماری کی روایت بھی باقی رکھی جاسکتی ہو۔ کاش! اللہ غیب سے اس مردِ فقیر کی اس حیات بعد الممات کا انتظام کرے۔'' دعا گو عتیق الرحمٰن سنبھلی، لندن۔ ۲۴؍ اگست ۱۹۸۹ء

نام ونسب اور ابتدائی تعلیم

آپ کا نام محبّ الحق اور آپ کے والد کا نام محمد حنیف تھا، شیخ صدیقی خاندان سے آپ کا تعلق تھا، آپ ضلع مدھوبنی کے ایک گاؤں ''پروہی'' میں ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے اور ناظرہ اردو، عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب میں پڑھ کر ۱۹۶۷ء میں جامع مسجد، امروہہ میں عربی دوم میں داخل درس ہوگئے اور ۱۹۷۳ء میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کرکے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

آپ کے مشہور اساتذہ

جامعہ میں اپنے وقت کے اساطین علم اور ارباب فضل وکمال سے علم حاصل کیا؛ خصوصاً حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد خاں صاحب فیض آبادیؒ، حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب امروہیؒ، حضرت مولانا منظور احمد صاحب ڈھکیاویؒ، حضرت مولانا محمد اکمل صاحب، حضرت مولانا عزت اللہ صاحب امروہیؒ اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب جویاوی دامت برکاتہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

صبر وقناعت

حضرت مولاناؒ نے اپنا بچپن، جوانی بلکہ پوری زندگی بہت تنگی اور پریشانی میں گذاری، مگر کبھی اس کا اظہار بھی نہیں فرمایا، بہت صبر وقناعت سے کام لیا، جب تک مدرسہ میں پڑھایا حسبۃ للہ فارسی کتابوں کی تعلیم دی، کبھی مشاہرہ نہیں لیا۔ امسال رمضان سے قبل موجودہ مہتمم حضرت مولانا سید محمد طارق صاحب مدظلہ نے آپ کا وظیفہ مقرر فرمادیا تھا، مجھ

سے فرمایا تھا کہ ’’اب میں مدرسہ میں پورا وقت پڑھایا کروں گا؛ اس لیے کہ حضرت مہتمم صاحب نے تنخواہ مقرر فرمادی ہے۔‘‘

سادگی وتواضع

موصوف فطرۃً بڑے نیک، متواضع، منکسر المزاج اور بہت کم گو تھے، کوئی بات معلوم کی جاتی تو بتادیتے ورنہ خاموش رہتے۔ یہ چیز بھی آپ کو اپنے شیخ ومرشد، محسن ومربی حضرت فریدیؒ سے ورثے میں ملی تھی۔ بہت سادہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اکثر کرتے وتہبند میں ہی نظر آتے۔ آپ کی تواضع وسادگی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے شیخ ومرشد کے حکم پر محلّہ سرائے کہنہ، امروہہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت کی اور آخر تک اس کے ایک چھوٹے سے کمرے میں جس میں کتابوں اور رسائل کے علاوہ کچھ اور نظر نہ آتا تھا، اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ تقریباً ۴۳ سال گذار دیئے۔

بہت مختصر سامان تھا اور دو بکس تھے، غالباً وہ بھی کتابوں سے ہی بھرے ہوئے تھے۔ رمضان سے چند ماہ قبل مجھ سے فرمانے لگے کہ ’’اب جی یہ چاہتا ہے کہ مدرسہ میں رہنے لگوں اور مسجد چھوڑ دوں۔‘‘ حضرت مہتمم صاحب سے اس سلسلے میں بات کی اور انتظامیہ نے مدرسہ میں ایک کمرے کا انتظام کردیا۔

راقم الحروف کا حضرت سے تعلق

۲۰۰۴ء میں جب احقر کا تقرر جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں ہوا، جامعہ چونکہ احقر کا مادرِ علمی بھی ہے اور اس وقت اکثر اساتذہ بھی موجود تھے؛ لہٰذا جذبہ پیدا ہوا کہ اپنے مدرسہ کا تعارف شائع ہو۔ اس نیت سے کتابوں کی ورق گردانی، تلاش وجستجو شروع کی اور اچھا خاصہ مواد جمع کرلیا، پھر اس کی تلخیص کرکے ’’جامعہ اکابر کی نظر میں‘‘ تیار کرکے مہتمم جامعہ کے حکم سے حضرت مولاناؒ کی خدمت میں برائے اصلاح پیش کیا، اس وقت حضرت کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا، اس کی اصلاح کے بعد اس رسالے کو شائع بھی

کرایا۔اس کے بعد جامعہ سے منسلک اہم شخصیات کے حالات جمع کرنے کا ذوق ہوا،اس کے لیے ’’امروہہ کی مثالی شخصیات‘‘ کے عنوان سے کام شروع کیا۔ کافی مواد جب جمع ہوگیا،تو اس کے بعد حضرت مولاناؒ کی خدمت میں پیش کیا،انھوں نے بڑی شفقت فرمائی، خوشی کا اظہار فرمایا، بہت حوصلہ مند کلمات کہے اور پھر فرمایا کہ ’’حضرت مفتی صاحب اس موضوع پر بہت کام کرگئے ہیں اور وہ ’’الفرقان‘‘ اور ’’ترجمان دارالعلوم‘‘ وغیرہ میں چھپ بھی چکا ہے،اگر صرف انہی کو جمع کر کے شائع کر دیا جائے تو یہ بہت بڑا کام ہوجائے گا اور مجھے سب معلوم ہے؛اس لیے اگر تم میرا تعاون کروتو میں ان سب کو جمع کر دوں۔‘‘احقر نے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے فوراًاس بات کو قبول کرلیا۔اس کے بعد حضرتؒ نے ان کو جمع کرنا شروع کر دیا اور الحمدللہ احقر نے ہر ممکن تعاون بھی کیا،جس کی وجہ سے امید ہے کہ جس طرح یہ خدمات مصنف ومرتب کے لیے صدقۂ جاریہ بنیں گی،اس حقیر کے حصے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور آئے گا،ان شاءاللہ۔اس بہانے حضرت سے تعلق بڑھتا گیا،حضرت کے ساتھ سفر میں بھی رہنا ہوا۔ بڑے بڑے اکابر سے ملاقات اوران کی علمی مجلس میں شرکت کا حضرت ذریعہ بنے۔

ذوق مطالعہ

حضرت فریدیؒ کی صحبت سے اللہ تعالیٰ نے موصوف کو مطالعہ کا ایسا ذوق عطا فرمایا تھا کہ بہت کم لوگوں میں ایسا ذوق نظر آتا ہے۔عام طور پر جب بھی ملاقات ہوتی ، ہاتھ میں کوئی کتاب یا رسالہ ہی نظر آتا۔چھوٹی سی مسجد کا ایک چھوٹا سا کمرہ اور کتابیں،نہ کہیں آنا،نہ کہیں جانا،مدرسہ میں دوتین گھنٹے شروع میں پڑھانے آتے اور پھر مسجد جا کر اپنا سارا وقت مطالعہ میں گزارتے۔حضرت فریدیؒ کے انتقال پر تعزیتی تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ان کے بارے میں جو فرمایا تھا’’مولانا فریدیؒ کو علم سے ایسا ہی تعلق تھا جیسا مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے‘‘مولاناؒ میں اس جملے کی کچھ جھلک نظر آتی۔

قوت حافظہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حافظہ بھی بلا کا عطا فرمایا تھا،حضرت فریدیؒ کی خدمت اور

مطالعہ کی کثرت نے دماغ کو مزید روشن کر دیا تھا۔ اکابر کے حالات و واقعات اور ان کی تاریخیں از بر یاد تھیں، احقر راقم الحروف جب کسی بزرگ کے بارے میں معلوم کرتا تو ان کے پورے حالات ذکر فرما دیتے تھے، کب پیدا ہوئے، کہاں پیدا ہوئے، کہاں کہاں پڑھا، کس کس سے پڑھا، کہاں کہاں پڑھایا، کون کون شاگرد ہیں، پوری تفصیل بتا دیتے تھے۔ کسی کتاب کے بارے میں معلوم کرتا تو پوری اس کی ہندی کی چندی فرما دیتے کہ فلاں صاحب اس کے مصنف ہیں، فلاں فلاں جگہ سے یہ کتاب، فلاں فلاں سن میں چھپی، فلاں کتاب کا وہ چربہ ہے، اس کتاب کے بارے میں فلاں کی یہ رائے ہے، اس موضوع پر ہے، یہ حقیر حیرت زدہ رہ جاتا۔ اس سے آپ کا ذوق مطالعہ اور قوت حافظہ کا علم ہوتا ہے۔

علمی اسفار

مطالعہ کے ذوق اور تحقیقی ذہن کی وجہ سے متعدد علاقوں اور شہروں کے کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں کو کھنگالنے کے لیے مسلسل اسفار فرماتے۔ حضرت فریدیؒ کے رفیق سفر بن کر میرٹھ، پھلت، پھلاودہ، نانوتہ، گنگوہ، تھانہ بھون، دیوبند، کاندھلہ، سہارنپور اور نہ جانے کہاں کہاں گئے اور بعد میں بھی یہ سلسلہ مستقل جاری رکھا۔ جب سے احقر کا تعلق ہوا ہمیشہ راقم الحروف کو بھی سفر میں ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ بارہا کاندھلہ، دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون و دیگر مقامات پر ساتھ جانے کا شرف حاصل ہوا۔

تصنیف و تالیف

تدریسی خدمات اور حضرت فریدیؒ کے مضامین، مقالات، ملفوظات اور مکتوبات کو شائع کرنے کے علاوہ تصنیفی سلسلہ بھی جاری رہا، چند تالیفات شائع ہو چکی ہیں اور بعض زیر طبع ہیں جن کا تعارف حسب ذیل ہے:

(۱) فیضانِ نسیم

حضرت فریدیؒ کے حالات پر لکھا گیا وہ مقالہ جو ''الفرقان'' کے ''فریدی نمبر'' میں اختصار کے ساتھ شائع ہوا جس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ شروع میں ذکر کردہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ اور حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی کے

مکتوبات سے لگایا جاسکتا ہے۔ بعد میں ملفوظات اور مکتوبات کا اضافہ کرکے کتابی شکل میں ۳۵۶ رصفحات پر ''فیضانِ نسیم'' کے نام سے شعبۂ نشر و اشاعت جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ سے شائع کرائی۔

(۲) سیرت ذوالنورین

امیر المومنین خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کی سیرت پر جامع اور مختصر رسالہ جو ''سمندر کو سمیٹ کر کوزہ میں بھر دیا'' کا مصداق ہے۔

یہ لفظ محبت کا ادنیٰ سا فسانہ ہے سمٹے تو دل عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

(۳) مکتوبات نعمانی

مولانا محمد منظور نعمانی کے وہ خطوط جو حضرت نے نواب عزیز الٰہی خاں حسن پوری کے نام تحریر فرمائے تھے۔

(۴) مکتوبات مشاہیر

اکابر کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے نواب عزیز الٰہی خاں حسن پوری کے نام تحریر فرمائے۔

(۵) اردو تفاسیر و تراجم

علماء دیوبند کی تفسیری خدمات پر ایک نہایت جامع اور مختصر رسالہ ہے، یہ ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام ہونے والے مؤرخہ ۲۰، ۲۱، ۲۲ رمئی ۲۰۰۰ء بروز، ہفتہ، اتوار، پیر ''حضرت نانوتویؒ پر تاریخی سیمینار'' کے موقع پر مفسر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلویؒ کے حکم پر لکھا گیا تھا۔ جس کی افادیت کا اندازہ مطالعہ سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

(۶) مقالات فریدی (تین جلدیں)

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کے علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ جو حضرت نے ''الفرقان'' اور ''ترجمان دارالعلوم'' وغیرہ رسائل میں شائع فرمائے تھے، موصوف نے ان سب کو یکجا کرکے کتابی شکل میں شائع فرماکر حضرت کے تمام کفش

برادراں پر احسان فرمایا۔ پہلی جلد میں ۹/ اکابر کے تفصیلی حالات جمع ہوگئے ہیں جو ۱۸۰/ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد ۱۲ مقالے اور ۲۹۰/ صفحات پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد میں ۱۵/ مقالے شامل ہیں جو ۱۸۴/ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۷) سید العلماء

یہ کتاب حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے شاگرد خاص، حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہی کی تفصیلی سوانح ہے جو حضرت فریدیؒ نے دار العلوم دیوبند کے رسالہ ترجمان میں ۹/ قسطوں میں شائع کی تھی جو ۱۷۶/ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۸) حکیم الامت کی محفل ارشاد

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارشادات وملفوظات کی جامع تلخیص ہے جو ''الفرقان'' میں ۲۳/ قسطوں میں شائع ہوکر سینکڑوں لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بن چکے ہیں۔ اب کتابی شکل میں ۲۲۴/ صفحات پر شائع ہوئے ہیں۔

(۹) زیارت حرمین

حضرت فریدیؒ کا ایک سفرنامہ حج ہے جو آپؒ نے آج سے ۵۲ سال قبل تحریر فرمایا تھا اور ''الفرقان'' میں پانچ قسطوں میں شائع کیا تھا۔ یہ سفرنامہ بیش قیمت افادات و معلومات پر مشتمل ہے جس کا اندازہ قارئین کو مطالعہ کے بعد ہی ہوگا۔ یہ ۱۲۸/ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۰) جواہر پارے

اس کتاب میں فقیہ النفس، مجدد زمانہ، جامع شریعت وطریقت، بانی مسلک دیوبند۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے ان مکتوبات کا خلاصہ ہے جو احسان وتصوف، اخلاق ومعاملات، ذکر وفکر سے متعلق ہیں۔ حضرت فریدیؒ نے ''مکاتیب رشیدیہ'' مرتبہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی اور ''مفاضات رشیدیہ'' مرتبہ حضرت مولانا نور الحسن صاحب کی تلخیص ماہنامہ الفرقان کی ۱۵/ قسطوں میں ''جواہر پارے''

کے عنوان سے شائع کرائے، جواب کتابی شکل میں ۱۶۰ر صفحات پر شائع ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ کچھ اور کتابیں زیورطبع سے آراستہ ہونے ہی والی تھیں کہ حضرتؒ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان شاء اللہ بہت جلدان کو منظرعام پر لایا جائے گا۔ سبھی قارئین سے درخواست ہے کہ حضرتؒ کی مغفرت کے لیے اوران کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کے لیے دعافرمائیں۔

مرض کی ابتداء

اواخر رمضان میں تقریباً چالیس سال بعد پہلی مرتبہ بیوی بچوں اوراعزاء اقرباء کے ساتھ اپنے اصلی وطن پروہی مدھوبنی بہار میں عید کرنے گئے۔ ستائیسویں روزہ کو دل کا عارضہ پیش آیا، مختلف دوائیاں اورکئی کئی انجکشن لگانے کے بعد درد قابو میں آیا، اسی تکلیف کی حالت میں باوجود ڈاکٹروں کے منع کرنے پر روزے پورے کیے، عید کے چندروز بعد اپنے استاذ محترم شیخ کامل، مشفق ومحسن مربی حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کوخواب میں دیکھا، حضرت فرمارہے ہیں ”یہاں کیوں پڑے ہو، چلو امروہہ“ خواب دیکھنا تھا کہ امروہہ آنے کے لیے بے چین ہوگئے، گھر والوں نے طبیعت کی خرابی کی وجہ سے امروہہ نہ جانے پر اصرار کیا؛ لیکن حضرت مولاناؒ کسی طرح رکنے کے لیے تیار نہ ہوئے، چھ یا سات شوال کو مدرسہ تشریف لے آئے، مدرسہ آتے ہی احقر راقم الحروف کوفون کیا، میں فوراً پہنچا، کمزوری اورنقاہت چہرے سے ظاہر ہورہی تھی۔ خیر وعافیت معلوم کرنے پر اپنی طبیعت اور مفتی صاحب کے خواب کا تذکرہ فرمایا اورخود ہی اس کی تعبیر بھی بیان فرمادی کہ ”اب میں زیادہ دن تک زندہ نہیں رہوں گا۔“ میں نے عرض کیا ”حضرت! اس کا مطلب یہ نہیں ہے“ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت فرمارہے ہیں کہ میرے جن کاموں کوتم کررہے تھے، ان کو جلد پوراکرو۔

بہرحال ۱۱ر شوال کو مدرسہ کھل گیا اور آپ داخلے کی کاروائیوں میں مصروف ہوگئے۔

۱۵ تاریخ میں دوبارہ دل کا عارضہ پیش آیا، مرادآباد کے ایک ہسپتال ”وویکانند“

میں ایڈمٹ کردیا گیا۔ پانچویں دن ڈاکٹروں کے مشوروں سے دہلی اروند میں ایڈمٹ کیا، دودن وہاں رہے، تیسرے دن چھٹی ہوگئی۔ امروہہ آنے کے لیے اصرار کرنے لگے بمشکل تمام ایک دن کے لیے جمعیۃ علماء ہند کے دفتر مسجد عبدالنبی میں قیام کرایا۔ ہفتہ کے دن ۲۳ر شوال کو دوبارہ ڈاکٹروں کو دکھایا، طبیعت اطمینان بخش تھی، ڈاکٹروں نے دوائیاں دے کر اور بائی پاس سرجری کرنے کے لیے ایک مہینہ کے بعد کا وقت دے کر چھٹی کردی۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے حافظ رضوان صاحب نے جو دہلی ہی میں مقیم ہیں، اپنے گھر لے جانا چاہا لیکن کسی طرح وہاں رکنے کے لیے تیار نہ ہوئے، چنانچہ شام کو انٹرسٹی سے امروہہ کے لیے روانہ ہوئے اور عشاء کے وقت مدرسہ پہنچ گئے۔

وفات

رات ساڑھے گیارہ بجے تک احقر حضرتؒ کے پاس بیٹھا رہا، طبیعت میں الحمدللہ بڑا اطمینان تھا، کھانا وغیرہ کھایا اور آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ میں یہ کہہ کر کہ حضرت! بھائی عبدالصبور نے لیپ ٹاپ کا انتظام کردیا ہے، اب کمرے میں لیٹے لیٹے صبح سے کام شروع فرمادیں، مسکرا کر فرمایا ''ٹھیک ہے'' پھر احقر اپنے گھر چلا گیا، صبح سوا پانچ بجے جبکہ احقر فجر کی نماز کی تیاری کر رہا تھا، حضرتؒ کے صاحبزادے مفتی امدادالحق صاحب کا فون پہنچا، موبائل ریسیو کرتے ہی ان کی آواز آئی ''جلدی آیئے، ابو کی طبیعت دوبارہ خراب ہوگئی'' احقر فوراً مدرسہ پہنچا، مگر اس وقت تک حضرت کی روح پرواز کرچکی تھی، یقین نہ تھا، اس لیے فوراً ایمبولینس منگوا کر دل کے ماہر ڈاکٹر جن کا پہلے بھی علاج ہوچکا تھا، کے پاس لے کر گئے، انھوں نے دیکھ کر وہ بات بتائی جس کو قبول کرنے کے لیے دل آج تک آمادہ نہیں۔ مدرسہ واپس لائے، آناً فاناً پورے علاقے میں اطلاع ہوگئی، جامع مسجد چاہنے والوں سے بھرگئی۔ آپ کے صاحبزادگان اپنے وطن لے جانے پر مصر رہے، بہت سمجھایا بھی گیا؛ لیکن گھر کی عورتیں راضی نہ ہوئیں۔

آپ یہ وصیت فرما گئے تھے کہ میری نمازِ جنازہ میرے استاذ محترم حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب پڑھائیں۔ چنانچہ غسل کرایا گیا اور نمازِ جنازہ پڑھنے کی فوراً تیاری کی

گئی۔ حضرت مولانا کی اقتداء میں سینکڑوں لوگوں نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ ایمبولینس آنے میں کافی تاخیر ہوئی اور تقریباً دو بجے جامع مسجد سے ان کے جنازہ کو روانہ کیا گیا، دوسرے دن صبح ۹ر بجے یہ لوگ اپنے گھر پہنچے اور تقریباً ساڑھے دس بجے اعزاء اقرباء نے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھ کر ہمیشہ کے لیے ان کے جسد کو خاک کے سپرد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی لحد کو جنت کا باغیچہ بنائے۔ آمین

پسماندگان

آپ کے پسماندگان میں چھ صاحبزادے: حافظ رضوان الحق، ضیاء الحق، مفتی امداد الحق، مولوی احترام الحق، محبوب الحق اور نسیم الحق اور ایک صاحبزادی بریرہ ہیں۔ مفتی امداد الحق اس وقت دار العلوم حیدرآباد میں اور مولوی احترام الحق بمبئی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

❑❑❑

یادگارِ بزرگانِ امروہہ

حضرت مولانا محبّ الحق صاحب نوراللہ مرقدہ

از: مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری

استاذ الحدیث ومفتی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

حضرت اقدس مولانا محبّ الحق صاحب دربھنگوی نوراللہ مرقدہ استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، ہمارے بزرگوں کی یادگاراور اکابر واسلاف کا نمونہ تھے، رب ذوالجلال نے مرحوم ممدوح کو گوناگوں کمالات وحسنات اور بیشمار خوبیوں سے نوازا تھا، اپنے اساتذۂ کرام اور بزرگوں کی عظمت اوران کا غایت درجہ ادب واحترام اور اپنے چھوٹوں پر شفقت اوران کی حوصلہ افزائی ان کا امتیازی وصف تھا، اگر اپنے چھوٹوں کی جانب سے کوئی علمی کام سامنے آتا، تو اس کی خوب خوب پذیرائی فرماتے اور حددرجہ اس کو سراہتے تھے، اگر کوئی شخص علمی کام میں یا دیگر امور میں مشورہ طلب کرتا، تو غایت درجہ شفقت اور محبت کے ساتھ مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔

آج ممدوح ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں؛ مگران کی شفقت اور محبت ہمیشہ یاد آتی رہے گی، سال گذشتہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے سیمینار کے موقع پر جب جامعہ کے ارباب اہتمام و انصرام نے مجھے جامعہ میں دینی خدمات انجام دینے والی مشہور ومقتداء شخصیات کا مختصر تعارف لکھنے کا حکم صادر فرمایا، تو متعدد کتب کی ورق گردانی کے ساتھ موصوف وممدوح سے باربار ملاقات اور استفادہ کی ضرورت محسوس ہوئی ،آپ ہر ملاقات پر خندہ پیشانی اور

وسعت اخلاق کا مظاہرہ کرتے اور کبھی بھی آپ کی طرف سے گرانی کا احساس نہیں ہوا، چنانچہ توفیق خداوندی اور اکابر کی توجہات سے ۳۴ مشہور شخصیات کا مختصر تعارف تیار ہوا اور سیمینار کے موقع پر جامعہ کی جانب سے شائع ہوکر شرکاء کے درمیان تقسیم بھی ہوا، جو آئندہ ان شاء اللہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ اور شخصیات امروہہ پر قلم اٹھانے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

ولادت اور تعلیم وتربیت

آپ کی ولادت تقریباً ۱۹۴۸ء کو سابقہ ضلع دربھنگہ اور حال ضلع مدھوبنی بہار کی مردم خیز بستی ''پروہی'' میں ہوئی، اس علاقے میں یہ بستی علماء وحفاظ اور دیندار افراد کی بستی کہلاتی ہے، آپ خاندانی اعتبار سے ''شیخ صدیقی'' کہلاتے ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: مولانا محبّ الحق پسر محمد حنیف پسر ولایت حسین پسر امیر احمد پسر محمد قاری پسر حیدر علی، آپ کا خاندان علاقہ کا معزز اور دیندار گھرانہ شمار ہوتا ہے، انھی خاندانی خصوصیات اور امتیازی اوصاف کی وجہ سے آپ کے والد مرحوم اور دیگر اہل خانہ نے آپ کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ فرمائی؛ چنانچہ علاقے کے مختلف مدارس ومکاتب میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس نظامی کی بہتر تعلیم کی غرض سے اہل خانہ نے بہار سے باہر بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔

جامع مسجد امروہہ میں داخلہ اور فراغت

جب آپ کی عمر ۱۵، ۱۶، سال ہوئی تو ۱۹۶۷ء میں قاسم العلوم والمعارف حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ کی مشہور بافیض دینی یادگار جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا، یہ درسگاہ حضرت حجۃ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کے ایماء اور حکم پر آپ کے شاگرد رشید سید العلماء حضرت اقدس مولانا احمد حسن محدث امروہی نوراللہ مرقدہٗ کی قائم کردہ ہے، جو گویا حضرت نانوتویؒ کے چشمۂ فیض ہی کی ایک نہر ہے، جس دور میں ممدوح مرحوم نے اس درسگاہ میں داخلہ لیا، اس وقت اس ادارہ میں اپنے وقت کے اساطین علم وفضل، ماہرین علوم شرعیہ اور معرفت وطریقت کے سمندر میں غوّاصی کرنے والے مشائخ عظام اور اولیاء کرام اپنے فیوض وبرکات سے ایک عالَم کو سیراب کررہے تھے۔

علوم نبوت کے جن درخشندہ اورتابندہ کواکب ونجوم سے آپ نے اکتساب فیض کیا،ان میں نابغۂ عصراورآپ کے مخدوم گرامی حضرت اقدس مولانامفتی نسیم احمد فریدی نوراللہ مرقدہٗ کے علاوہ حضرت مولاناشبیہ احمد خانصاحب فیض آبادیؒ سابق صدرالمدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجدامروہہ، سابق شیخ الحدیث مولاناسید طاہرحسن امروہیؒ ،نمونۂ اسلاف مولانا منظور احمد صاحب امروہیؒ، حضرت مولانامحمداسماعیل صاحبؒ (سابق) استاذ حدیث ونائب مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجدامروہہ،حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ سابق استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجدامرہہ،استاذ حدیث دارالعلوم دیوبندوصدرجمیعۃ علماء ہند،حضرت مولانا قاری محمد اکمل صاحب رحمہ اللہ سابق استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، دوران طالب علمی اساتذہ کرام کاغایت درجہ احترام فرماتے تھے،کبھی بھی اپنے اساتذہ کے سامنے چہارزانوں ہوکرنہیں بیٹھے،۱۹۷۳ء میں تمام علوم متداولہ سے اپنے اساتذہ کی زیرنگرانی تکمیل فرمائی۔

تدریسی وتصنیفی خدمات

اپنے مادرعلمی سے فراغت کے بعد اپنے مخدوم گرامی نابغۂ عصرحضرت اقدس مولانامفتی نسیم احمد فریدی نوراللہ مرقدہٗ کے حکم سے ’’تمہیں امروہہ سے نہیں جاناہے، ہمارے ساتھ رہناہے‘‘ امروہہ ہی میں مستقل زندگی کے اختتام تک قیام فرمایا،اپنے استاذ محترم کی پوری لگن اوردلچسپی کے ساتھ خدمت کی، ان کے تصنیفی کاموں میں بھرپورتعاون فرمایا،حضرت والانوراللہ مرقدہٗ نے آپ کواولاد سے زیادہ عزیز رکھااورممدوح سفروحضرمیں اپنے مخدوم گرامی کے ساتھ برابررہے،آپ سے علمی وروحانی فیض حاصل کرتے رہے، امروہہ میں قیام کے دوران سرائے کہنہ کی ایک مسجد میں امامت اورخطابت کے ساتھ جامعہ اسلامیہ امروہہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے،عموماً ابتدائی عربی وفارسی کی کتب آپ سے متعلق رہتی تھی اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک برقراررہا۔

اپنے مخدوم گرامی حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعدتدریسی

امور اور امامت وخطابت کے فرائض کے ساتھ اپنے استاذ گرامی کے مکتوبات ،ملفوظات اور مقالات اور غیر مطبوعہ مضامین کی اشاعت میں اپنے آپ کو وقف کردیا؛ چنانچہ ’’مقالات فریدی‘‘ حصہ اول، دوم، سوم، ’’سید العلماء ، حکیم الامت کی محفل ارشاد، زیارت حرمین، جواہر پارے‘‘ حضرت مفتی صاحبؒ کے ملک وبیرون ملک کے رسائل وجرائد میں شائع شدہ مضامین ہیں، جس کو ممدوح نے اپنے تعارفی کلمات اور تعلیقات وحواشی کے ساتھ مزین کرکے شائع کیا ہے، جس سے امت کا بڑا طبقہ مستفید ہورہا ہے، اس کے علاوہ ’’سیرت ذی النورین ، فیضان نسیم ،مکتوبات نعمانی، مکتوبات مشاہیر، اردو تفاسیر وتراجم‘‘ آپ ہی کے گوہربار قلم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں، نیز ’’سفرنامۂ حجاز‘‘ ،مولانا نواب رفیع الدین فاروقی مرادآبادی اور ’’سفرنامہ حج‘‘ نواب مصطفیٰ علی خاں جس کا ترجمہ حضرت مفتی نسیم صاحبؒ کے قلم سے لکھا ہوا ہے اور ممدوح نے اس کا انتخاب کرکے اور اس پر حواشی ومفید تعلیقات لکھ کر قابل اشاعت بنایا ہے، تیار ہے؛ مگر اشاعت کو منتظر ہے۔

سردست ممدوح کا قلم اپنے مخدوم گرامی حضرت فریدیؒ کی سوانح حیات کی ترتیب میں مشغول تھا؛ مگر اس اہم کام کو نامکمل چھوڑ کر اپنے مولاء حقیقی سے جاملے اور دل کی حسرت دل ہی میں باقی رہ گئی ،جس کو ممدوح کے لائق وفائق ہونہار فرزند مولانا مفتی امدادالحق بختیار قاسمی استاذ دارالعلوم حیدرآباد، ان شاء اللہ مکمل فرمائیں گے۔ (طبع ہوچکی)

علالت اور وفات

امروہہ قیام کے دوران ممدوح کی زندگی کا بیشتر حصہ محلّہ سرائے کہنہ کی ایک مسجد میں گذرا، مدرسہ کی ذمہ داری کی انجام دہی کے بعد مسجد ہی میں تشریف فرمارہتے ، لکھنا، پڑھنا اور مطالعہ کتب سب مسجد میں رہتا تھا، ماہ رمضان سے چند ماہ پیشتر آپ مسجد سے علیحدہ ہوگئے تھے اور مستقل مدرسہ ہی میں قیام پذیر رہتے تھے، راقم السطور سے دل کی بات کہہ دیا کرتے تھے، سوانح کی ترتیب کے سلسلہ میں مسلسل مشورہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ راقم السطور سے فرمایا کہ تم سہارن پور جاؤ، تو مشہور شاعر اسلام حافظ محمد اسحاق سہارنپوری کا مطبوعہ کلام لے کر آنا؛ کیونکہ حافظ صاحب نے حضرت فریدی نوراللہ

مرقدہٗ کے وصال کے بعد ان کی شان میں منقبتی اشعار لکھے تھے،ان کو سوانح میں شامل کرنا ہے، احقر نے ان کے حکم کی تعمیل کو سعادت سمجھا اور مطلوبہ کتاب حاصل کی، خیال تھا کہ شعبان یا رمضان میں پیش کر دوں گا؛ مگر وہ میرے ہی پاس رکھی رہی اور موصوف کو نہ دے سکا، رمضان میں بھی موصوف کا قیام مدرسہ ہی میں رہا، ماہ مبارک میں ممدوح مدرسہ کی حاجت سے نینی تال اور دہلی کا سفر کیا کرتے تھے اور حسب معمول سفر کیا، ایک موقعہ پر فرمایا کہ پندرہ بیس سال سے گھر پر عید نہیں کی ہے، اس بار گھر پر عید کرنے کو جی چاہتا ہے، میں نے کہا کہ ضرور تشریف لے جائیں؛ چنانچہ عید الفطر کے موقع پر وطن جانے کا ارادہ کر لیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ آپ کے صاحبزادہ حافظ محمد ارشد سلمہٗ کے ختم قرآن کی دعاء میں شرکت کر کے جاؤں گا، اس کے بعد احقر عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کے لیے میل وشارم، مدراس چلا گیا اور موصوف اپنے وطن چلے گئے۔

ماہ شوال کے عشرۂ اولی میں احقر امروہہ ہی میں قیام پذیر رہا اور دوسرے عشرہ میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ امتحان میں پرچہ بینی کے لیے سفر طے تھا کہ ۱۰؍شوال کو عشاء کے بعد فون آیا کہ تم کہاں ہو؟ میں بہار سے امروہہ آ گیا ہوں، اس احقر نے کہا کہ میں رام پور سے امروہہ پہنچ رہا ہوں، فوراً ملاقات کے لئے آتا ہوں؛ چنانچہ رات ہی میں امروہہ پہنچتے ہی ملاقات کے لیے مدرسہ گیا، ملاقات پر فرمایا کہ بعد میں خیال آیا کہ صبح کو ملاقات ہو جاتی، اتنی جلدی اطلاع کی کیا ضرورت تھی، میں نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا اور احسان فرمایا کہ اطلاع کر دی ورنہ صبح کو ملاقات نہ ہوتی؛ کیونکہ مجھے دیوبند علی الصباح ہی جانا ہے، بہت فرحت اور مسرت کا اظہار فرمایا اور دعاؤں سے نوازا، دیوبند جانے کے چند ہی روز کے بعد دیوبند ہی میں معلوم ہوا کہ مولانا کافی بیمار ہیں اور علاج کے لیے مرادآباد تشریف لے گئے ہیں، صاحبزادگان بھی اپنی اپنی جگہوں سے تیمارداری اور خدمت کے لیے مرادآباد پہنچ گئے۔

دیوبند سے امروہہ آنے کے بعد معلوم ہوا کہ موصوف بغرض علاج دہلی تشریف لے گئے،فون سے برابر رابطہ ہوتا رہا اور افاقہ کی اطلاع ملتی رہی ،۲۲؍شوال کو معلوم ہوا کہ

دل کا آپریشن پندرہ دن کے بعد ہوگا اور موصوف امروہہ آنا چاہتے ہیں؛ چنانچہ ۲۳؍شوال کی شام کو اپنے مادر علمی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ تشریف لائے، ملاقات ہوئی، بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ دعاء کریں، میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے؛ البتہ کمزوری زیادہ ہے، موصوف کا قیام اوپر کی منزل میں کمرہ میں رہتا تھا، ازخود ہی چل کر اوپر تشریف لے گئے، رات بھی ٹھیک ٹھاک گذری۔

لیکن قبل فجر طبیعت اچانک پھر خراب ہوئی؛ فوراً ہی خدام اور اساتذہ جامعہ سرکاری ہسپتال لے گئے اور ہسپتال جاتے ہی انتقال فرما گئے اور جان جان آفریں کے سپرد فرمادی:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

إنا لله وإنا إليه راجعون، ورحمهُ الله رحمة واسعة .!

موصوف نے علالت ہی کے زمانہ میں خواب میں دیکھا تھا کہ ان کے مخدوم گرامی مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی نوراللہ مرقدہٗ فرمارہے ہیں کہ تم اب ہمارے پاس آجاؤ، اس خواب کے بعد فرمایا کہ میرے انتقال کا وقت قریب آگیا؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دامت برکاتہم استاذ حدیث ونائب مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ نے دیگر اساتذہ وطلبہ کی شرکت میں غسل دیا اور حسب وصیت نماز جنازہ کی امامت فرمائی، اس کے بعد مرحوم کے پسماندگان موصوف کا جسد خاکی اپنے وطن مالوف پروہی ضلع مدھوبنی (بہار) لے گئے اور وہاں دوسری نماز جنازہ ہوئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

پسماندگان میں چھ صاحبزدگان اور ایک صاحبزادی ہے، اس کے علاوہ ہزاروں شاگردوں کی جماعت ہے، جو یقیناً موصوف کے لیے صدقہ جاریہ ہیں اور برابر موصوف کے لئے مغفرت اور ترقیٔ درجات کی دعا کرتے رہیں گے، اس کے علاوہ موصوف کی

تصنیفات اوراصلاحی مضامین بھی موصوف کے لیے صدقہ جاریہ ہیں، جن سے عوام وخواص کا بہت بڑا حصہ مستفید ہورہاہے، موصوف مسجد میں قیام کے دوران شبینہ مکتب میں بھی بچوں کو پڑھاتے تھے اورامروہہ میں قرآن کریم پڑھنے والے بیشمار طلبہ اورطالبات موصوف کی شاگردی میں رہ چکے ہیں، جوآج بیشتر صاحب اولاد ہیں، وہ بھی موصوف کے لیے صدقہ جاریہ ہیں، ان کی تلاوت کا ثواب بھی موصوف کو پہنچتا رہے گا،امروہہ میں موصوف کے قیام کی کل مدت چھیالیس سال کے عرصہ پر محیط ہے،اللہ تعالی موصوف کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطافرمائے اور پسماندگان کوصبر جمیل عطاء فرمائے آمین۔

❑❑❑

دوسری فصل

چند مشہور اساتذہ

دورہ حدیث کے اساتذہ

آپ کے اساتذہ میں سرفہرست نابغۂ عصر حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ ہیں جن سے دورہ میں موطاء امام مالک کے علاوہ متعدد کتابیں پڑھیں، حضرت اقدس قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ (سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند) آپ سے دورہ میں موطاء امام محمد اور طحاوی شریف پڑھی، حضرت مولانا منظور احمد ڈھکیاویؒ، جن سے دورہ میں نسائی شریف کا درس لیا، محدث جلیل شیخ شبیہ احمد فیض آبادیؒ آپ سے دورہ میں بخاری جلد ثانی اور ترمذی شریف پڑھی، حضرت مولانا شیخ طاہر حسن امروہیؒ آپ سے دورہ میں بخاری شریف اول اور مسلم شریف پڑھی، مولانا سراج احمد خان صاحبؒ آپ سے دورہ میں ابوداؤد شریف پڑھی، مولانا محمد اکمل صاحبؒ جن سے دورہ میں ابن ماجہ شریف پڑھی اور حضرت مولانا اسماعیل صاحب جویاوی زید مجدہم قابل ذکر ہیں۔

ان میں سے کئی ایک پر آپ نے خود مفصل تحریریں لکھی ہیں؛ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہیں من وعن یہاں نقل کر دیا جائے؛ تاکہ اساتذہ کے تعارف کے ساتھ ساتھ مولانا محبّ الحقؒ کے اسلوب تحریر سے بھی قارئین محظوظ ہوں۔

اساتذہ کا ادب واحترام

اساتذہ کا احترام آپ کے یہاں غایت درجہ کا تھا، کبھی آپ اپنے اساتذہ کے

سامنے چہارزانو ہو کر نہیں بیٹھے، میں نے اخیر وقت تک دیکھا کہ اپنے اساتذہ کے سامنے طفل مکتب ہی کی طرح رہتے، جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مفتی اسلم صاحب امروہی نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بہت اصرار کیا کہ آپ عصر کے بعد مجلس شروع فرمائیں، ہمیں اس سے کافی فائدہ ہوگا؛ لیکن آپ ہر مرتبہ یہی فرماتے کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب سے عرض کرو کہ وہ کہیں تشریف رکھیں اور ہم ان سے استفادہ کریں، اس ناقدری، احسان فراموشی اور خود پسندی کے زمانہ میں یہ چیز نایاب نہیں، تو کم یاب ضرور ہے، نیز آپ نے اپنے استاذ حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے ایک حکم پر اپنی پوری زندگی حضرت رحمۃ اللہ کے لئے وقف کر دی، آپ خود تحریر فرماتے ہیں:

> "۱۹۷۳ء میں درس نظامی سے فراغت کے بعد احقر سے (حضرت مفتی صاحبؒ نے) فرمایا: "تمہیں امروہہ سے جانا نہیں ہے، ہمارے ساتھ رہنا ہے"، اس دن سے اخیر تک آپ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ ور رہا، آپ نے احقر کو اپنی اولاد کی طرح رکھا اور اس قرب کی یہ انتہا ہے کہ (میں نے) اپنے انہیں ہاتھوں سے آپ کی ابدی آرام گاہ لے جا کر لٹا دیا"۔ (فیضان نسیم)

یہیں پر یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا؛ بلکہ حضرت مفتی صاحبؒ کے سابقہ حکم کی وجہ سے آپ کی وفات کے بعد بھی حضرت مولانا محبّ الحقؒ امروہہ ہی میں مقیم رہے اور حضرت مفتی صاحبؒ کے مکتوبات، ملفوظات اور مقالات کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور اسی راہ میں اپنی جان نچھاور کر دی۔ **اللهم اغفر له، وبرّد مضجعه، واجعل الفردوس مثواه.**

اساتذہ ہی نہیں؛ بلکہ ہر اہل علم وفضل کا والد صاحب بہت احترام کرتے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ مجھے خود یاد ہے کہ حضرت مولانا عبد الغفور صاحب سنبھلی (استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ) والد صاحب کے پاس انار والی مسجد، سرائے کہنہ تشریف لائے، والد صاحب کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، بعد ازاں والد صاحب کے ساتھ

ان کے کمرے میں تشریف لائے تو والد صاحب نے باصرار انہیں اپنے بستر پر سرہانے کی طرف بٹھایا اور خود پاییتیں کی جانب بیٹھ گئے، میں خود اس منظر سے بہت متاثر ہوا؛ کیوں کہ والد صاحب اور مولانا عبدالغفور صاحب کی عمر میں کافی تفاوت ہے۔ اسی طرح کتابوں کا اتنا احترام فرماتے کہ کبھی لیٹ کر یا تکیہ وغیرہ سے ٹیک لگا کر کوئی کتاب نہ پڑھتے، اگر مجھے کبھی اس طرح پڑھتے دیکھتے تو سخت ناراض ہوتے۔

مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کا تذکرہ اگلی فصل میں مستقل آئے گا، ان کے علاوہ حضرت مولانا محبّ الحقؒ کے دیگر بعض اساتذہ کے حالاتِ زندگی اور خاکے خود اُن کے قلمِ گوہر بار سے لکھے ہوئے پیش خدمت ہیں:

حضرت مولانا سراج احمد خان صاحبؒ

حضرت مولانا سراج احمد خان صاحب کا سال پیدائش ۱۸۹۰ء ہے، آپ امروہہ محلّہ بٹوال کے رہنے والے تھے۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے تعلیم یافتہ، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمان امروہیؒ کے شاگرد ہیں، فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک اسی مدرسہ میں پھر سہنس پور ضلع بجنور میں درس دیا اور اب مدرسہ عربیہ کٹرہ موسی خاں سنبھل میں عربی کے مدرس دوم ہیں۔ (تذکرۃ الکرام، مولفہ محمود احمد عباسی)

جس وقت تذکرۃ الکرام لکھی گئی تھی، اس وقت تک آپ سنبھل میں مدرس تھے، اس کے بعد الہ آباد میں عرصہ تک تدریسی سلسلہ جاری رہا، بعدہ اپنی مادر علمی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں خدمات علمی کے لیے اپنی پوری عمر وقف کردی، احقر (مولانا محبّ الحقؒ) کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے، آپ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، حضرت تھانویؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر ''بیان القرآن'' کی تصحیح آپ ہی سے کرائی، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں بھی درس وتدریس کا سلسلہ رہا، سادگی، تواضع، اخفاء حال، ملنساری اور بردباری بدرجہ اُتم پائی جاتی تھی، مدتوں خطیب جامع مسجد امروہہ رہے، آپ کے مریدوں کا سلسلہ زیادہ ضلع دربھنگہ صوبہ بہار میں ہے، آپ نے جن حضرات کو اجازت بیعت دی، ان میں سے چند کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں: (۱) ماسٹر

محمد قاسم صاحب ضلع دربھنگہ (۲) مولانا حکیم عبدالمنان صاحب ضلع دربھنگہ (۳) مولانا قاری محمد صدیق صاحب قصبہ سیواپت ضلع الہ آباد (۴) ماسٹر غلام مصطفیٰ صاحب ضلع دربھنگہ (۵) ڈاکٹر زاہد صاحب امروہہ (۶) مولانا احتشام احمد صاحب لاہرپور ضلع سیتاپور وغیرہ۔

آپ کا انتقال ۱۵/صفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۵/جنوری ۱۹۷۹ء کو ہوا، آپ کا مدفن محلّہ نیازیان امروہہ کے قبرستان میں ہے۔ (فیضان نسیم، ص:۲۸۲،۲۸۳)

○❖○

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ

سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری کی ولادت باسعادت ۱۲/اگست ۱۹۴۴ء کو مظفر نگر کے مشہور قصبہ ''منصور پور'' میں سادات کے ایک معزز اور زمین دار گھرانے میں ہوئی، آپ کے والد ماجد نواب محمد عیسی صاحب متمول اور زمین دار ہونے کے ساتھ ساتھ صالح، متقی اور حددرجہ پابند شریعت تھے۔

آپ نے قرآن کریم حفظ اپنے والد محترم کے پاس کیا، بعدہ فارسی تا دورہ حدیث کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، ۱۹۶۵ء میں دروہ حدیث میں اول پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں دیگر فنون کی تکمیل کی، شیخ القراء قاری حفظ الرحمان صاحبؒ سے تجوید وقراءت سبعہ کا علم حاصل کیا، ادیب زماں مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ سے عربی زبان وادب میں کمال حاصل کیا، فراغت کے بعد پانچ سال جامعہ قاسمیہ گیا (بہار) اور ۱۹۷۱ء سے تقریباً گیارہ سال تک جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں بحیثیت مدرس خدمت انجام دی، ۱۹۸۲ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا، اس وقت سے لے کر اب تک درس وتدریس کے ساتھ مختلف انتظامی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، برسہا برس سے ہفتم، دورہ حدیث اور عربی ادب کی مختلف اور اہم کتابیں زیر درس ہیں، ۱۹۸۶ء میں آپ کو تحفظ ختم نبوت کا ناظم مقرر کیا گیا، جس پر تادم واپسیں فائز رہے، ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۶ء دارالعلوم دیوبند میں ناظم دارالاقامہ بھی رہے، ۱۹۹۷ء تا

۲۰۰۸ء نیابت اہتمام کے پر وقار عہدہ پر فائز رہتے ہوئے نمایاں خدمات انجام دیں، دارالعلوم دیوبند میں جب سے محاضرات کا سلسلہ شروع ہوا، اس وقت سے اس شعبہ کے ناظم بھی ہیں۔ انجمن النادی کے ذمہ دار اعلی ہونے کی حیثیت سے آپ کی خدمات قابل ستائش ہیں۔ ۲۰۰۸ء میں ملک کی سب سے بڑی تنظیم جمعیۃ علماء ہند کے صدر منتخب کیے گئے تادم اخیر اس عہدہ کو زینت بخشتے رہے، فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے آپ کو اجازت بیعت بھی حاصل تھی۔

حسن و جمال، فضل وکمال شرافت ونجابت، دیانت و امانت آپ کے خاص اوصاف تھے، طلبہ کے ساتھ ہمدردی، غمگساری، فریادرسی اور شفقت ومحبت آپ کا خصوصی امتیاز تھا، اصول پسندی آپ کا خاص وصف تھا، تقوی وطہارت کے ساتھ حسن تربیت اور نظم و نسق کی اعلی صلاحیت قدرت فیاض کی طرف سے آپ کو عطا ہوئی تھی اور دیگر بہت سی خصوصیات کے ساتھ، آپ کو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے داماد ہونے کا شرف حاصل تھا، آپ کا نکاح ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری، سابق مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مرادآباد شاہی وایڈیٹر ندائے شاہی حال استاذ دارالعلوم دیوبند اور مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری استاذ حدیث، ناظم تعلیمات وصدر مدرس جامعہ اسلامیہ عربیہ جامعہ مسجد امروہہ آپ کے لائق و فائق صاحبزادگان ہیں، جن کا شمار ملک کے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔ (مستفاد از: فیضان نسیم، ص: ۱۴۰، ڈائری دارالعلوم دیوبند اور مضمون مولانا تبریز عالم صاحب استاذ دارالعلوم حیدرآباد، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں دینی خدمات انجام دینے والی نامور شخصیات، مرتب مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری، شعبہ نشر واشاعت جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ)

○❖○

حضرت مولانا سید طاہر حسن امروہیؒ

حضرت مولانا طاہر حسن صاحب کی ولادت باسعادت ۱۹۲۵ء میں محلّہ چاہ ملا امان امروہہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حافظ زاہد حسن شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی

امداد اللہ فاروقی مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز تھے، حافظ صاحب مدرسہ اسلامیہ عربیہ دار العلوم (چلہ) امروہہ کے بانیوں میں سے تھے۔ مولانا سید اعجاز حسنینؒ کے اہتمام میں جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کے نائب مہتمم رہے۔ اپنی ذمہ داری باحسن وجوہ انجام دی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند سے اچھے روابط تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا کی جیل سے کئی مکتوب آپ کے نام ارسال کئے ہیں، جو مقالاتِ فریدی جلد اول میں شامل ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جب امروہہ تشریف لاتے تو آپ کے یہاں قیام ہوتا۔ مولانا مدنیؒ سے آپ کی خط و کتابت بھی ہوتی تھی۔ مالٹا جیل سے آئے ہوئے کئی خطوط آپ کے نام ہیں، جو مکتوبات شیخ الاسلام میں شامل ہیں۔ آپ سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کے رفیق سفر ہوا کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے تقریباً تمام اکابر علماء سے تعلق تھا۔

حضرت مولانا طاہر حسنؒ نے ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جہاں علوم دینیہ کا چرچا رہتا تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر سے شروع ہوکر مدرسہ اسلامیہ عربیہ چلہ میں حفظ قرآن سے ''شرح جامی'' تک ہوئی۔ بقیہ علوم کی تحصیل و تکمیل کے لیے از ہر ہند دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر تمام علوم متداولہ کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے خصوصی اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہیؒ تھے اور قاری حفظ الرحمٰن پرتاپ گڑھیؒ سے تجوید بھی پڑھی۔

فراغت کے بعد اکابر کی منشا کے مطابق درس و تدریس کا آغاز مدرسہ نور محمدیہ جھنجھانہ، مدرسہ اسلامیہ دھامپور میں کیا نیز جامعہ اشرفیہ تھانہ بھون کے بھی شیخ الحدیث رہے اور مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں کئی سال تک درس دیا۔ اور وہاں شیخ الحدیث کی مسند پر رونق افروز رہے۔ بعدہٗ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں ۱۹۷۰ء میں تشریف لائے اور شروع سے بخاری شریف کا درس دینے لگے، یہاں بھی شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر جلوہ فرما رہے۔

آپ کے برادرِ اکبر مولانا سید حامد حسنؒ (متوفی شوال ۱۴۲۴ھ) کو جامعہ کے پہلے نائب مہتمم پھر اہتمام کی ذمہ داری سپرد ہوئی تو جامعہ کو بام عروج پر پہنچا دیا اور آپ کے برادر زادہ مولانا محمد قاسمؒ کے اہتمام میں جامعہ ترقی کی طرف رواں دواں رہا۔ مولانا محمد قاسمؒ کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید محمد طارق منصب اہتمام پر فائز ہیں۔

مولانا کو درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق و شوق تھا۔ آپ نے اپنے استاذ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے درس ترمذی کے افادات کو ''معارف مدنیہ'' کے نام سے چودہ جلدوں میں مرتب کیا جو کہ عربی مدارس کے طلباء و علماء میں مقبولیت کا درجہ رکھتی ہے، اس کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح میں ''پیغمبر اعظم'' لکھی۔ عقائد میں ''مواہب قدسیہ'' تالیف کی۔ نیز ایک کتابچہ مسائل طہارت میں بھی لکھا اور حضرت مولانا مدنیؒ کے بارے میں ایک مضمون ماہنامہ ''الحرم'' مدنی نمبر میرٹھ میں تحریر کیا۔ سلوک و معرفت میں حضرت مدنیؒ سے بیعت تھے۔ حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔

مولانا میں ایک خاص وصف تھا جو خال خال نظر آتا ہے وہ یہ کہ اصاغر کی حوصلہ افزائی، ان کی ہمت کو بڑھانا، آپ ایک متواضع، ملنسار، منکسر المزاج اور بلند اخلاق کے حامل تھے اور اکرام ضیف بدرجہ اتم موجود تھا۔

اس گنجینۂ علم و عمل کا ۲۵-۲۴/ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ کی درمیانی شب میں وصال ہو گیا۔ ۲۵/ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۲/ اگست ۲۰۰۴ء بروز جمعرات اپنے آبائی قبرستان واقع اتراسی روڈ میں تدفین ہوئی۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

○❖○

حضرت مولانا منظور احمدؒ

امروہہ تحصیل کے مضافات میں ڈھکیہ چمن ایک مشہور و معروف گاؤں ہے، محل وقوع کے اعتبار سے دہلی مراد آباد ہائی وے پر واقع ہے، یہ قریہ کبھی حضرت مولانا مفتی نسیم

احمد فریدی امروہیؒ کے اجداد کی جاگیر میں رہا ہے۔ اسی میں بیسویں صدی کے ۱۹۲۱ء میں مولانا منظور احمد صاحب کی ولادت ہوئی۔ سن شعور کو پہونچے تو کھیّا پتی کے پرائمری اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ پرائمری اسکول میں درجہ چہارم تک منشی عبدالحمید صاحب اور ماسٹر پیمن سنگھ سے پڑھا، اس زمانہ میں صرف درجہ چہارم ہی ہوا کرتا تھا، اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، اس کے بعد علوم مشرقیہ کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا تو مولانا حکیم مشتاق احمدؒ کے مدرسہ فرقانیہ مراد آباد میں داخلہ لے کر مولانا علی حسین بلال پتیؒ اور مولانا منہاج الحق سنبھلیؒ سے ابتدائی صرف ونحو پڑھی، میزان، نحومیر، پنج گنج، شرح مائۃ عامل وغیرہ پڑھ کر مدرسہ قادریہ حسن پور (یہاں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مولانا ولی احمد صاحب پشاوریؒ پڑھایا کرتے تھے) داخلہ لیا۔

مدرسہ قادریہ میں ہدایۃ النحو اور کافیہ دو سال میں مکمل کر کے بقیہ علوم کی تحصیل و تکمیل کے لئے جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں اپنی علمی تشنگی کو سیراب کرنے کے لئے داخل ہوئے، شرح جامی سے لے کر دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۶۶ھ میں سند فراغ حاصل کی۔ امروہہ میں جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ، مولانا سید رضا حسن امروہیؒ، مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ، مولانا عبدالقدوس صدیقیؒ، مولانا سید اعجاز حسنین امروہیؒ، مولانا انوار الحق عباسی امروہیؒ، مولانا خلیل الرحمٰن مرادآبادیؒ، مولانا حاجی محمد طاسین پاکستانیؒ، مولانا محمد ابراہیم ترکیؒ تھے اور قرأت کی مشق قاری عزیز الحق عباسی امروہیؒ سے کی اور ساتھ ہی فوائد مکیہ، جمال القرآن بھی پڑھی اور تجوید کی سند بھی ملی۔

فراغت کے بعد اکابر کی منشا کے مطابق درس وتدریس کا آغاز جامعہ ہٰذا سے ہوا، جو آخری وقت تک جاری رہا۔ ہر چھوٹی بڑی کتاب زیر درس رہی۔ بڑی خوش دلی اور پورے انشراح کے ساتھ ہر کتاب کا درس دیا کرتے تھے۔ کبھی بھی پیشانی پر اس کا اثر نہیں ہوا کہ ابتدائی کتابیں کیوں دی۔ نہ کبھی حرف شکایت زبان پر آیا۔

درس کے وقت نہایت بشاشت رہتی تھی۔ اللہ اللہ آپ کے درس کا کیا نقشہ پیش

کروں۔بس گذشتہ اکابر کا طریقۂ درس تھا۔طلباء پر بڑے شفیق و مہربان جیسا کہ والدین اپنی اولاد پر ہوتے ہیں۔

میزان سے لے کر دورۂ حدیث تک کی کتابوں کا درس دیا، خصوصاً شرح جامی، ہدایہ اولین، جلالین شریف ثانی، مشکوٰۃ شریف ثانی اور نسائی شریف ہمیشہ زیر درس رہیں۔ صرف ونحو اور فرائض میں تو یکتا تھے۔طلباء کو فرائض سکھانے اور سراجی پڑھانے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔کافی طلباء کامیاب ہوئے۔جس نے بھی آپ کے طریقے کو اختیار کیا وہ کامیاب رہا۔درس کا سلسلہ عمر کے ۶۶ سال تک جاری رہا۔جامعہ کے مالیہ کی فراہمی کے لئے مولانا محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں طویل اور کامیاب سفر ہوا کرتا تھا۔

مولاناؒ ایک بزرگ، فرشتہ صفت، نیک سیرت خصلتوں کے حامل تھے، اللہ نے ان کی ذات والا صفات کو خوبیوں کا مرقع بنایا تھا، آپ کے اندر بعض ایسی خصوصیات تھیں جو بہت کم پائی جاتی ہیں، مثلاً صبر واستقامت، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وتقدس کی تصویر تھے۔ سادگی اور تواضع میں سلف کا نمونہ تھے۔

مولاناؒ کی بڑی خوبی یہ تھی کہ اظہار رائے میں جری تھے۔جس کو حق سمجھتے تھے اس کی بھرپور حمایت ونصرت کرتے تھے، کبھی بھی رائے دینے میں مرعوب نہیں ہوئے، آپ کی رائے کو ہر بڑا چھوٹا ماننے کو تیار ہو جاتا تھا۔

آپ کی بے نیازی استغنا اور قناعت کے متعلق کیا لکھوں۔قلم میں طاقت اور میرے پاس الفاظ نہیں۔اقبال کے اس شعر کے پورے مصداق تھے۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے   خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

مولاناؒ نماز کے بڑے پابند تھے۔عنفوان شباب سے لے کر بستر مرگ پر بھی نماز قضاء نہ ہوئی اور ''وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ'' پر مکمل کاربند تھے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو   کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

آپ کے اوصاف وکمالات ایک ایک یاد آتے ہیں،، علم دین کی اشاعت، خلق خدا کی خدمت، عبادت وریاضت، تقویٰ ودیانت، مہمان نوازی، بڑوں کا اکرام واحترام،

خوردوں پر رحمت و رافت، خوف وخشیت، خلوص وللّٰہیت، متواضعانہ زندگی، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی شخصیت اسلاف کا کامل نمونہ تھی۔

آپ کا رشتۂ مناکحت جن سے ہوا وہ ایک عابدہ، زاہدہ عبادت گزار خاتون تھیں مولانا مقبول حسین اکاویؒ کی صاحبزادی اور مولانا عبدالقادرؒ مونڈھا ائمہ کی نواسی تھیں۔ مولانا عبدالقادرؒ جس طرح اپنے علاقے میں پہلے عالم تھے اسی طرح مولاناؒ بھی اپنے گاؤں ڈھکیہ میں پہلے عالم تھے۔ مولانا عبدالقادرؒ کی وجہ سے علاقے میں شرک و بدعت میں کمی آئی، اسی طرح آپ کی کوششوں سے بھی کافی اصلاح ہوئی۔ بہت سے دینی مدارس و مکاتب کا ایک سلسلہ قائم ہوا۔ جس کی وجہ سے دینی شعور بیدار ہوا اور عالم، حافظ، قاری وجود میں آئے۔ سلوک و معرفت میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے اور ۱۳۹۶ھ میں حج وزیارت سے بھی مشرف ہوئے۔

ضعف ونقاہت کے باوجود چہرے کی شادابی اطمینان بخش تھی؛ لیکن ’’ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ. ‘‘ کا خدائی فیصلہ اٹل ہے، جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہی فیصلہ آپ کے لئے بھی صادر ہوا۔ ۶/۷/ شعبان ۱۴۲۸ھ موافق ۲۰/ اگست ۲۰۰۷ء کی شب کو ۸ بجکر ۱۵ منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ امروہہ اور علاقہ میں کہرام برپا ہوگیا۔

وصیت کے مطابق غسل مولانا محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہم نے دلایا، جو کہ آپ کے شاگرد عزیز اور سفر وحضر کے رفیق جاں نثار رہے۔ نماز جنازہ مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے پڑھائی۔

نماز میں علاوہ امروہہ اور قرب وجوار کے مرادآباد، حسن پور، سنبھل، اوجھاری، ڈھکہ وغیرہ کے حضرات نے شرکت کی۔ جس میں عوام کے علاوہ علماء کافی تعداد میں تھے۔ دفن میں ایک جم غفیر تھا، اس سے پہلے ڈھکیہ میں اتنا بڑا مجمع کبھی نہیں ہوا اور گاؤں کے قبرستان میں اس گنجینہ علم وعمل کو ۷/ شعبان ۱۴۲۸ھ موافق ۲۱/ اگست ۲۰۰۷ء کو ہمیشہ کے

لئے سپرد رحمت کردیا گیا۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

○❖○

محدث جلیل حضرت شیخ شبیہ احمد فیض آبادیؒ

حضرت مولانا شبیہ احمد فیض آبادیؒ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور تربیت یافتہ متقی اور پرہیزگار بزرگ اور علوم شرعیہ بالخصوص فن حدیث کے ماہر عالم دین تھے، دارالعلوم کے زمانہ طالب علمی سے آپ کو شیخ الاسلامؒ سے خصوصی تعلق رہا؛ آپ کا رشتہ صرف رسمی شاگرد اور استاذ کا نہیں تھا؛ بلکہ حضرت شیخ الاسلام سے آپ کے قریبی تعلقات تھے؛ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ آپ ''خانوادہ مدنی'' کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔

حضرت مولانا شبیہ احمد خان صاحب کی ولادت باسعادت موضع برونا (BAROONA) پوسٹ کچھوچھہ، سابق ضلع فیض آباد اور حال ضلع امبیڈکرنگر میں ہوئی۔ آپ کے والد صاحب بڑے زمین دار تھے، کئی گاؤں میں آپ کی زمینیں پھیلی ہوئی تھیں، جیسے برونا، پریتم پور اور رسول پور وغیرہ اور آپ کے خاندان میں اعلی عصری تعلیم پائی جاتی تھی، آپ بھی خاندانی روایت کے مطابق عصری تعلیم حاصل کررہے تھے؛ لیکن طبیعت میں بچپن سے ہی شرافت اور نجابت کے ساتھ علماء اور اسلامی علوم کی طرف میلان تھا؛ چنانچہ آپ رمضان شریف میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی مجالس میں شرکت کے لیے حضرت کے گاؤں ٹانڈہ حاضری دیا کرتے تھے اور ان مجالس اور شیخ الاسلام کی صحبت کی برکت سے مڈل پاس کرنے کے بعد آپ نے دینی علوم حاصل کرنے کا مکمل عزم کرلیا اور اس کا اظہار حضرت شیخ الاسلام کے سامنے بھی کردیا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے آپ کو دیوبند طلب فرمالیا اور پھر آپؒ کی سرپرستی اور نگرانی میں آپ نے تقریباً سولہ (۱۶) سال تک تمام علوم متداولہ حاصل کیے، جب کہ

حضرت مولانا شبیہ احمد خان صاحب کے والد بزرگوار آپ کے اس فیصلہ سے ناراض تھے؛ کیوں کہ دینی تعلیم حاصل کرنے کا خاندان میں رواج نہیں تھا۔

۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی، دیگر علوم وفنون کی تکمیل کے بعد آپ کا تقرر جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں ہوا، ترقی کرتے ہوئے آپ نے یہاں شیخ الحدیث پھر صدرالمدرسین کے منصب جلیلہ کو زینت بخشی، رسوخ فی العلم کے ساتھ ساتھ سادگی، زہد فی الدنیا اور اتباع سنت وشریعت میں اپنی نظیر آپ تھے، آپ کی پیشانی مبارک سے ورع وتقوی کی کرنیں پھوٹتی تھیں، اساتذہ، طلبہ اور انتظامیہ سب پر آپ کا رعب یکساں رہتا تھا، آپ نے ایک طرف پوری زندگی تعلیم وتدریس میں گزار دی اور بے شمار تشنگان علوم کو فیضان نبوت سے سرفراز کیا، تقریباً بیالیس سال جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، آپ وقت کے بڑے پابند تھے، اگر کبھی تاخیر ہو جاتی تو منٹ کے ساتھ اسے نوٹ کر لیتے اور مہینہ کے آخر میں وہ تحریر دے کر فرماتے کہ اس کے حساب سے تنخواہ کاٹ لی جائے۔

دوسری طرف سینکڑوں سالکین معرفت کو رشد وہدایت کی رہنمائی بھی فرمائی، آپ فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے اجل خلفاء میں تھے، پہلے شیخ الاسلامؒ سے بیعت تھے، آپؒ کے انتقال کے بعد فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ حج وعمرہ سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، ہر سال آپ اس عبادت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کرتے تھے، آپ لاولد تھے، بہن بھائیوں کے بچوں کے ساتھ اولاد جیسا معاملہ کرتے تھے۔ امروہہ میں آپ نے مدرسہ رشیدیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا تھا جو بحمد للہ بہتر خدمات انجام دے رہا ہے۔

اخیر عمر میں آپ کو کینسر کا مرض لاحق ہو گیا تھا، اس مہلک مرض میں آپ ۷۷ سال کی قابل رشک زندگی گزار کر ۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۵/ جون ۲۰۰۱ء کو اپنے وطن فیض آباد میں ربّ حقیقی سے جا ملے۔ (مستفاد از: مضمون حضرت مولانا اسماعیل صاحبؒ ونامور شخصیات، مرتب مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری)

حضرت مولانا اسماعیل صاحب جویاویؒ

مولانا اسماعیل بن کفایت اللہ صاحبؒ (ولادت: ۱۹۳۰ء) آپ موضع جویا تحصیل امروہہ، ضلع مرادآباد (حال ضلع امروہہ) کے رہنے والے ہیں، سب سے پہلے مدرسہ دارالعلوم چلہ امروہہ میں ایک سال بغرض تعلیم رہے، پھر مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں تقریباً ایک سال رہے، بعدہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا اور یہاں ہدایہ اولین پڑھ کر مرکز علوم دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، مشکاۃ شریف اور جلالین شریف پڑھنے کے بعد دورہ حدیث میں شامل ہوئے، ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی، بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ سے پڑھی، آپ حضرت مدنیؒ کے آخری سال کے شاگرد ہیں، اب تا حال مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس عربی ہیں (بلکہ اخیر عمر میں آپ نائب مہتمم کے عہدہ پر فائز تھے۔) آپ کے دارالعلوم کے ساتھیوں میں مولانا شبیہ احمد خان صاحب مدظلہ العالی (رحمہ اللہ) فیض آبادی (سابق) صدر مدرس جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ ہیں۔ (فیضان نسیم، ص: ۱۹۷، ۱۹۸)

حضرت رحمہ اللہ ۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۷/ جون ۲۰۲۲ء بروز پیر صبح تقریباً نو بجے ۹۵ سالہ طویل، عبادت سے معمور اور قابل رشک زندگی گزار کر رب رحمٰن ورحیم کی جوار میں پہنچ گئے۔

○❖○

حضرت مولانا محمد اکمل صاحبؒ

مولانا قاری محمد اکمل بن حاجی شبیر حسن صاحب ساکن مونڈھا ائمہ، ابتداً مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں حفظ قرآن پاک کیا اور مدرسہ چلہ میں عربی فارسی درسیات کی تحصیل کی، بعد میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں درس نظامی کی بعض کتب کے ساتھ قاری عبد اللہ صاحب سے سبعہ عشرہ تک فن قراءت کی تحصیل کی اور دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۴۵ء میں

درس نظامی سے فراغت پائی، نیز مولوی حکیم محمد اسماعیل عباسی امروہی سے قانونچہ وشرح اسباب تک فن طب کی کتابیں پڑھیں، چندیانہ، بارہ بستی، دھام پور اور مدرسہ چلہ امروہہ وغیرہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعدہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں تاحیات مدرس رہے، نیک سیرت وسادہ مزاج بزرگ تھے، مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری سے شرف بیعت حاصل تھی۔ ۱۹۴۷ء سے مستقل امروہہ میں قیام تھا، نئی بستی، محلہ بٹوال میں ایک قطعہ اراضی خرید کر مکان تعمیر کیا ہے، اخلاف میں تین فرزند مولوی مختار احمد (دار العلوم دیوبند کے فارغ طبیب ہیں) بدر عالم (اٹارسی میں انجینئر ہیں) اور محمد ناظم ہیں۔ (تذکرہ علماء امروہہ، ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی، اشاعت ۲۰۰۳ء/۱۴۲۳ھ، ص: ۲۱۵، ۲۱۶)

مولانا محمد اکمل صاحب کے تین نہیں؛ بلکہ چار فرزند ہیں اور چوتھے ڈاکٹر قمر عالم ہیں، جیسا کہ مولانا محبّ الحقؒ نے اسی کتاب کے حاشیہ پر اپنے قلم سے تصحیح فرمائی ہے۔

❑❑❑

تیسری فصل

استاذ مربی شیخ حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ

سوانحی خاکہ

امروہہ شمالی ہندوستان کی ایک مردم خیز بستی ہے جس کو بڑے بڑے علماء فضلاء، صوفیاء، اولیاء، شعراء، اور صاحبانِ علوم وفنون کا مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس شہر کو یہ بھی امتیاز ہے کہ یہاں تقریباً تمام مروّجہ سلاسل طریقت کے مشائخ نے اپنے اپنے عہد میں چشمہ ہائے فیوض وہدایت سے مخلوق کو سیراب کیا ہے۔ یہاں ہر دور میں بڑے بڑے باکمال علماء ہوئے اور بعض خاندانوں کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ اس میں نسلاً بعد نسلٍ بڑے بڑے ذی علم اور حاذق اطباء پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے خدمت خلق کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ فنِ شاعری میں بھی امروہہ نے کافی نام پیدا کیا۔ شمالی ہندوستان کے مثنوی گوشاعر اسماعیل امروہوی اور صاحب دواوین شاعر مصحفی امروہوی کے وطن ہونے کا شرف بھی امروہہ کو حاصل ہے۔ یہاں ہر دور میں باکمال شاعر پیدا ہوتے رہے ہیں، چودہویں صدی کے انتیسویں سال ۱۳۲۹ھ موافق ۱۹۱۱ء میں اللہ نے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی کے وجود باجود سے اس خطہ خاک کو شرفِ تقدس بخشا۔

مولانا فریدیؒ جامع کمالات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نہایت متقی، عبادت گزار، نیک طینت، درویش صفت عالم تھے۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر تصنیف وتالیف، ادب اور شاعری میں بڑا کمال حاصل تھا۔

مولانا فریدیؒ ۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ موافق ۶/ستمبر ۱۹۱۱ء کو امروہہ میں متولد ہوئے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے واسطے سے امیر

المومنین سیدنا عمر بن خطاب فاروق اعظمؓ خلیفہ ثانی تک پہنچتا ہے۔ (مکتوبات مشاہیر، مولفہ مولانا محبّ الحقؒ) آپ کی والدہ ماجدہ روہیل کھنڈ کے مشہور بزرگ مخدوم ابوالفتح حضرت سید عبداللہ معروف بہ شاہ ابّن بدرچشت کرمانی الامروہویؒ کی اولاد میں سے تھیں، جن کا سلسلہ نسب بواسطۂ حضرت علی رضاؒ جگر گوشۂ رسول شہید کربلا حضرت حسینؓ تک پہنچتا ہے۔ (حیات فریدی، مولفہ مولانا محبّ الحقؒ)

مولانا فریدیؒ نے ایک ایسے علمی و دینی گھرانے میں آنکھیں کھولیں، جس میں علم وفضل اور فقر و دین کی کئی پشتوں تک مسلسل اور مربوط روایات ملتی ہیں۔ آپ کے یہاں پرانی قدروں کا اہتمام اور مشرقی تہذیب کا احترام تھا۔ آپ دل و دماغ کی نادر خوبیوں سے آراستہ، فراخ دل اور علم دوست تھے۔ مولانا فریدیؒ شروع ہی سے ذہین و ذکی اور علم کے شوقین تھے۔ اللہ نے علم و قلم کا عمدہ سلیقہ بچپن سے ودیعت کیا تھا؛ بلکہ تصنیف و تالیف اور تحقیق و تنقید کا ذوق آپ کے خاندان اور خاندان کی دیگر شاخوں میں بہت پہلے سے چلا آرہا تھا، اگر شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندیؒ اور ان کے خانوادہ کو، نیز صاحب ''شمس بازغہ'' ملا محمود فاروقی جون پوریؒ، صاحبِ ''شرح سلم العلوم'' قاضی مبارک فاروقی گوپامویؒ، حضرت مولانا حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر مکیؒ، شیخ محمد فاروقی محدث چشتی تھانویؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات و تالیفات کو بھی شامل کرلیا جائے تو دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا اور مزید اوپر جاکر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خانوادہ کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو یہ دائرہ وسیع تر ہو جائے گا، اس سے قطع نظر کرتے ہوئے مولانا فریدیؒ اور ان کے خاندان کی خدمات کی طرف لوٹتا ہوں۔

مولانا فریدیؒ کے دادا کے برادر معظم مولوی ارشاد علی فاروقی مرحوم نے متعدد کتابیں تصنیف کیں خصوصاً ''بشیر المدائح، بشیر النصائح، بشیر الانشاء، مصدر ارشاد اور انشاء ارشاد'' مشہور و معروف ہیں اور یہ تمام کتابیں اس زمانے میں مدارس میں داخل نصاب تھیں، بعد کی کڑیوں میں آپ کے خواہر زادے پروفیسر خلیق احمد فاروقی نظامی مرحوم سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و سفیر شام اور برادر زادے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی

مرحوم سابق صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی دہلی برِصغیر کے مایہ ناز صاحب قلم اور ادیب تھے۔

آپ نے سب سے پہلے قرآن شریف ناظرہ حافظ قاری رئیس احمد امروہی ثم پاکستانی (متوفی ۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۴؍جون ۱۹۸۳ء) سے پڑھا۔ (حیات فریدی) پھر پرائمری اسکول سے جونیئر اسکول تک ہندی اور انگریزی میں مڈل کا امتحان پاس کیا، آپ کو علوم مشرقیہ سے گہری دل چسپی تھی؛ اس لیے آپ نے منشی، منشی کامل، مولوی، فاضل اور اعلی قابلیت کے امتحانات امتیاز کے ساتھ کامیاب کیے، پھر عربی شروع کی اور جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں حضرت مولانا سید رضا حسنؒ، حضرت مولانا حافظ عبد الرحمانؒ مفسر امروہی وغیرہ علماء سے جلالین شریف اور مشکاۃ شریف تک تعلیم حاصل کر کے مزید تکمیل کے لیے دار العلوم دیوبند میں داخل ہو کر سند فراغت حاصل کی۔

دار العلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی سہول بھاگل پوریؒ، حضرت مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ اور حضرت مولانا مفتی شفیعؒ آپ کے اساتذہ تھے، آپ نے لاہور جا کر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے تفسیر کی سند حاصل کی۔

فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، پہلے مدرسہ اشفاقیہ بریلی میں دو سال تک بخاری شریف کا درس دیا، پھر اپنی مادر علمی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں بحیثیت مدرس و مفتی علمی خدمات انجام دیں اور تاحیات اسی درس گاہ سے وابستہ رہے۔

آپ کو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ، حضرت مولانا فتح محمد میواتیؒ اور حضرت حافظ مقبول حسن صاحب سے بلا طلب اجازت بیعت اور خلافت حاصل تھی۔

آپ ایک جید عالم اور مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب طرز ادیب اور باکمال شاعر بھی تھے۔ آپ نے پچاس سال سے زائد عرصے تک برصغیر کے مختلف موقر رسالوں میں علمی و تحقیقی مضامین لکھے (مکتوبات مشاہیر، ص:۲۱، ۲۲) آپ ایک درجن سے زائد

کتابوں کے مصنف ہیں۔

مولانا فریدیؒ کی پوری زندگی علم وقلم اور درس وتدریس کے لیے وقف تھی، وفات تک آپ کا قلم جاری وساری رہا اور آپ کی تمام کتابوں نے اپنی افادیت کے لحاظ سے شہرت دوام حاصل کی ہے۔

اس خادم دین وملت نے ۵؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ موافق ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۸ء کو منگل کے دن اس دار فانی سے الوداع کہا۔

❍❖❍

حضرت فریدیؒ کی بارگاہ میں

حضرت مولانا محب الحقؒ نے جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں جس دن سے تعلیم کا آغاز فرمایا، اسی روز سے حضرت مفتی صاحبؒ سے آپ وابستہ ہوگئے اور یہ تعلق دن بدن مزید گہرا ہوتا گیا، جیسے حضرتؒ نے خود اپنی کتاب ''فیضان نسیم'' میں تحریر فرمایا ہے:

> ''۱۹۶۷ء میں ہم وطن ساتھیوں کے ہمراہ علم کی تلاش میں امروہہ کے لیے رخت سفر باندھا، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا، اس وقت اس درس گاہ میں مایہ ناز علماء علم کے دریا بہا رہے تھے، دارالحدیث سے جنوب کی درسگاہ میں دیوار سے کمر لگائے ہوئے ایک درویش صفت بزرگ نگاہیں نیچی کیے ہوئے درس دے رہے تھے، یہ تھے نابغۂ عصر بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ، جن کے علم کا شہرہ ہندو بیرون ہند تھا، اس احقر کی بھی ایک کتاب کا سبق آپ کے یہاں تھا۔ کتاب لے کر حاضر ہوا اور اپنی دیہاتی زبان میں سلام کیا۔ بعدِ جوابِ سلام، فرمایا: ''سلام ٹھیک کرو'' پھر خود ہی دو تین مرتبہ کہلوایا ''السلام علیکم'' بعدہ نام معلوم کیا، اس کے بعد برابر اپنے الطاف بے پایاں سے نوازتے رہے۔ ۱۹۷۳ء میں درس نظامی سے فراغت کے بعد احقر سے فرمایا: ''تمہیں

امروہہ سے جانا نہیں ہے، ہمارے ساتھ رہنا ہے" اس دن سے آخر تک آپ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ ور رہا، آپ نے احقر کو اپنی اولاد کی طرح رکھا اور اس قرب کی انتہاء یہ ہے کہ اپنے انہیں ہاتھوں سے آپ کی ابدی آرام گاہ تک لیجا کر لٹا دیا۔" (افتتاحیہ، فیضان نسیم)

تمہیں امروہہ سے جانا نہیں ہے

غریب والدین نے معاشی بحران کے باوجود حضرت مولانا محبّ الحقؒ کو سالہا سال تک علوم شرعیہ حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا؛ لہٰذا فراغت کے بعد آپ کی ذمہ داری تھی کہ اب والدین کے ناتواں کاندھوں کا سہارا بنتے، ان کی معاشی پریشانیوں کو کم کرنے میں ان کا تعاون کرتے؛ لیکن فراغت کے فوراً بعد حضرت مفتی صاحب کی طرف سے آپ کے لئے یہ حکم صادر ہوا کہ تمہیں امروہہ سے جانا نہیں ہے، اور یہاں آپ کے پاس سوائے ایک مسجد کی امامت کے کوئی دوسرا ذریعۂ معاش نہ تھا؛ مگر مولاناؒ نے اپنے شفیق و مربی استاذ کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھا اور اپنے ارادے میں ٹس سے مس نہ ہوئے، اخیر لمحہ تک حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس رہے؛ حتی کہ اس قرب کی وجہ سے جب حضرت مفتی صاحبؒ کے جنازے کو قبر میں اتارنے والوں کے درمیان اختلاف ہوا، تو جناب نثار احمد فاروقی نے یہ اعلان کیا کہ ہم وارثین ہیں، یہ حق ہمیں ہے؛ لیکن ہم اپنا یہ حق مولانا محبّ الحق صاحب، مولانا حکیم عطاء الرحمٰن صاحب، بھائی نفیس صاحب اور احسن امیر صاحب کو دیتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو والد صاحب سے اتنا تعلق تھا کہ ہمارے خاندان کے تمام افراد؛ بلکہ بستی کے بھی بہت سے لوگوں کی خبر نام کی تعیین کے ساتھ لیتے، ہمارے خاندان کے تمام افراد کے نام حضرت مفتی صاحب کو معلوم تھے، بالترتیب ہم چاروں بھائی (رضوان الحق محمودی، ضیاء الحق شاداں، امداد الحق بختیار اور خواجہ احترام الحق) کے نام بھی حضرت مفتی صاحب نے رکھے ہیں اور سب تاریخی نام ہیں، فجزاه الله خير ما يجزى عباده الصالحين۔

فیضانِ نسیم میں ایک جگہ والد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"احقر کو آپ سے (۲۱) سال تک قریبی تعلق رہا، آپ اپنے اخلاق

کریمانہ سے ہمیشہ نوازتے رہے‘‘۔

نیز لکھتے ہیں:

’’احقر جب اپنے والد کے انتقال کی خبر پر گھر جانے لگا، تو رات کے تقریباً (۱۰) بجے سخت سردی کے موسم میں امروہہ اسٹیشن تک پہنچانے کے لیے (حضرت مفتی صاحبؒ) پیدل تشریف لے گئے، حالانکہ میں منع کرتا رہا؛ لیکن آپ نے فرمایا: مجھے تو تمہارے گھر جانا تھا۔ والدہ ماجدہ کی تسلی کے لیے ایک تعزیتی گرامی نامہ خود اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا، جس کے چند الفاظ یہ ہیں:

والدہ میاں محبّ الحق سلام مسنون!

بھائی محمد حنیف صاحب کے انتقال سے بہت زیادہ صدمہ ہوا، آپ کو جو صدمہ ہوا، وہ ہونا چاہیے؛ مگر صبر کے سوا چارہ نہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!‘‘

مولانا محبّ الحقؒ کو اپنے استاذ سے کیسی محبت اور کیسا لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے جب اپنی مسجد میں ایک مکتب قائم کیا تو اپنے مشفق استاذ مفتی صاحبؒ کے نام پر اس مکتب کا نام ’’نسیم العلوم‘‘ رکھا، نیز جب وطن میں آپ کا گھر تیار ہوگیا، تو اسے بھی حضرت مفتی صاحبؒ کی طرف ہی منسوب کیا اور اس پر ’’فریدی منزل‘‘ کی تختی لگائی اور مفتی صاحب کی وفات کے بعد ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اپنے سب سے چھوٹے صاحبزادے کا نام بھی مفتی صاحب کے نام پر ’’نسیم الحق‘‘ رکھا، اسی طرح انار والی مسجد محلّہ سرائے کہنہ امروہہ میں ان کے نام سے ’’فریدی اکیڈمی‘‘ بھی قائم کی۔

یہ نمونہ کے طور پر چند باتیں پیش کی ہیں، جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ اور ہمارے گھرانے کے درمیان کتنا قریبی تعلق تھا اور والد صاحب نے تو اپنی پوری زندگی حضرت مفتی صاحب کے مشن کو فروغ دینے کے لئے وقف کردی، اخیر وقت میں والد صاحب کو ’’حیات فریدی‘‘ اور دیگر کتابوں کی ترتیب واشاعت کی فکر

دامن گیر تھی، مرض الوفات میں بارہا ان کتابوں کا تذکرہ فرمایا: ''حیات فریدی'' کے حوالے سے اتنے متفکر تھے کہ علالت کے زمانے میں جب کہ ہاسپٹل میں داخل تھے، مجھ سے ایک کتاب کا نام لے کر فرمایا کہ وہ منگوا دو، اس میں سے کچھ چیزیں ''حیات فریدی'' کے لئے نقل کروادوں گا؛ لیکن ہم نے آپ کی بیماری کی وجہ سے اسے مناسب نہیں سمجھا، چونکہ معالج نے سختی سے منع کر رکھا تھا؛ مگر کیا معلوم تھا کہ یہ ''گوہر نایاب'' کچھ دنوں بعد ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو جائے گا۔

استاذ وشاگرد کے مابین بے نظیر تعلق معاصرین کی نگاہ میں

حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ اپنے شاگرد اور خادم کے ساتھ جس محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے تھے اور مولانا محبّ الحقؒ کو اپنے استاذ سے جو قربت، عقیدت، وارفتگی، شیفتگی اور فنائیت حاصل تھی، معاصرین نے استاذ اور شاگرد کے اس خوبصورت رشتہ کو مختلف الفاظ اور تشبیہات کے ساتھ بیان فرمایا ہے، کسی نے اس کو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے تعلق کے ساتھ تشبیہ دی ہے، کسی نے شیخ سعدی کے اس شعر سے تمثیل قائم کی ہے: ''جمال ہم نشیں در من اثر کرد''، کسی نے خواجہ نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو کے تعلق سے تشبیہ دی ہے، تو کسی نے اس کی مثال میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور ان کے خادم خاص مولانا بدر الدین اسحاق کے تعلق کو پیش کیا ہے۔

مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی ارقام کرتے ہیں:

''مولانا محبّ الحق صاحب (مرحوم)، حضرت (مفتی صاحب) مرحوم کے شاگردِ خاص ہیں (تھے)، جنھیں حضرتؒ نے اپنی اولاد کی طرح اپنے ساتھ رکھا اور اپنی خلوت وجلوت دونوں کا مشاہد بنا دیا، مولانا محبّ الحق صاحب بہار اسٹیٹ، دربھنگہ (موجودہ مدھوبنی) کے رہنے والے ہیں (تھے)، اگر انھیں مفتی صاحب کے پاس باپ جیسی شفقت وتربیت حاصل نہ ہوتی، تو یہ کبھی اپنی زندگی کا تمام حصہ مفتی صاحب کی خدمت میں نہ گزارتے۔

آنکھوں سے معذوری کے بعد مفتی صاحبؒ کے تحریری کاموں میں پڑھنے

اور لکھنے کی جو خدمت انھوں نے انجام دی، وہ ان کی صلاحیت تھی اور اسے میں مفتی صاحبؒ کی کرامت کہتا ہوں، خداوند تعالی نے اس درویش صفت عالم کی خدمت کے لیے مولانا محبّ الحق صاحب کی صورت میں امداد غیبی کا انتظام کیا تھا، جس طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ان کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ خدا کی غیبی امداد تھی، جنھیں حضرت امامؒ نے اپنی مالی اور تعلیمی دونوں قسم کی امدادوں سے نوازا اور پھر امام ابو یوسفؒ کے ذریعہ امام اعظمؒ کے فقہی تصورات نے بڑا فروغ پایا۔

میں نے تو مولانا کی معذوری کا دور امروہہ کی مسجد (جھنڈا شہید) میں فقر ودرویشی کی شان کے ساتھ دیکھا ہے اور مولانا محبّ الحق صاحب کی خدمت: پڑھنا اور لکھنا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مولانا فریدیؒ کے مقبول مسترشد ہونے کا یقین حاصل کیا ہے؛ کیوں کہ مولانا محبّ الحق صاحب جیسا بے لوث خادم خدا تعالیٰ کی خاص دین ہی ہوسکتا ہے، ورنہ موجودہ دور پر غرض پسندی کا غلبہ ہو چکا ہے، اخلاص نام کی کوئی چیز دور دور نظر نہیں آتی۔'' (مقالات فریدی جلد اول)

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا محبّ الحق صاحب مدھوبنی (بہار) ثم امروہی (ولادت ۱۹۴۸ء وفات ۲۰۱۳ء) جو محقق دوراں حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ امروہی کے سایہ اور گویا عصاء پیری بن کر تقریباً بیس سال رہے اور ان کی خوبیوں وکمالات سے حصۂ وافر پایا، ان کی زندگی حضرت سعدی شیرازیؒ کی ایک تمثیلی حکایت کا گویا آئینہ تھی، جس میں بتایا گیا ہے کہ گلستان کی ایک خوشبودار گِل (مٹی) سے کسی نے پوچھا کہ تجھ میں خوشبو کہاں سے آئی؟ تو اس نے جواب دیا: ''جمال ہم نشیں در من اثر کرد، ورنہ من ہماں خاکم کہ ہستم'' (ترجمہ: پاس رہنے والے کے اثر سے مجھ میں خوشبو آ گئی، ورنہ

میں تو وہی عام مٹی ہوں) مولانا محبّ الحق صاحب مرحوم کی پوری زندگی گویا اسی حقیقت کی عملی تفسیر ہے۔''

حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا نسیم احمد صاحب فریدی، عالم، فاضل، مترجم اور مصنف و محقق تھے؛ لیکن اس وادی کے مسافروں سے کئی طرح سے بہت مختلف اور منفرد تھے، نہ نام و نمود کی تلاش، نہ کسی صلہ کی پرواہ، نہ دنیا کی آسائشوں کی فکر اور نہ معاش اور پر سکون زندگی کے لیے وسائل کی جستجو۔ درویشی کا رنگ بہت گہرا اور پختہ تھا، علم و تصنیف کا اعلی درجہ کا ذوق، طبیعت و مزاج میں اس طرح رچا بسا ہوا تھا کہ کوئی چیز اور کوئی مشکل، مولانا فریدی کو اس منزل سے، اس راستہ سے جدا نہیں کرسکتی تھی۔ یہی تمام صفات اور رنگ و آہنگ مولانا محبّ الحق صاحب کا بھی ہوگیا تھا؛ کیوں کہ وہ اپنا تمام وقت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی کی خدمت میں گذراتے، مولانا کے سامنے بیٹھتے تھے، مولانا فریدی چوں کہ نابینا تھے؛ اس لیے نئی، پرانی کتابوں کے سنانے، حوالے اور اقتباسات نقل کرنے، حواشی اور تعلیقات کے لیے جستجو وغیرہ کا، اکثر کام مولانا محبّ الحق صاحب ہی کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کمالات میں، وہ مولانا فریدی کا مثنّٰی اور:

جمال ہم نشین در من اثر کرد

کا ایک صحیح مصداق ہوگئے تھے۔''

مولانا سالم جامعی رقمطراز ہیں:

''جامعہ اسلامیہ میں داخلہ کے بعد سے فراغت تک سب سے زیادہ تعلق حضرت مفتی صاحبؒ سے رہا۔ آپ ہی کے حکم پر مولانا مرحوم کا قیام تادمِ واپسیں امروہہ میں رہا، جہاں آپ نے حضرت مفتی صاحبؒ کے علوم و معارف کی ترتیب و تالیف کا فریضہ انجام دیا۔''

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا محبّ الحق صاحب کا معاملہ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ سے بالکل ایسا ہی تھا جیسے زبدۃ الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کا تھا، جیسا کہ امیر خسروؔ، سلطان الاولیاء محبوب الٰہی حضرت نظام الدین کے صرف شاگرد و مرید ہی نہیں تھے؛ بلکہ خلوت وجلوت کے ساتھی؛ بلکہ ہمہ وقتی خدمت گار تھے۔ اسی طرح مولانا محبّ الحق صاحبؒ بھی حضرت فریدیؒ کے شاگرد، مرید، خادم، خلوت وجلوت کے ساتھی، منشی، سفر وحضر میں ہم راہی سبھی کچھ تھے''۔

جناب جنید اکرم فاروقی امروہی ارقام کرتے ہیں:

''مولانا نسیم احمد فریدیؒ جیسے عارف باللہ بزرگ کا شاگرد ہونا بذات خود ایک بڑی سعادت ہے، مفتی صاحبؒ کے صدہا شاگرد ہیں، جن میں بہت بڑی بڑی شخصیات بھی ہیں۔ مولانا محبّ الحق صاحب کو یہ خصوصی سعادت نصیب ہوئی تھی کہ وہ حضرت مفتی صاحبؒ کے شاگرد رشید بھی تھے اور خادم خاص بھی۔''

مفتی صاحبؒ نے مولانا مُحب الحق صاحبؒ ہی کو کیوں اپنی خدمت کے لیے منتخب کیا؟ یقیناً مولانا صاحب کے زمانۂ طالب علمی میں مفتی صاحب نے ان کی شخصی خصوصیات کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا، جانچ پرکھ لیا تھا، علمی سوجھ بوجھ کے علاوہ ان کی شرافت نفسی، سعادت مندی، فرمانبرداری، اطاعت گذاری جیسے جوہر ان کی نگاہ میں آگئے تھے، انھی خوبیوں کی وجہ سے مولانا کے جذبۂ احساس شناسی نے مفتی صاحبؒ کے حکم کہ ''تمھیں امروہہ سے جانا نہیں ہے ہمارے ساتھ رہنا ہے۔'' پر سر تسلیم خم کر دیا، ایسے ایک سعادت مند اور اطاعت شعار شاگرد کی طرح اپنے گھر بار کو استاد کی خدمت گذاری پر قربان کر دیا۔ ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

وہ ان کے جلوت وخلوت کے مصاحب، سفروحضر کے صاحب تحریروتقریر کے شاہد، اعمال و اشغال کے مشاہد تھے۔ مولانا مُحب الحق صاحبؒ کی مثال مولانا بدرالدین اسحاقؒ جیسی ہے، جو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے خادم خاص تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''میں ان کا خادم خاص تھا، جو کام ہوتا، وہ مجھ سے کہتے۔ خلوت اور جلوت میں ایک بات کہتے اور کرتے تھے، مجھ سے کبھی علیحدگی میں ایسی بات نہیں کہی، جو ظاہر میں نہ کہہ سکتے ہوں، یعنی ظاہر و باطن میں ان کی روش ایک تھی اور یہ بات عجائب روزگار میں سے ہے۔'' (بحوالہ فوائد الفواد تاریخ مشائخ چشت، ۱۶۱)

مفتی اسلم امروہی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ ان خوش نصیب افراد میں سے تھے، جن کو حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کی طویل رفاقت، تقریباً ۲۱ سال خدمت، صحبت اور مستقل استفادہ کا شرف حاصل رہا۔ اور حضرت مفتی صاحب کی بینائی کے ختم ہونے کے بعد آپ کے سفر و حضر کے ساتھی؛ بلکہ ان کے دن رات کے ہاتھ اور آنکھ بنے رہے۔ حضرت فریدیؒ کو عربی، فارسی اور اردو کے ماخذ، مخطوطات، مضامین و مقالات، تصحیح و تقریظ کے لیے آئے ہوئے مسودات پڑھ کر سناتے۔ مفتی صاحبؒ کے ان سے حاصل شدہ نتائج کو قلمبند کرتے، ان کے جمع کردہ ملفوظات ومکتوبات کی تلخیص وترتیب بھی آپ ہی کے ذمہ تھی۔''

مفتی صاحبؒ کے علوم وافکار کی نشر واشاعت

مفتی صاحبؒ کی زندگی میں مولانا محبّ الحقؒ ان کے ہاتھ پاؤں، ان کی آنکھ اور قلم بنے رہے؛ یہی وجہ ہے کہ بینائی ختم ہوجانے کے باوجود آپ کا علمی اور تحقیقی سفر رواں دواں رہا؛ مفتی صاحب کی رحلت کے بعد ان کے اس مشن کو مولانا محبّ الحقؒ نے بخوبی

جاری وساری رکھا اوران کی وفات تک علمی دنیا مفتی صاحب کے علوم ومعارف، تحقیقی اور تاریخی تحریروں سے محظوظ ہوتی رہی، ایسا لگ رہا تھا کہ مفتی صاحب اپنے جسم کے اعتبار سے دور ہوئے ہیں؛ لیکن اپنی تحریروں کے اعتبار سے ہنوز زندہ وجاوید ہیں، مولانا محبّ الحقؒ وقفہ وقفہ سے مفتی صاحب کی تحریروں کو منصۂ شہود پر لاتے رہتے اور قارئین کے علمی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرتے، مولانا محبّ الحقؒ نے اپنی زندگی مفتی صاحبؒ کی تحریروں کی نشر واشاعت کے لیے وقف کردی تھی؛ اور یہ ان کی بڑی خدمت ہے، کیوں کہ وہ خود اچھے تحریری وتصنیفی ذوق کے مالک تھے، ان کا اسلوب نگارش سادہ؛ مگر دل کش اور پرکار تھا، وہ اگر چاہتے تو اپنی ذاتی متعدد کتابیں لکھ سکتے تھے؛ لیکن انہوں نے اپنے بجائے، استاد کی تحریروں کی خدمت کو ہی حرز جاں اور جینے کا مقصد بنایا، آپ کے ذریعہ مفتی صاحب کی بہت سی تحریروں نے کتابی شکل اختیار کی اوران کا افادہ عام اور دیرپا ہوا، وہ تحریریں جو لائبریریوں میں کتابوں کی بھیڑ اور رسائل ومجلّات کی فائلوں میں گم تھیں، مولانا محبّ الحقؒ کی جہد مسلسل اور بے نظیر لگن نے انہیں ''حیات نو'' عطا کی اور رسائل ومجلّات کی گم نام فائلوں سے نکال کر، انہیں کتابوں اور گراں قدر تصنیفات کے خانوں میں مقام عطا کیا اور ان کی افادیت واہمیت کو چار چاند لگادیے۔

مولانا محبّ الحقؒ نے اولاً مفتی صاحبؒ کی ایک مختصر سوانح لکھی، جو ''فیضان نسیم'' کے نام سے شائع ہوئی اور عوام وخواص نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، پھر یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور آپ نے مفتی صاحب کی بہت سی تحریروں کو کتابی قالب میں ڈھالا، جو درج ذیل ہیں: (۱) مقالات فریدی تین جلدیں (۲) سید العلماء: حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی کی سوانح حیات (۳) حکیم الامت کی محفل ارشاد (۴) زیارت حرمین شریفین (مفتی صاحب کا سفرنامہ حج) (۵) جواہر پارے (تلخیص وانتخاب مکاتیب رشیدیہ) (۶) حیات فریدی (۷) سفرنامہ حجاز: مولانا نواب رفیع الدین فاروقی مرادآبادی اور نواب مصطفیٰ علی خاں شیفتہ کا سفرنامہ حج۔

حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا (محبّ الحق صاحب) اس وجہ سے لائق تحسین بھی ہیں اور قابل رشک بھی، کہ مولانا کی کوشش اور حسن توجہ سے مولانا فریدی کے علمی آثار مرتب ہوکر نئے قالب میں جلوہ گر ہورہے ہیں۔تذکرہ مولانا سید احمد حسن امروہی اور مولانا فریدی کے علمی مقالات کا گراں قدر مجموعہ مقالات فریدی کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔حکیم الامت مولانا تھانوی کے ملفوظات کا عمدہ انتخاب ''حضرت تھانوی کی محفل ارشاد'' بھی شائع ہوکر جلوہ گر ہو چکا ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے مکتوبات کا انتخاب ''جواہر پارے'' کے عنوان سے زیر اشاعت ہے، ان کے علاوہ مولانا کے اور بھی کئی علمی منصوبے ہیں، اللہ تعالی ان کو عمدہ طریقے پر مکمل کرائے۔مولانا محبّ الحق صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ان سب کی تصحیح، مقابلہ اور طباعت کا اہتمام کیا۔میرے خیال میں اس میں مولانا فریدی کے حسن ترتیب اور اخلاص کے علاوہ مولانا محبّ الحق صاحب کی لائق تقلید احسان شناسی کا بھی بڑا خاص حصہ ہے، جس کی وجہ سے مولانا محبّ الحق صاحب اپنے مربی کے مضامین وافادات اور علمی آثار کی تلاش وجستجو اور اشاعت میں ہر وقت مصروف ومنہمک رہتے ہیں اور یہ سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔تانہ بخشد خدائے بخشندہ۔''

(زیارت حرمین شریفین، مرتبہ: مولانا محبّ الحقؒ، ص:۱۵-۱۶)

مولانا حکیم رضی الدین احمد پھلتی مدظلہ العالی نے والد صاحبؒ کو جب حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کی تحقیق وترجمہ شدہ عظیم کتاب ''نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ'' ہدیۃً عطا فرمائی تو اس کی پہلی جلد کے اندرونی سرورق پر ''ہدیہ اخلاص و اعتراف'' کے عنوان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے درج ذیل طویل تحریر لکھی:

''مکرمی مولانا محبّ الحق صاحب زید لطفہ، استاذ مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کی خدمت میں اس اعترافِ حقیقت کے ساتھ کہ بجا طور پر وہ

حضرت شاہ صاحب رحمہم اللہ کے اس مبارک مجموعۂ مکتوبات کے اولین مستحق ہیں اور اس کے ہم سے مطالبہ میں وہ بالکل حق بجانب ہیں، مترجم گرامی قدر اور ہمارے مخدوم ومحترم حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کے تربیت یافتہ اور ان کی جلوت وخلوت کے حاضر باش، ان کے معتمد ترین خدمت گزار، نیز ان کے تصنیفی اور تحقیقی کاموں کے خاص معاون ومددگار اور ان کے ذوق ومزاج سے واقفیت رکھنے والے سعادت مند شاگرد ہیں، بطور خاص ان نادر مکتوبات کی نقل وتبییض، ترجمہ اور ان کے متعلقات کی تلاش وجستجو اور تحقیقی مہم سر کرنے میں اس باتوفیق شاگرد و معاون کا قابلِ قدر حصہ اور لائقِ اعتراف کردار رہا ہے، جس پر وہ ہم سب بطور خاص اہل پھلت کے شکر وسپاس اور قدر واعتراف کے مستحق ہیں۔ واللہ الموفق والمعین''۔

پیشکش

بندۂ عاصی وخاطی رضی الدین احمد پھلتی ابن محمد شجاع الدین ابن محمد معراج الدین ابن کریم الدین ابن محمد سمیع ابن محمد صفی پھلتی شاگرد حضرت شاہ ولی اللہؒ وخلیفہ حضرت شاہ اہل اللہؒ (برادر اصغر شاہ ولی اللہ، صاحب مکتوبات)

۳۰/ جون ۲۰۰۹ء بروز منگل

مکتوبات فریدی بنام مولانا محب الحقؒ

حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ اور مولانا محب الحقؒ کے درمیان گہرے تعلق اور محبت ومودت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ استاذ وشاگرد دونوں کا قیام ایک ہی شہر میں تھا، روزانہ کی بنیاد پر ملاقاتیں اور افادہ اور استفادہ کا سلسلہ جاری رہتا؛ لیکن اگر کبھی سفر وغیرہ کی وجہ سے کچھ دوری اور فراق کی کچھ گھڑی حائل ہوجاتی تو خط وکتابت کا سہارا لے کر اس دوری کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی؛ چنانچہ حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے بہت سے محبت نامے مولانا محب الحقؒ کے نام ہیں؛ جن میں سے بعض ناظرین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)

امروہہ، ۱۶/ دسمبر ۱۹۷۹ء بسم اللہ

عزیزم مولوی محبّ الحق صاحب

سلام مسنون اور دعا کے بعد مطالعہ کریں، پہلے آپ کا ایک کارڈ ملا، اس کے بعد لفافہ موصول ہوا، جس کے پتہ میں میرے نام کے بعد غلطی سے محلّہ سرائے کہنہ لکھا گیا تھا۔

ایک صندوق کے گاڑی میں رہ جانے کا ذکر آپ نے پہلے خط میں اور غالباً دوسرے خط میں بھی کیا ہے، اس کا کوئی خیال نہ کریں، اللہ تعالی کا شکر ادا کریں کہ اس نے خیر وعافیت کے ساتھ مکان پہنچا دیا اور وہی خیر وعافیت کے ساتھ امروہہ واپس پہنچائے گا، ان شاء اللہ تعالی اس نقصان کی تلافی بہت جلد ہو جائے گی، اللہ تعالی آپ کو مع متعلقین صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور والدین کا سایہ تادیر آپ کے سر پر قائم رہے۔ آمین۔

مولانا محفوظ الرحمان صاحب کو آپ کا خط مل گیا تھا اور میرے خط سے پہلے ان کے پاس خط پہنچ گیا تھا، ......امروہہ کب تک آنے کا خیال ہے، یہاں الیکشن کی سرگرمیاں شروع ہوگئی ہیں، .....، جمعہ کے دن مرکزی گشت آفتاب صاحب کے کہنے پر آپ کی مسجد کے ماحول میں رکھا گیا تھا، میں خود وہاں گیا تھا۔

......سب آپ کو یاد کرتے ہیں، اپنے والدین سے میرا سلام کہہ دیں، بھائیوں اور بہنوں سے سلام ودعا کہہ دیں۔ میاں ظہیر الحق سلمہ اچھی طرح ہوں گے، میاں عزیز الحق سلمہ ابھی کلکتہ ہی ہوں گے۔ میاں رضوان الحق اور میاں ضیاء الحق سلمہما اور ان کی والدہ کو دعائیں اور سلام مسنون، جو پرسان حال ہوں ان سے میرا سلام کہہ دیں، مولانا اسرائیل، مولانا ابوالکلام، مولانا شعیب انور اور میاں الیاس

صاحب سے میرا سلام کہہ دیں اور دعا کے لیے بھی کہہ دیں اور جو بزرگ ہیں ان کا نام غالباً میاں عبداللہ ہے ان سے بھی سلام کہہ دیں۔

کتابوں کو احتیاط سے رکھنا، اگر تاریخ کی کوئی کتاب ہو تو اس کو لیتے آنا، دہلی کے سلطانی مطبع کی جو کتاب آپ نے دیکھنے کو لی تھی، وہ اگر گھر پر ہو تو ساتھ لیتے آنا، مسجد کے حجرے میں جو کتابیں ہیں ان کی حفاظت کے لیے بھی آپ نے تاکید کر دی ہوگی۔ دعاؤں میں یاد رکھنا۔

نسیم احمد فریدی غفرلہ

❑❑❑

(۲)

امروہہ، ۲۱/ اگست ۸۰ء بسم اللہ

عزیزم مولوی محبّ الحق سلمہ

بعد سلام مسنون ودعائے ترقی عمر ودرجات مطالعہ کریں۔

آپ عید سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے دہلی گئے اور وہاں سے غالباً جمعہ کے دن وطن روانہ ہوئے ہوں گے، آپ نے مقتدیوں سے کہا تھا کہ میں وہاں پہنچ کر تار کے ذریعہ خیر و عافیت سے مطلع کروں گا؛ لیکن آج ۱۵ دن ہوگئے، آپ کا کوئی خط یا تار ابھی تک نہیں آیا، میں نے مولانا شعیب انجم سلمہ کو کل ایک خط بھیجا ہے کہ وہ آپ کی خیریت معلوم کر کے مطلع کریں، آج آپ کو جوابی کارڈ بھیجنے کا بھی مشورہ ہو رہا تھا، خدا کرے کہ آپ معہ متعلقین بخیر و عافیت ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کا سایہ تادیر آپ کے سر پر قائم رکھے اور ہر طرح کا اطمینان وسکون نصیب ہو، میاں ظہیر الحق سلمہ اچھی طرح ہیں، صنوبر صاحب کے یہاں رہتے ہیں، عید کے دن میرے پاس آئے تھے اور اس کے بعد بھی ایک دو دفعہ آئے، ہم سب کو آپ کا خط نہ آنے کی وجہ سے بہت فکر ہے، بس خیر و عافیت سے مطلع

کر دیں، جلد آنے کی ضرورت نہیں ہے، اطمینان کے ساتھ آئیں، یہاں پر حالات درست ہیں، ریڈیو میں کرفیو کی اطلاع جو امروہہ سے متعلق تھی، غلط تھی، اس کی غالبًا تردید ہوگئی ہوگی۔ اپنے والدین سے سلام کہہ دیں اور باقی سب خورد وکلاں کو سلام و دعا، جواب جلد دیں۔

والدعا

نسیم احمد فریدی غفرلہ

❑❑❑

(۳)

امروہہ،۱۶/ جون ۱۹۸۱ء بسم اللہ

عزیزی مولانا محبّ الحق قاسمی سلمہ

بعد سلام مسنون ودعاہائے فراواں مطالعہ کریں۔آپ کا گرامی نامہ شاہدرہ کے جلسے سے واپس آکر مل گیا تھا، یہ خط یکم جون کو امروہہ پہنچ گیا تھا، جیسا کہ ڈاک خانہ کی مہر سے معلوم ہوتا ہے؛ مگر مجھے دہلی سے واپس ہوکر ملا ہے، غالبًا پانچ جون کو ملا ہے، مولانا شعیب صاحب نے دستی خط کے متعلق بتایا کہ وہ نہیں بھیج سکے تھے، مولانا محفوظ الرحمان صاحب کہنا بھول گئے تھے۔ اللہ تعالی آپ کو مع متعلقین صحت وعافیت اور عزت وآبرو کے ساتھ رکھے اور والدین کا سایہ تادیر قائم رکھے۔آمین!

آپ نے یہ نہ لکھا کہ امروہہ کب تک آئیں گے، بہن کی شادی کب ہورہی ہے؟ آپ کو اب زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے،....آپ بہت جلد امروہہ آنے کی کوشش کریں، بہن کی تقریب شادی میں اگر تاخیر ہوتو اس کی وجہ سے آپ دیر نہ کریں۔

حاجی علاء الدین صاحب بخیریت ہیں اور مدرسہ کا کام بڑی

محنت سے کررہے ہیں......۔

مولانا شعیب انجم کا جلسہ بہت زوردار رہا، اپنے والدین سے میرا سلام کہہ دیں، اہلیہ محترمہ کو سلام ودعا اور میاں رضوان الحق محمودی اور میاں ضیاء الحق شاداں سلمہما کو دعائیں، آپ کے خالو صاحب کی رحلت کا علم ہوا، اللہ تعالی مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل بخشے، میری طرف سے اپنی خالہ صاحبہ (متوفیہ: ۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ) سے اور مرحوم کے لڑکوں سے تعزیت کردیں اور محسن صاحب مرحوم کی خبر انتقال کو سن کر بھی صدمہ ہوا، امروہہ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی، اللہ تعالی ان کی بھی مغفرت فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر بخشے، ان کے وارثوں سے بھی میری جانب سے تعزیت کردیں، سب پرسان حال سے سلام کہدیں، عبداللہ شاہ صاحب ملے تو ان سے میرا سلام کہدیں ، اپنے بھائیوں ، بہنوں ، بھانجوں اور بھانجیوں؛ غرض کہ سب خرد وکلاں متعلقین سے میرا سلام مسنون کہدیں، حاجی علاء الدین صاحب اس وقت تشریف فرما ہیں، سلام لکھواتے ہیں، میاں امان اللہ بھی سلام عرض کررہے ہیں۔

فقط والسلام

نسیم احمد فریدی غفرلہ

❑❑❑

(۴)

امروہہ　　　بسم اللہ　　۲۶/ مارچ ۱۹۸۵ء

میاں مولوی محبّ الحق قاسمی سلمہ!

بعد سلام مسنون ودعائے ترقی درجات علم وعمل وصحت وعافیت مطالعہ کریں، آپ کا خط گھر پہنچنے کے بعد جو بھیجا تھا، وہ معمول

کے مطابق امروہہ پہنچ گیا، کچھ زیادہ دن نہیں لگے......؛ غرض کہ جن جن کو خط بھیجے تھے، تقریباً سب کو مل گئے، اور آپ نے بھی چپ سادھ لی اور ہم بھی منتظر بیٹھے ہوئے ہیں، اب یہ مناسب سمجھا کہ کم از کم ایک خط ہم بھی بھیج دیں اور یہ انصاف کا تقاضہ بھی ہے۔ اس کے جواب میں جو خط آئے، اس سے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آپ امروہہ کب تک آ رہے ہیں، میاں ظہیر الحق سملہ اور میاں حشمت اللہ سلمہ بخیر وعافیت ہیں، حاجی زائر حسین صاحب کی آنت کا آپریشن پچھلے دنوں مرادآباد میں ہوا، آپریشن کامیاب رہا اور وہ امروہہ آ گئے ہیں؛ مگر ابھی باہر نہیں نکلے ہیں، ایک خط ان کو بھی خیریت طلبی کا بھیج دینا، والد صاحب اب کیسے ہیں؟ ان سے سلام کہہ دیں، والدہ صاحبہ سے بھی سلام کہہ دیں، اہلیہ محترمہ اور بچوں سب کو سلام مسنون کہہ دیں؛ باقی گھر کے سب خرد وکلاں کو سلام ودعا، میاں قاری ابوالکلام سلمہ بھی بخیریت ہیں، میاں نفیس سلمہ، میاں امان اللہ شبلی، ظہیر الحق، حشمت اللہ اور ابوالکلام سلام لکھواتے ہیں۔

طالب دعا اور دعا گو

نسیم احمد فریدی غفرلہ

❑❑❑

(۵)

میاں مولوی محبّ الحق سلمہ

بعد سلام مسنون ودعائے صحت وعافیت مطالعہ کریں

آپ کا تفصیلی خط مل گیا، اس کے بعد میاں ظہیر الحق اور میاں حشمت اللہ سلمہما امروہہ بخیر وعافیت پہونچ گئے۔ ان سے بھی آپ کے اور آپ کے جمیع متعلقین کی خیر وعافیت معلوم ہوئی، اس کے بعد میاں محمد یاسین سلمہ جمعہ کا دن گزار کر ہفتہ کی شب میں میرٹھ سے ایک ایکسپریس

سے پروہی کے لیے روانہ ہوئے ہیں، وہ آج یقیناً پہونچ گئے ہوں گے، وہ شاید ایک دو دن قیام کریں گے، آپ کے آنے کا ارادہ کب کا ہے، وہ انھی سے معلوم ہوگا، غالب خیال یہ ہے کہ جنوری میں آپ گھر پر رہیں گے، خدا کرے میرا یہ خط آپ کو مل جائے، مجھے ایک تو یہ لکھنا ہے کہ اپنی والدہ صاحبہ سے بعد سلام مسنون کہہ دیں کہ وہ صبر سے کام لیں اور ان کے چھوٹوں سے جو غلطیاں ہوئی ہوں ان کو معاف کردیں، اس کی وجہ سے ایک تو خود ان کو بہت ثواب حاصل ہوگا اور مرحوم کی روح بھی خوش ہوگی، سب گھر والوں سے نماز کی تاکید کریں اور سب کے لیے دعائے خیر کریں؛ لیکن مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدّت میں انتظام خورد ونوش علیحدہ ہو، اپنی اہلیہ محترمہ سے بھی بعد سلام ودعا کہہ دیں کہ وہ اپنی ساس کو خوب خوش رکھیں اور انتظام علیحدہ ہونے کے بعد بھی ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھیں اور ان سے خوب دعائیں لیں۔

اپنے بڑے بھائی امیر الحق صاحب، میاں مجیب الحق اور میاں عزیز الحق سلمہم سے اور اپنی سب بہنوں سے سلام مسنون کہہ دیں اور گھر کے سب خورد وکلاں کو سلام ودعا۔ میاں ظہیر الحق اور میاں حشمت اللہ بخیر وعافیت ہیں، میاں رضوان الحق سلمہ ان کے بھائیوں کو دعائیں۔ قاری عبد الکلام سلمہ بھی بخیریت ہیں، بھائی نفیس احمد صاحب، مولانا عبد القیوم صاحب اور راقم الحروف بھی سلام عرض کرتے ہیں۔ اپنی والدہ صاحبہ سے میرے لیے دعا کو کہہ دینا۔

والدعا

نسیم احمد فریدی غفرلہ

۱۳/ جمادی الاولی ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۶/ جنوری ۸۶ء

❑❑❑

تیسرا باب

خدمات اور کارنامے

پہلی فصل

تدریسی اور تربیتی خدمات

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تدریسی خدمات

فراغت کے بعد حضرت الاستاذ کے حکم کی تعمیل میں آپ کا قیام امروہہ میں ہی رہا، ان کے علمی اور تحقیقی کاموں میں معاون رہے، مادر علمی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ سے بھی برابر تعلق رہا؛ لیکن طویل عرصہ تک آپ نے جامعہ میں تدریسی خدمات انجام نہیں دیں؛ اس کے علاوہ ہر طرح سے مادر علمی کا تعاون فرماتے، اس کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے۔

اخیر کے دس پندرہ سالوں میں باقاعدہ استاذ کی حیثیت سے عربی، فارسی اور اردو کی کچھ کتابوں کی تدریس آپ کے سپرد کی گئی، یہ تمام کتابیں ابتدائی جماعتوں کی تھیں۔

مولانا عارف حسن کاظمی لکھتے ہیں:

> ''خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنی علمی وتحقیقی دل چسپیوں اور تصنیفی وتالیفی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ اسی مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ میں درس وتدریس کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں، جہاں ان کے استاذؒ طالبان علم کو اپنے دریائے علم سے سیراب کرتے تھے، مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ مدرسہ مذکور کے اہتمام نے طلبا کے استفادے کی خاطر مولانا کی رہائش کا بندوبست مدرسہ ہی میں کر دیا ہے''۔

مفتی ریاست علی صاحب رامپوری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''امروہہ میں قیام کے دوران سرائے کہنہ کی ایک مسجد میں امامت

اور خطابت کے ساتھ جامعہ اسلامیہ امروہہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، عموماً ابتدائی عربی و فارسی کی کتب آپ سے متعلق رہتی تھی اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک برقرار رہا۔"

مولانا مفتی محمد اسلم امروہی صاحب جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے اساتذہ کے تذکرہ کے ذیل میں "مولانا محبّ الحق صاحب مدھوبنی" عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"آپ جامعہ کے فاضل اور اکابر و اسلاف کے کارناموں اور زندگیوں کے عینی شاہد ہیں۔ بڑے بڑے اکابر کی معیت کا شرف آپ کو حاصل رہا ہے۔ اس دور میں اکابر کی یادگار اور سراپا تاریخ بن گئے ہیں۔ جامعہ میں فارسی کی کتابوں کی تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں"۔

(جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ اکابر کی نظر میں، از محمد اسلم امروہی، ص: ۲۷، ناشر: جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ)

ایک چیز جو حیرت انگیز بھی ہے اور قابل رشک بھی کہ مولانا محبّ الحقؒ فراغت (۱۹۷۳ء) کے بعد سے لے کر اخیر زندگی (۲۰۱۳ء) تک جامعہ سے وابستہ رہے، اس کی ہمہ جہت خدمت میں لگے رہے، اخیر کے سالوں میں تدریسی خدمت بھی انجام دی؛ لیکن مولاناؒ نے سوائے آخری چند مہینوں کے جامعہ سے کبھی مشاہرہ نہیں لیا، انہوں نے پوری زندگی اعزازی طور پر ہی خدمت انجام دی، مادیت کے اس دور میں یہ بات بڑی تعجب خیز معلوم ہوتی ہے۔

مفتی محمد اسلم امروہی لکھتے ہیں:

"حضرت مولاناؒ نے اپنا بچپن، جوانی بلکہ پوری زندگی بہت تنگی اور پریشانی میں گذاری؛ مگر کبھی اس کا اظہار بھی نہیں فرمایا، بہت صبر و قناعت سے کام لیا جب تک مدرسہ میں پڑھایا حسبۃ للہ فارسی کتابوں کی تعلیم دی، کبھی مشاہرہ نہیں لیا۔"

تدریس کے ساتھ ساتھ آپ جامعہ کے مالیہ کے لیے بھی کوشاں رہتے ،اہل خیر کو اس طرف متوجہ کرتے خود بھی دہلی اور نینی تال وغیرہ کے اسفار کرتے۔

مدرسہ نسیم العلوم محلّہ سرائے کہنہ امروہہ

نونہالان امت کو بنیادی اسلامی تعلیم سے آراستہ کرنے اور اسلام کے مبادیات سے روشناس کرانے کے لیے آپ نے اپنے استاذ اور مربی حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ کی حیات میں، انار والی مسجد محلّہ سرائے کہنہ میں ایک مکتب کی بنیاد ڈالی ،اور اس کو اپنے استاذ محترم کی طرف منسوب کرتے ہوئے،اس کا نام پر ''مدرسہ نسیم العلوم'' تجویز کیا، یہ ایک جزو وقتی مدرسہ ہے، جس میں ظہر تا عصر قرآن کریم اور اردو کی تعلیم دی جاتی ہے، نیز طلبہ کو مسائل سے واقف کرانے کے لیے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ (۱۲۹۲ھ= ۱۸۷۵ء - ۱۳۷۲ھ=۱۹۵۲ء) کی ''تعلیم الاسلام'' بھی یہاں کے نصاب میں داخل ہے، نماز کی عملی مشق اور تربیت کا بھی بہترین نظام یہاں رائج ہے، احقر نے بھی اسی مدرسہ میں نماز سیکھی اور یاد کی ہے۔اس مدرسہ سے مسلمانوں کے اکثر وہ بچے مستفید ہوتے ہیں، جو عصری درس گاہوں سے وابستہ ہیں اور مدرسہ میں رہ کر مستقل تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔

غریب مسلمانوں کے جو بچے اسکول نہیں جاسکتے ، ان کی عصری تعلیم کے لیے ایک ماسٹر صاحب (اب وہ بھی مرحوم ہوگئے) کا بھی تقرر کیا گیا تھا، جو طلبہ کو ہندی اور انگلش پڑھاتے تھے؛ طلبہ کے لیے مفت اسٹیشنری کا نظم بھی من جانب مدرسہ ہوتا تھا۔

مذکورہ مدرسہ کے ذریعہ آپ نے سینکڑوں نہیں ؛ بلکہ ہزاروں طلبہ وطالبات کی زندگی قرآنی تعلیم سے روشن کی ،موثر تعلیم اور انداز تربیت سے متاثر ہوکر بڑی تعداد میں سرپرست حضرات کی توجہ اس مدرسہ کی جانب مبذول ہوئی اور وہ اپنے بچوں کو یہاں داخل کرانے کے لیے کوشاں رہتے۔

یہ مدرسہ آج بھی اسی نہج پر قائم ہے اور دعا کریں کہ قیامت تلک قائم رہے اور مسلمانوں کے بچے اس پاک علمی چشمہ سے اپنی دینی سیرابی اور ایمانی طہارت کا سامان حاصل کرتے رہیں۔وماذلك على الله بعزيز.

تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی اسلامی اور اخلاقی تربیت پر آپ خصوصی توجہ فرماتے اور پوری طاقت اس پر صرف فرماتے تھے،بہترین تعلیم اور نرالی تربیت کی عظیم اور لازوال نعمت حاصل ہونے کی وجہ سے طلبہ کے دلوں میں آپ کے تئیں بے انتہاء عزت واحترام اور ان کی نگاہوں میں بلند مقام ومرتبہ تھا، بیشتر شاگرد اپنے والد یا ان سے بھی زیادہ آپ سے لگاؤ اور انسیت رکھتے تھے، تعلیمی سلسلہ منقطع ہونے کے بعد بھی اپنے ذاتی امور میں اپنے استاذ محترم سے مشورہ لیتے رہتے اور ان کے حکم کو سرآنکھوں پر رکھتے۔

آپ کی تربیت طلبہ تک ہی محدود نہ تھی ؛ بلکہ متعلقین اور مسجد کے نمازیوں (مقتدیوں) میں سے ہر ایک کی آپ حکمت ، مصلحت اور موقع کی مناسبت سے تربیت فرماتے ؛ چناں چہ آپ کی مسجد میں کسی ڈاڑھی منڈے شخص کو اذان یا اقامت کہنے کی اجازت نہ تھی ،اگر کبھی کوئی ایسا کرتا تو ناراضگی کا اظہار فرماتے ،مصلیوں کو اِدھر اُدھر کھڑے ہونے کے بجائے صف بندی کے ساتھ بیٹھنے کی ہدایت تھی ،جس پر وہ کاربند بھی تھے ،آپ کے سامنے اگر کسی شخص کی جانب سے خلاف شریعت کوئی بات سامنے آتی ،تو فوراً تنبیہ فرماتے تھے ،جس کی مثالیں احاطہ قلم سے باہر ہیں، نیز اس معاملہ میں کسی کی کوئی رعایت نہیں تھی ،خواہ وہ علاقہ کا معزز شخص ہو یا عام آدمی۔

اندازِ تربیت

تعلیم کے ساتھ مولانا محب الحقؒ تربیتی پہلو پر زیادہ توجہ مرکوز فرمایا کرتے تھے، اپنی اولاد، شاگرد اور متعلقین کی تربیت پر آپ باریک نگاہ رکھتے تھے، اگر کسی سے غلطی کا صدور ہوتا تو بروقت مناسب انداز میں اس کی تصحیح فرماتے ،نظر انداز اور پہلو تہی کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ تعلیم وتربیت کے میدان میں کام کرنے والے حضرات اس کی اہمیت اور ناگزیریت سے بخوبی واقف ہیں؛ اس ضمن میں مولاناؒ کے دو شاگردوں کے اقتباس پیش کرتا ہوں:

مفتی غفران اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”سب سے نمایاں صفت جو آپ میں پائی جاتی تھی وہ شفقت و پیار کی

تھی، بڑی سے بڑی غلطی کو درگذر فرما دیتے تھے، اور پند ونصائح سے کام لیتے، جو بات اصلاح کی ہوتی، اس کی اصلاح فرما دیتے اور اس کے قریب جانے سے روکتے، یہ معاملہ اپنے شاگردوں اور متعلقین کے ساتھ فرماتے، اور اگر آپ کی اولاد میں کوئی غلطی کرتا، تو اس کے ساتھ سختی سے پیش آتے، جس کا مشاہدہ بھائی امداد الحق سلمہ پر بارہا ہوا، جس وقت وہ درجہ حفظ کے طالب علم تھے۔''

مزید تحریر فرماتے ہیں:

''آپ عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ انشاء پرداز، مورخ اور بہت سی کتابوں کے مصنف ومرتب بھی ہیں، زبان وادب پر مہارت تامہ حاصل تھی، زبان کی غلطیاں طالب علموں کے لئے ان کے سامنے معاف نہیں تھیں، دوران گفتگو انتہائی حاضر دماغی سے کام لینا پڑتا اور تذکیر وتانیث کی رعایت کرنی ہوتی، اپنے ماتحتوں کی ہر نشست وبرخاست پر نظر رکھتے تھے، سنت کی ترغیب دیتے، چناں چہ ایک مرتبہ میں مغرب کی نماز پڑھا رہا تھا، تو اس میں بیچ سورت سے قراءت کردی، نماز کے بعد آپ نے فرمایا: جب بھی نماز پڑھاؤ، تو مکمل سورتوں کی تلاوت کیا کرو، خلاف سنت نماز نہ پڑھایا کرو، مولاناؒ کی اس تنبیہ کی بناء پر اب کیفیت ایسی ہے، جو خلاف سنت نماز پڑھا تا ہے، تو طبیعت میں ہیجان پیدا ہوجاتا ہے، اور بندہ کی سنت کے موافق نماز پڑھانے کی طبیعت وعادت بن گئی ہے۔''

مفتی جوہر علی قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

''وہ طلبہ جو آپ سے قریب ہوتے، ان کی زندگی سنور جاتی؛ چوں کہ آپ ان کے اسباق، معمولات، گفتار وکردار، وضع قطع اور نشست وبرخاست، ہر چیز پر گہری نظر رکھتے اور موقع بہ موقع شفقت آمیز ہدایات ونصائح کے ذریعہ اصلاح فرماتے رہتے، جس میں ان کی کامیابی کا راز مضمر ہوتا۔''

صحیح اردو کا اہتمام

تربیت کے ذیل میں آپ کا اردو زبان کے تعلق سے تربیت کا انداز اور اہتمام یاد آیا، ہمارا تعلق چونکہ صوبہ بہار اور وہاں کے بھی ایک دیہات سے ہے، جہاں عام گفتگو میں اردو بولی تو جاتی ہے؛ مگر مقامی زبان اور لہجے سے متاثر ہوکر، لیکن ہم نے ہمیشہ والد صاحبؒ کو بالکل صحیح اردو بولتے ہوئے دیکھا ہے، کبھی مقامی زبان آپ سے نہیں سنی؛ بلکہ آپ کے سامنے اگر کوئی طالب علم مقامی زبان استعمال کرتا، تو بمصلحتِ تربیت سختی سے منع فرماتے اور اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا یا اتفاقاً کوئی لفظ ہی غلط بول جاتا یا مخرج میں یا تذکیر وتانیث میں غلطی ہوجاتی، تو تصحیح وتنبیہ کے ساتھ ساتھ ڈانٹ بھی سننی پڑتی تھی اور کبھی سرزنش بھی۔ اس روک ٹوک کا آج بڑا فائدہ محسوس ہوتا ہے اور کوئی برابر کا یا آپ سے بڑا شخص زبان کی غلطی کرتا، تو آپ کا انداز تربیت یہ ہوتا کہ آپ صحیح لفظ اسی وقت اپنی زبان سے دہرا دیتے۔

سرزنش کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے کہ جب احقر بچپن میں بہار سے امروہہ آیا، یہ ۱۹۹۰ء کے آس پاس کی بات ہے، احقر کو امروہہ آئے ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے تھے، ایک دن جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں، صدر دروازے کے اوپر دائیں طرف مولانا حکیم عطاء الرحمان صاحبؒ کے کمرہ کے باہر، زبان کی کسی غلطی پر مجھ سے اٹھک بیٹھک لگوائی گئی، مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے اپنے تعجب کے اظہار کی بھی جرات کی اور عرض کیا کہ اتنی جلدی میں صحیح اردو کیسے بول سکتا ہوں! بعدازاں والد صاحب نے میری دل جوئی اور خوش کرنے کے لیے کچھ پیسے عنایت فرمائے۔

الغرض صحیح زبان بولنے اور لکھنے کا آپ کے یہاں بہت خاص اہتمام تھا؛ لیکن زبردستی کے تکلف سے اتنا ہی گریز اور اجتناب تھا، جس کی دلیل آپ کی تحریروں کی بے تکلفی اور سادگی ہے۔

❑❑❑

دوسری فصل

دعوتی، ملی اور سماجی خدمات

امامت وخطابت

انار والی مسجد، محلّہ سرائے کہنہ، امروہہ، جہاں حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے اپنے علمی، تصنیفی وتالیفی سفر کو چار دہے سے زیادہ مدت تک انتہائی آب وتاب کے ساتھ جاری رکھا، آپ نے اپنی قیمتی زندگی کے ۴۲ر سال ۲ ماہ، چند دن یہاں گزارے، امامت وخطابت، تفسیر قرآن، تعلیم وتربیت اور دیگر اہم ملی وسماجی خدمات آپ نے یہاں انجام دیں، آپ موجودہ دور اور طرز کے ایک رسمی امام وخطیب نہ تھے؛ بلکہ کلی طور پر کہنا تو اس زمانہ میں مشکل ہے؛ مگر پھر بھی بڑی حد تک منصب امامت کی آبرو کے امین و پاسدار تھے، امامت وپیشوائی کے بالکل حقیقی معنی نہیں تو اس سے بہت قریبی معنی آپ کی ذات میں پائے جاتے تھے، انتہائی باوقار اور بارعب تھے، آپ کا رعب بچے، جوان، بوڑھے اور مرد و خواتین کے ہر طبقہ پر یکساں تھا، یہی وجہ تھی کہ اچھے اچھے لوگ آپ کے سامنے غیر شرعی امور کے ارتکاب کی جرات نہیں کر پاتے تھے، آپ اگر مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کے ادب واحترام اور رعب کی وجہ سے کوئی خاتون بے پردہ وہاں سے نہیں گزر سکتی تھی۔

تصنیفی اور دیگر مشغولیات کی وجہ سے آپ ہمیشہ ایک نائب امام رکھتے تھے، جیسا کہ مفتی غفران اللہ صاحب نے اپنے مضمون میں اس کا ذکر بھی کیا ہے، اس مسجد سے امامت کے ساتھ ساتھ حضرتؒ نے جو دیگر دینی وملی خدمات انجام دی ہیں، ہم اس کا ایک سرسری جائزہ پیش کرتے ہیں۔ واللہ الموفق للصواب!

تفسیرِ قرآن

قرآن کریم جو کہ شریعت اسلامیہ کا اولین سرچشمہ ہے، جسے مصادر اسلامیہ میں سب سے بنیادی مصدر ہونے کی حیثیت حاصل ہے، اسلام کی مقدس عمارت قرآن وحدیث کی مضبوط بنیادوں پر ہی کھڑی ہے، قرآن عزیز کی اسی اہمیت اور عظمت شان کی وجہ سے جا بجا اللہ تبارک وتعالی نے اسے پڑھنے، پڑھانے، سمجھنے، سمجھانے اور اس کے مضامین کے گہرے دریا میں غوطہ زنی کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے، نیز قرآن میں فرائض نبوت میں سے یہ بات بیان کی گئی ہے، کہ آپ ﷺ مسلمانوں کو قرآن پاک کے الفاظ ومعانی کی تعلیم دیں اور اس کے ذریعہ ظاہری اور باطنی طور پر ان کا تزکیہ کریں: **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** . (بقرہ:۱۲۹)

اسی لیے ہر زمانہ میں علماء نے تفسیر قرآن کو اپنی توجہ کا خاص مرکز اور اپنی خدمات کا اہم میدان بنایا، حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے بھی سالہا سال تک انار والی مسجد میں بعد نماز عشاء اور فجر تفسیر قرآن کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، آپ بالکل سادہ اور عوامی زبان میں تفسیری نکات بیان کیا کرتے تھے، تقریباً تمام متداول تفاسیر آپ کے پاس موجود تھیں، اکابر اور خاص کر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۲۸۰ھ=۱۸۶۳ء - ۱۳۶۲ھ=۱۹۴۳ء) کی تفسیر ''بیان القرآن'' پر زیادہ اعتماد فرماتے تھے، انتہائی عرق ریزی کے ساتھ تفسیری کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہی عوام کے سامنے تفسیر پیش فرماتے تھے، مجھے اپنے لاشعوری کے ایام میں آپ کے حلقۂ تفسیر میں شریک ہونے کا شرف حاصل رہا ہے، کچھ آیتوں کی مبہم تفسیر اور دوران تفسیر میرا اونگھنا ابھی تک خانہ خیال میں محفوظ ہے، کاش اس وقت تحمل اور ضبط کی عمر ہوتی تو اس بابرکت علمی مجلس کے کچھ اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کرسکتا!۔ **أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّى** (نجم: ۲۴)

''مناقبِ صحابہؓ'' کے موضوع پر جلسوں کا انعقاد

آپ امروہہ کے جس محلّہ میں مقیم تھے، وہاں شیعہ اور سنی کی مخلوط آبادی ہے؛ بلکہ

سنیوں کا ایک بڑا خاندان ایسا ہے، جس کے بہت سے افراد شیعہ ہیں؛ حتی کہ اس خاندان کے بعض گھرانے ایسے بھی ہیں، جس میں بیوی سنی ہے، تو شوہر شیعہ اور شوہر سنی ہے، تو بیوی شیعہ۔

اس لیے مناقب صحابہؓ: بالخصوص منقبت حضرات شیخین اور حضرت عثمانی غنیؓ کے موضوع پر سال دو سال میں حضرت مولاناؒ کی نگرانی میں جلسوں کا انعقاد عمل میں لایا جاتا تھا، جس سے آپؒ، مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ، مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب مدظلہ العالی اور دیگر علماء صحابہؓ کی پاکیزہ زندگی، قابل رشک کارنامے اور اسلام اور مسلمانوں کے تئیں ان کی تاریخی خدمات پر بھرپور روشنی ڈالتے تھے اور عوام کے ذہن و دماغ میں ان نفوس قدسیہ کا عالی مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت جاگزیں کرتے تھے؛ تاکہ شیعیت کی صحابہؓ کی شان میں دشنام طرازی، زبان درازی اور افترا پردازی بے نقاب ہو اور مسلمان حقائق سے آشنا ہو کر اپنے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کر سکیں۔

ان جلسوں کا ایک خصوصی امتیاز یہ تھا کہ اس اسٹیج سے صرف مثبت انداز میں صحابہؓ کی سیرت پیش کی جاتی تھی، منفی انداز اور مقابل گمراہ فرقے کو للکارنے، ان کی گمراہیوں کا آپریشن کرنے اور بال کی کھال نکالنے کے رائج مناظرانہ طریقہ سے بالکل گریز کیا جاتا تھا؛ کیوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ اور ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ کے مزاج ومذاق، اندازِ فکر اور طریقۂ اصلاح کے یہ بات بالکل مغایر اور خلاف تھی؛ اس لیے کہ جن جلسوں میں یہ منفی انداز اختیار کیا جاتا ہے، ان کی نہ عمر لمبی ہوتی ہے اور نہ ہی ان کا افادہ عام ہوتا ہے۔

ان جلسوں اور دینی محفلوں کے دور رس اور مثبت نتائج سامنے آئے، پہلے کی بہ نسبت مذکورہ بالا خاندان میں شیعہ اور سنی میں آپس میں شادیوں کا رواج بالکل ختم ہو گیا اور اگر کبھی ایسی نوبت بھی آتی، کہ کوئی سنی لڑکی، کسی شیعہ لڑکے کے ساتھ منسوب ہو رہی ہے، تو اب اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہ لڑکا پہلے شیعیت سے تائب ہو، اس کے بعد ہی نکاح ممکن ہوتا ہے، اس کے کئی واقعات والد صاحبؒ کی زندگی میں پیش آئے ہیں۔

نیز مسلمان عقائد کے اعتبار سے پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے، جن کے دلوں میں شیعی عقائد کے تعلق سے پہلے نرم گوشہ اور بے احتیاطی تھی اور وہ شیعیت اور اسلام کی حد

پر کھڑے تھے، وہ واپس مضبوطی کے ساتھ پورے طور پر اسلام میں داخل ہو گئے، صحابہؓ کی شان عالی اور مقام رفیع کا انھیں صحیح اندازہ ہوا اور وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مداح اور قصیدہ خواں بن گئے۔ والحمدللہ رب العالمین.

ان جلسوں میں حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی کو مدعو کرنے کے لیے والد صاحب اور ان کے درمیان خطوط کا سلسلہ رہتا ہے: ایک آدھ خط بطور نمونہ پیش خدمت ہے:

مکتوبات مولانا عبدالعلیم فاروقی بنام مولانا محب الحقؒ

دارالمبلغین لکھنؤ باسمہ تعالی

۲۸/ دسمبر ۱۹۸۷ء

مکرمی ومحترمی زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے ملاقات امروہہ میں ہوچکی ہے، اللہ تعالی کے فضل وکرم سے آج ایک ہفتہ کے بعد ۲۸/ دسمبر ۸۷ء کو بخیریت لکھنؤ واپسی ہوئی ہے، اللہ تعالی آپ کو خیریت سے رکھے۔ والسلام

عبدالعلیم فاروقی

۲۸/ دسمبر ۸۷ء

❍❖❍

باسمہ تعالی حامداومصلیا

مکرمی ومحترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شدہ شدہ تاریخ سے باخبر ہوا، ان شاءاللہ ۱۹/ جون بروز جمعہ حاضر ہوں گا، کوشش کروں گا کہ جمعہ امروہہ میں پڑھوں گا، اگر ایسا ہوسکا تو ان شاءاللہ عصر کے بعد یا مغرب کے بعد امروہہ پہنچوں گا۔ والسلام

عبدالعلیم فاروقی

۹/ جون ۱۹۹۲ء = ۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ

❍❖❍

دعوت وتبلیغ

آپ کے استاذ، شیخ اور مربی حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ شہر امروہہ کی تبلیغی جماعت کے (۴۲) سال تک ایک فکر منداور فعال امیر رہے، جس کا اثر ان کے مخلص شاگرد اوران کی فکراور مشن کے حامل مولانا محبّ الحق صاحبؒ پر ہونا امر بدیہی ہے؛ چناں چہ وہ بھی حضرت الاستاذ کے ساتھ جماعت کی کاروائیوں میں شریک رہتے تھے، اس کے امور میں دل چسپی لیتے تھے، جس کا کچھ اندازہ اس بات سے ہوگا کہ ایک مرتبہ آپ اپنے وطن ''پروہی'' (بہار) میں تھے، وہیں حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ کو بذریعہ ڈاک جماعت کی کارکردگی کے تعلق سے بظاہر ایک چھوٹی سی خبر ارسال کی، خط کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

''از امروہہ ۱۶/ دسمبر ۱۹۷۹ء......بسم اللہ

عزیزم مولوی محبّ الحق صاحب

سلام مسنون اور دعا کے بعد مطالعہ کریں (کہ) پہلے آپ کا ایک کارڈ ملا، اس کے بعد لفافہ موصول ہوا، جس کے پتہ پر میرے نام کے بعد غلطی سے محلّہ سرائے کہنہ لکھا گیا تھا۔.........جمعہ کے دن مرکزی گشت آفتاب صاحب کے کہنے پر آپ کی مسجد کے ماحول میں رکھا گیا تھا، میں خود وہاں گیا تھا، یہاں سب (آپ) کو یاد کرتے ہیں۔

والدعاء

نسیم احمد فریدی غفرلہ''

آپ نے کبھی جماعت میں مروجہ انداز میں وقت لگایا یا نہیں؟ اس کا صحیح علم مجھے نہیں ہے؛ لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ اس دعوتی فریضہ کی ادائیگی میں بھی وہ حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ معاون اور خدمت گار کی حیثیت سے رہے ہوں گے۔

انار والی مسجد میں پہلے دعوت وتبلیغ، ہفتہ واری گشت اور جماعتوں کے آنے جانے کا کوئی نظام نہیں تھا، آپ ہی کی کوششوں اور کاوشوں سے یہاں دین کا یہ شعبہ قائم اور

جاری ہوا، اب آپ کے شاگردوں میں سے محلّہ واری جماعت میں کئی متحرک ساتھی ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ (۱۳۱۵ھ=۱۸۹۷ء-۱۴۰۲ھ=۱۹۸۲ء) کی شہرہ آفاق کتاب ''فضائل اعمال'' کی تعلیم بھی اولاً آپ ہی سے یہاں شروع ہوئی، اس کے ساتھ ساتھ دوسری دینی کتابوں کی بھی وقتاً فوقتاً آپ تعلیم دیتے تھے، جیسے حضرت مولانا منظور نعمانیؒ (۱۸/ شوال ۱۳۲۳ھ=۱۸/ نومبر ۱۹۰۵ء - ۲۶، ۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ= ۴، ۵/ مئی ۱۹۹۷ء) کی مشہور و معروف کتاب ''معارف الحدیث'' وغیرہ۔

آس پاس کے محلے کی مساجد کے مقابلے میں اس مسجد کی جماعت اور دعوتی نظام کا ڈھانچہ زیادہ مضبوط اور سرگرم عمل ہے، جو آپ کی اور آپ کے شاگردوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے، آس پاس کی دیگر مساجد میں جماعت کا کام اسی مسجد سے اور یہاں کے ساتھیوں کی جدوجہد سے شروع ہوا ہے۔

آپ نے ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' دونوں فریضے کو بخوبی انجام دیا، حکمت، تدبیر اور کبھی مناسب سرزنش کے ذریعہ بھی آپ دعوت کا فریضہ انجام دیتے تھے، مناسب تدبیر اور خوبصورت انداز دعوت کی ایک مثال یہ ملتی ہے کہ آپ نے اپنے بہت سے متعلقین کو جو نماز سے دور تھے، اپنی ٹوپی تک عنایت فرمائی تھی؛ تاکہ وہ نماز کی طرف متوجہ ہوں۔

نیز آپ منکر پر نکیر بھی فرماتے تھے اور بسا اوقات صرف دل سے برا جان لینے پر اکتفا نہیں فرماتے؛ بلکہ عملی طور پر اسے روکنے کی کوشش فرماتے تھے، جیسے شب براءت کے موقع پر اگر کوئی پٹاخے وغیرہ بیچ رہا ہوتو اس کی دوکان ختم کروا دیتے۔ رمضان المبارک کے موقع پر اگر چائے یا طعام کا کوئی ہوٹل دن میں کھولنے کی کوشش کرتا تو اس کے پاس جا کر اسے سمجھاتے اور اس کی دوکان بند کرواتے۔ آپ کی زندگی تک ان چیزوں پر پابندی سے عمل ہوتا تھا؛ لیکن اب سنا ہے کہ صورت حال بدل چکی ہے، اللہ پاک سب کو دین پر قائم رکھے۔

سماجی و معاشرتی خدمات

اسی طرح بہت سے دینی، رفاہی اور اصلاحی کام آپ نے یہاں کیے، عام طور پر

لوگ اپنے دینی مسائل کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور سماجی مسائل کے تصفیہ کے لیے بھی آپ کے پاس آتے تھے، آپ ان کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کرتے، جسے دونوں فریق بہ خوشی قبول کرتے تھے، اس طرح بہت سے گھریلو، خاندانی، تجارتی، معاشرتی اور سماجی مسائل آپ نے فیصل کیے ہیں، آپ ہمیشہ حق اور سچ کا ساتھ دیتے تھے؛ خواہ دوسری جانب آپ کا کوئی کتنا ہی قریبی یا بااثر اور صاحب حیثیت شخص کیوں نہ ہو، آپ فرماتے تھے کہ یہ اصحاب ثروت وتجارت اگر اپنا تجارتی نشان (Trade mark) بھی میرے نام رجسٹرڈ کردیں تب بھی کسی غلط کام کی تائید میں مجھے اپنا ہم نوا نہیں بنا سکتے۔ ان شاء اللہ۔

آپ نے دور اندیشی اور اپنے مقام ومرتبہ کو کام میں لاتے ہوئے بہت سے ٹوٹتے خاندان اور بکھرتے گھروں کو جوڑا ہے؛ آج تک یہاں کے لوگ آپ کی کمی شدت سے محسوس کرتے ہیں اور جب بھی کوئی غم یا خوشی کا موقع آتا ہے، تو آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔

قاضی نکاح

قاضی نکاح کی حیثیت سے بھی آپ کو کافی شہرت تھی، شہر کے بڑے قاضیوں میں آپ کا شمار تھا، ہزاروں نکاح آپ نے پڑھائے ہیں، آپ کے نام سے ذاتی نکاح نامہ (نکاح کا رجسٹر) تھا، بہت دور دور سے لوگ اس سلسلہ میں آپ سے رجوع ہوتے تھے، بہت سے آپ سے نکاح پڑھوانے کو باعث سعادت سمجھتے تھے، آپ کے شاگرد اور متعلقین جن کا ایک بڑا حلقہ ہے، وہ بہت اہتمام سے نکاح خوانی کے لیے آپ کو مدعو کرتے تھے۔

❑❑❑

تیسری فصل

تعارف: تصنیفات وتالیفات

از: مفتی امانت علی قاسمی صاحب
استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند

مولانا محبّ الحقؒ کی زندگی کے چند روشن نقوش

آج کا دور میڈیائی دور ہے، جس میں لوگ کام کم کرتے ہیں اور شہرت زیادہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؛ اس لیے لوگ اپنے ناقص اور ادھورے کاموں کو بھی ترتیب دے کر یا اخبارات میں شائع کرا کر مصنف اور قلم کار کی فہرست میں جگہ بنانا چاہتے ہیں؛ لیکن نام و نمود اور اس تشہیری دور میں بھی کچھ خاصان خدا اور اللہ کے نیک بندے ایسے ہیں، جو گم نامی کی زندگی گزارتے ہیں اور اپنی علمی اور تحقیقی خدمات پر صلہ اور داد کی طلب کے بغیر اپنے فکر وفن کو عام کرتے رہتے ہیں، انہیں نیک اور اللہ کے مقبول ومحبوب بندوں میں مولانا محبّ الحق صاحبؒ بھی ہیں۔

مولانا مرحوم جس خاموشی اور گوشۂ تنہائی میں علم وتحقیق کی شمع روشن کیے ہوئے تھے، شاید احقر ان سے واقف بھی نہ ہوسکتا؛ لیکن مشیت ایزدی نے احقر کے لیے ان کی فکر ونظر سے استفادہ مقدر کر رکھا تھا، جس کی سبیل یہ ہوئی کہ مولانا مرحوم کے علمی جانشین، فکر ارجمند کے حامل، آپ کے فرزند نیک بخت جناب مفتی امدادالحق بختیار صاحب، جو دارالعلوم حیدرآباد میں کئی سال سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، وقتاً فوقتاً اپنے والد صاحب کی تازہ تصنیف لاکر ازراہ محبت دے دیا کرتے تھے، انہیں تصنیفات کے واسطے

سے مولانا مرحوم کی زندگی تک رسائی ہوئی اور یہی ان سطور کے لکھنے کی تحریک بنیں۔

احقر کو نہ مولانا مرحوم کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل رہا ہے اور نہ ہی کبھی ان کی زیارت سے بہرہ ور ہوا ہے؛ اس لیے ان کی زندگی اور ان کے اخلاق واوصاف پر خامہ فرسائی کرنا ''ہوا میں وار'' کرنے کے مترادف ہے؛ البتہ ان کی تصانیف پر حضراتِ علماء کی تقاریظ وتبصرے اور ان کی وفات کے بعد ان کی حیات وخدمات پر شائع ہونے والے مضامین سے احقر نے چند باتیں اخذ کی ہیں، وہ قارئین کی نظر کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) اکثر حضرات نے مولانا مرحوم کی سادگی، تصنع سے عاری ان کی زندگی پر روشنی ڈالی ہے، مولانا مرحوم کے ایک شاگرد اور عینی مشاہد جناب مولانا اسلم امروہی صاحب لکھتے ہیں:

> ''موصوف فطرۃً بڑے نیک، متواضع، منکسر المزاج اور بہت کم گو تھے، کوئی بات معلوم کی جاتی تو بتادیتے ورنہ خاموش رہتے۔ یہ چیز بھی آپ کو اپنے شیخ ومرشد، محسن ومربی حضرت فریدیؒ سے ورثے میں ملی تھی۔ بہت سادہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اکثر کرتے وتہبند میں ہی نظر آتے۔''

(۲) مولانا کی زندگی سے جو اہم بات ہمیں ملتی ہے، وہ استاذ وشاگرد کا اٹوٹ رشتہ ہے، یہ چیزیں اب عنقاء ہوچکی ہیں، شاگرد اپنے استاذ کے کہنے پر اپنی پوری زندگی قربان کردے اور اپنے وطن کے بجائے استاذ کے وطن کو ہی اپنا وطن بنالے، وہ بھی کسی مادی فائدے اور ذریعۂ معاش کی امید کے بغیر، اس کی مثال اب شاید بہت کم ملے گی؛ لیکن جن حضرات نے اپنے آپ کو اس طرح فنا کیا ہے، اللہ تعالی نے انہیں مقبولیت اور محبوبیت دونوں سے نوازا ہے۔

اگر مولاناؒ امروہہ میں اپنے استاذ کی خدمت کو چھوڑ کر ہندوستان کے کسی بھی شہر کو اپنا وطن ثانی بناتے، تو ممکن ہے کہ انہیں دولت کا ذخیرہ مل جاتا؛ لیکن شاید یہ مقبولیت اور نیک نامی انہیں میسر نہ آتی اور علمی وتحقیقی کام کی اس درجہ توفیق نہ ملتی، سچ کہا ہے کسی نے کہ

''والدین کی خدمت سے رزق میں برکت ہوتی ہے اور استاذ کی خدمت سے علم میں، یا والدین کی خدمت سے دولت ملتی ہے اور استاذ کی خدمت سے علم اور دولت دونوں کا حصول ہوتا ہے۔''

(۳) مولانا کی زندگی سے علمی انہماک اور علم کے لیے سب کچھ فنا کر دینے کا سبق ملتا ہے، انہوں نے اپنے استاذ کی طرح علم کے حصول اور اس کی ترویج واشاعت کو ہی اپنا مقصد زندگی بنایا تھا، مولانا علی میاںؒ نے ان کے استاذ مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے بارے میں جو لکھا ہے:

''تصنیف وتالیف کرنے والے بہت مل جائیں گے، لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق ہی نہیں؛ بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفا، سب کچھ ہو، وہ مولانا نسیم احمد فریدیؒ تھے۔''

مولانا مرحوم کی زندگی میں بھی اس کا گہرا عکس پایا جاتا تھا۔

(۴) مولانا کا علمی اور قلمی کارنامہ ہم سب کے لیے قابل رشک ہے، وسائل کی قلت کے باوجود کتابیں ترتیب دینا اور اس کی اشاعت کا انتظام کرنا، کوئی معمولی کام نہیں ہے، مولاناؒ کی تحریر میں سادگی وسنجیدگی کا عنصر غالب ہے، ان کے حواشی تحقیقی اور معلوماتی ہیں، ان کی کتابوں میں ان کے اخلاص کی شیرینی ملی ہوئی ہے؛ اس لیے قاری کو الفاظ کے سادہ ہونے کے باوجود لطف وحلاوت محسوس ہوتی ہے، جس کا اظہار حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ اور مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب نے بھی اپنے مکتوب میں کیا ہے۔

ذوق نے کیا ہی خوب کہا ہے:

اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت
زندہ قلم سے نام قیامت تلک ہے ذوق

مولانا محب الحق صاحبؒ کو اپنے استاذؒ کی وراثت میں جو سب سے قیمتی سرمایہ ملا تھا، وہ تصنیفی ذوق ہے، تصنیف وتالیف انسان کو زندہ وجاوید بنا دیتی ہے، تصنیف کے اثرات دوررس اور اس کے نتائج گہرے ہوتے ہیں، تصنیفی خدمات کی بنیاد پر انسان کی علمی ضیاپاشی برسہا برس تک جاری رہتی ہے، مولانا محب الحق صاحبؒ ان خوش نصیب لوگوں میں

سے ہیں، جن کے خامۂ زرنگار سے ایک درجن سے زائد کتابیں منصۂ شہود پر آ کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں، بعض کتابیں زیرِ ترتیب تھیں کہ خالقِ حقیقی کا بلاوا آ گیا اور مولاناؒ کے بعض حسین خواب شرمندہ تعبیر ہونے سے رہ گئے، امید کہ مولاناؒ کے سپوت، ان کے علمی وارث وامین اور مولانا کے حقیقی جانشین مولانا امداد الحق بختیار استاذ حدیث دار العلوم حیدر آباد اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں گے اور مولاناؒ کی روح کی تسکین کا ذریعہ بنیں گے۔

مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی جو کتابیں اب تک چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں، ان کو اہل علم نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، وقت کے مشہور شہسواران قلم اور اقلیم سخن کے تاجداروں نے اپنی قیمتی تقاریظ وتبصرے سے کتاب کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

اس کی وضاحت ضروری ہے کہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ کو اپنے استاذؒ سے جس درجہ گہرا عشق تھا اور اپنے استاذ ومربی کے ساتھ الفت ومحبت کی جو مثال مولاناؒ نے قائم کی ہے، اس صدی میں شاید اس کی نظیریں بہت کم ملیں گی، مولاناؒ کے تقریباً خاکہ نگاروں نے اس پہلو پر خامہ فرسائی کی ہے اور مولاناؒ کی زندگی کے اس گوشے کو اجاگر کیا، یہی وجہ ہے کہ مولاناؒ باوجودیکہ تصنیف وتالیف کا عمدہ اور پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، تحقیق وجستجو انہیں اپنے استاذ سے وراثت میں ملی تھی؛ لیکن انھوں نے اپنی تصنیفی زندگی کا مقصد اپنے مربی مولانا نسیم احمد صاحب فریدیؒ کے علوم ومعارف کی اشاعت کو بنایا تھا، انھوں نے اپنے استاذ کے منتشر اوراق کو ترتیب وتحقیق کی لڑی میں پرو کر ان کے معارف وحقائق کو زندہ کیا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر شاگرد، استاذ کے ذریعہ باکمال ہوتا ہے، تو بعض مرتبہ استاذ کو علمی افق پر روشناس کرانے والے بھی ان کے شاگرد ہوتے ہیں، مولانا نسیم احمد فریدیؒ اپنی تواضع وانکساری کی بناء پر گمنامی کو شہرت پر ترجیح دیتے تھے؛ لیکن مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے ان کے علمی شہ پاروں کو منظر عام پر لا کر ان کی زندگی کو تابندگی دی ہے، ان کے نام کو شہرت کی اوج پر پہونچا کر بڑے مصنفوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے، اس کے علاوہ مولاناؒ کی کئی ذاتی کتابیں بھی ہیں، جن سے مولانا محبّ الحق صاحبؒ کے تصنیفی ذوق، تحقیقی مزاج اور تخلیقی ذہن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ذیل میں مولاناؒ کی تصنیفی خدمات کا ایک سرسری

جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

فیضان نسیم

ایک سعادت مند شاگرد اپنے استاذ کو ان کی وفات کے بعد جو قیمتی تحفہ دے سکتا ہے، اس میں اہم تحفہ یہ ہے کہ حضرت الاستاذ کے علوم ومعارف کو زندہ کرے، ان کی پاکیزہ زندگی سے قوم کو روشناس کرائے؛ تاکہ دنیا سے ان کے روپوش ہوجانے کے بعد بھی حکمت ومعرفت سے لبریز ان کی مبارک زندگی لوگوں کے سامنے ہو اور ان کا علمی فیضان جاری وساری رہے۔

مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے ''فیضان نسیم'' کے ذریعہ اپنے استاذ کو یہی قیمتی تحفہ پیش کیا ہے اور تقریباً ساڑھے تین سو (۳۵۰) صفحات پر مشتمل ان کی سوانح عمری لکھی ہے، جس میں مولانا نسیم احمد صاحبؒ کی زندگی کا پورا عکس جمیل دکھائی دیتا ہے، اس کتاب میں مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات کو انتہائی خوش اسلوبی سے اور سادگی کے ساتھ جمع کردیا گیا ہے، زبان سادہ اور سہل ہے؛ لیکن عشق وعقیدت اور خلوص ومحبت سے لبریز ہے، سوانحی خاکہ میں جامعیت ہے، ولادت سے وفات تک تقریباً ہر پہلو کا احاطہ کیا گیا ہے، عام طور پر استاذ اور پیر ومرشد کی سوانح نگاری میں مبالغہ آرائی کا عنصر غالب نظر آتا ہے اور ایسی باتیں بھی صفحہ قرطاس پر آجاتی ہیں، جن سے صاحب سوانح کا دور تک کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی مرتب کردہ اپنے استاذ کی سوانح میں؛ اگرچہ عشق ومحبت کا عنصر ہے؛ لیکن مبالغہ آرائی نہیں؛ بلکہ حقیقت کا اظہار، محبت کی زبان میں کیا گیا ہے، یہ اس سوانح کی اہم خصوصیات میں سے ہے؛ ورنہ عام طور پر سوانح عمری میں حقیقت کو نظر انداز کرکے، صاحب سوانح کی زندگی کو مقام رفیع تک پہونچادیا جاتا ہے۔

''فیضان نسیم'' کا دوسرا حصہ ملفوظات پر مشتمل ہے، جو تقریباً (۱۲) صفحات پر محیط ہے، جب انسان علم ومعرفت کے اس اسٹیج پر پہنچ جائے کہ اس کی زبان سے ہروقت حکمت ومعرفت کی باتیں نکلتی ہوں تو ان کے متعلقین ان کے ان ملفوظات کو قلم بند کرلیتے ہیں؛ تاکہ

زندگی کے ہر موڑ پر ان ملفوظات سے استفادہ کیا جا سکے، مولانا فریدیؒ کے ملفوظات بڑے سبق آموز اور دل چسپ ہیں، ان کا ایک ملفوظ ملاحظہ فرمائیں:

> ''تنقید ہونی چاہیے، تنقیص نہیں ہونی چاہیے، تنقید میں خوبی اور خرابی دونوں پہلوؤں کا اظہار ہے اور تنقیص میں صرف ایک پہلو (خرابی) کا اظہار ہے''۔

''فیضان نسیم'' کا تیسرا حصہ ''مکتوبات'' پر مشتمل ہے، جس میں مکتوبات کی تعداد (۱۷۱) ہے، پہلے دو مکتوب مولانا منظور نعمانیؒ کے نام ہیں، اخیر میں (۳۵) مکتوب الحاج ظہیر عالم صاحب شمسی مرادآبادی کے نام ہیں، مکتوبات کے ضمن میں جن حضرات کا تذکرہ آیا ہے، مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے حاشیہ میں ان کا تعارف بھی کرا دیا ہے، جس سے خط کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

مقالات فریدی (تین جلدیں)

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ، شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کے ان شاگردوں میں ہیں، جن کی زندگی تحقیق وجستجو سے عبارت ہے، مولانا علم وعمل کے پیکر اور قلم کی دنیا کے شہنشاہ تھے، مولانا علی میاںؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''ان کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں ان کی فنائیت ہے، علم سے ان کو وہی تعلق تھا، جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے، علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف وتالیف کرنے والے بہت مل جائیں گے، لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق ہی نہیں؛ بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفا، سب کچھ ہو وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔'' (الفرقان ''فریدی نمبر'' ص ۴۶)

مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں:

> ''مولاناؒ کا خاص محبوب موضوع امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلے کے اکابر ومشائخ، مصلحین امت

کا تذکرہ، ان کی سوانح حیات اور ایمان افروز مکتوبات، عہد حاضر کے اردو خواں طبقے کے لیے سادہ، سلیس، دل کش اور دل نشیں اردو زبان میں منتقل کرنا ہے۔'' (مقالات فریدی ۷/۳)

مقالات فریدی، ان مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے، جس میں مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علمائے دیوبند کی خدمات و کارنامے اور اکابر دیوبند کے حالات وکمالات کو انتہائی بسط وتفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے، مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ملک کے موقر رسالوں میں ان مقالات کو شائع کرایا تھا؛ لیکن یہ مقالات رسالوں میں چھپنے کے بعد مرور ایام کے ساتھ اہل علم کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے اور اس سے استفادہ مشکل تر ہو چکا تھا، اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے مولانا محبّ الحق صاحبؒ کو کہ انہوں نے ان تمام مقالات کو یکجا کر کے تین (۳) جلدوں میں ادارہ ادبیات، دلی سے شائع کرایا ہے، تینوں جلدوں کے مجموعی صفحات کی تعداد سات سو (۷۰۰) سے متجاوز ہے اور مقالات کی مجموعی تعداد چالیس ہے۔

حضرت مرتبؒ نے مقالات پر جا بجا ضروری، مفید، معلوماتی اور گراں قدر تحقیقی حاشیے بھی تحریر کیے ہیں، جن سے کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے اور کتاب کے تحقیقی معیار میں مزید اضافہ ہوا ہے، اسی طرح ہر مقالہ کے شروع میں ایک فٹ نوٹ دیا گیا ہے، جس میں اس کی وضاحت کی ہے کہ مذکورہ مقالہ کب اور کس پس منظر میں لکھا گیا ہے اور کہاں سے لے کر اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے، تینوں جلد میں ملک کے مشہور صاحب قلم اور انشاء پرداز ادیب مفتی محمد سلمان منصور پوری کا تعارف اور مولانا عبد الحمید نعمانی کا تبصرہ بھی ہے، تینوں جلد کے چند اہم مقالات کے عنوانات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں، جس سے کتاب کی اہمیت پر روشنی پڑے گی:

(۱) شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا خاندان (۳) حضرت نانوتویؒ کی شاعری (۴) آثار شیخ الہندؒ (۵) آزاد کی کہانی نقد ونظر کی کسوٹی پر (٦) حضرت نانوتویؒ کی آخری یادگار (مولانا حافظ عبد الرحمٰن امروہیؒ) (۷) مجدد الف ثانیؒ

کا تجدیدی کارنامہ (۸) حضرت شیخ الاسلامؒ کی جامعیت (۹) ایک عظیم شخصیت ایک اجمالی مطالعہ (شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ) (۱۰) تذکرہ خلفاء مجدد الف ثانیؒ (۱۱) حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ (۱۲) مشائخ چشتیہ اور سماع مزامیر (۱۳) حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ کی چند خصوصیات (۱۴) حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے تبرکات (۱۵) سید احمد شہیدؒ پر ایک طائرانہ نظر۔

سیرت ذوالنورین

یہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ کا تصنیف کردہ (۶۳) ورقی رسالہ ہے، جس میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمانی غنیؓ کے حالات کو مختصر اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے، اختصار اور جامعیت کے اس توازن کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''دریا کو کوزے میں سمانے کی کوشش کی گئی ہے'' زبان عام فہم اور سہل ہے، عوام الناس کے لیے خلیفۂ ثالثؓ کی زندگی کو پڑھنے اور معلوم کرنے کے لیے مفید کتاب ہے، رسالہ کے افتتاحیہ میں وجہ تصنیف پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے:

> ''امت مسلمہ نے ایک زمانے تک ان سے (حضورؐ اور صحابہؓ کی سیرت سے) استفادہ کیا اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں ان سے رہنمائی حاصل کی؛ چناں چہ وہ زمانہ امت کا بہترین زمانہ قرار پایا؛ مگر رفتہ رفتہ امت حضور ﷺ کی سیرت کے ان قابل عمل حصوں سے دور ہوتی چلی گئی اور یہ دوری اتنی بڑھی کہ سیرت نبوی اور سیرت صحابہ کے انتہائی ضروری اور سبق آموز پہلو بھی نظروں سے اوجھل ہوگئے؛ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک بار پھر سلسلہ وار ان مقدس ہستیوں کا تعارف اور ان کی زندگی کے قابل عمل پہلوؤں اور ان کے بے نظیر کارناموں کو امت کے سامنے پیش کیا جائے؛ تاکہ یہ دوری کسی قدر کم ہوسکے، اسی کے پیش نظر عاجز نے حضرت عثمان غنیؓ کے سوانحی خاکہ پر مشتمل ایک رسالہ بنام ''سیرت ذوالنورین'' تیار کیا۔''

پیش نظر رسالہ کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے

اسے کئی بار لفظاً لفظاً سنا اور اس میں ترمیم واضافہ بھی کیا ہے، اسی طرح مولانا طاہر حسین صاحبؒ شیخ الحدیث جامع مسجد امروہہ، مولانا عبد الغفور سنبھلی استاذ حدیث جامع مسجد امروہہ کی تقریظ اور مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ کے تأثرات اور مفتی سلمان منصور پوری کے تعارف وتبصرے سے رسالہ کی رونق اور بڑھ گئی ہے۔

جواہر پارے

قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا قاسم نانوتویؒ ''ابوحنیفۂ عصر'' کہا کرتے تھے، حضرت گنگوہیؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم ومعارف کا گنجہائے گرانمایہ عطا فرمایا تھا، جس سے پورا عالم آج تک علم کی تشنگی بجھا رہا ہے، حضرت گنگوہیؒ کو بالخصوص حدیث، فقہ اور سلوک وتصوف میں اللہ تعالیٰ نے امامت کے منصب پر فائز کیا تھا، حضرت گنگوہیؒ کی تحریرات کی طرح ان کے مکتوبات بھی انتہائی معنی خیز اور علوم ومعارف سے لبریز ہیں اور یہ مکتوبات نہ صرف وقتی ضرورت اور تقاضے پورے کرتے ہیں؛ بلکہ ہر دور میں ان کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے؛ اسی لیے حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات کو جمع کرنے اور شائع کرنے کا حد درجہ اہتمام کیا گیا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، انہیں طبع شدہ مکتوبات میں سے اور اس کے علاوہ چند غیر مطبوعہ مکتوبات میں سے تصوف اور احسان سے متعلق تقریباً (۲۰) حضرات اکابر کے نام تحریر کیے گئے مکتوبات کا اختصار وانتخاب کر کے مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ''الفرقان'' لکھنؤ میں (۱۵) قسطوں کو ''جواہر پارے'' کے عنوان سے شائع کرایا تھا، مولانا محب الحق صاحبؒ نے ''الفرقان'' میں شائع شدہ ان مکتوبات کو اور اس کے علاوہ ماہنامہ ''نظام'' کانپور میں حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ اور مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہیؒ کے نام مکتوبات کو کتابی شکل میں ''جواہر پارے'' کے نام سے شائع کیا ہے، ان مکتوبات میں بعض فارسی مکتوبات کا ترجمہ کیا گیا ہے اور تلخیص وحواشی کا کام بھی مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ہی کیا ہے، بعض بعض جگہ تمہید کے عنوان سے مکتوبات کے سلسلے میں وضاحت بھی کی گئی ہے، اسی تمہید کے ضمن میں حکیم اشرف علی سلطان پوری کے حالات بھی درج ہیں،

لیکن بعض مقامات پر مولانا محبّ الحق صاحبؒ کے بھی مفید اور قیمتی حواشی درج ہیں، جبکہ بعض حاشیے تفصیلی بھی ہیں، جس میں مکتوب الیہ کے مختصر حالات ذکر کیے گئے ہیں۔

مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کی سوانح کو بھی ایک اچھوتے اور نرالے انداز میں ذکر کیا ہے، تقریباً (۱۰) صفحات پر مشتمل حضرت گنگوہیؒ کے اس سوانحی خاکہ کو پڑھنے سے مولانا محبّ الحق صاحبؒ کے تحریری ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے اور اکابر دیوبند کی سیرت وسوانح سے ان کی گہری واقفیت بھی آشکارہ ہوتی ہے۔

اس کتاب پر عصر حاضر کے عظیم محقق مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی اور مظاہر علوم سہارن پور کے مہتمم مولانا شاہد صاحب کے تاثرات اور مولانا زین العابدین صاحبؒ سابق صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کی تقریظ نے جہاں کتاب کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، وہیں مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی علمی وتحقیقی کاوشوں کو بھی سراہا ہے۔

زیارتِ حرمین

سفر نامہ ایک دل چسپ موضوع ہے اور سفر ناموں میں ''سفر نامہ حج'' دل چسپ کے ساتھ ساتھ ایک مقدس موضوع ہے، جب کوئی حج کا مقدس فریضہ ادا کرتا ہے، تو ہر کوئی ملنے والا سفر کی روداد بڑے ہی ذوق وشوق سے سنتا ہے، کسی بھی سفر کی روداد اس دل چسپی سے سننے کا ماحول نہیں ہے، جتنا کہ سفر حج کو جذبہ عشق ومحبت میں ڈوب کر سننے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی طرح سفر نامہ حج کو پڑھنے کا بھی اسی عشق وعقیدت کے ساتھ اہتمام کیا جاتا ہے؛ خصوصاً وہ سفر نامہ حج، جو کسی عاشق دردمند یا کسی صاحب فکر ودانش نے اپنی اندرونی کیفیات اور قلبی احساسات سے سرشار ہوکر مرتب کیا ہو۔

سفر حج کی اصل غایت تو فریضۂ حج کی ادائیگی، دیار محبوب کی زیارت، اپنے دیرینہ خوابوں کی تکمیل اور روضۂ رسول پر حاضری ہے، ان سب پر مستزاد دینی اور روحانی کامرانیوں سے اپنے آپ کو ہم کنار کرنا ہے، مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''اکابر نے اس سفر کو بڑا عظیم الشان، دینی وروحانی کامرانیوں اور ترقیات کا ذریعہ بنایا ہے، جن کے واقعات آج تک ایمان میں تازگی، روح میں

بالیدگی، ہمت میں بلندی اور طبیعت میں عشق ومحبت کی چنگاری پیدا کردیتے ہیں۔‘‘ (زیارت حرمین)

ایک صاحب دل اور صاحب قلم جب یہ مقدس فریضہ ادا کرتا ہے، تو اس کی آرزو اور تمنا ہوتی ہے کہ اس مقدس سفر کو صفحہ قرطاس پر منتقل کردے؛ تاکہ خود بھی زندگی کے ہر مرحلے میں ان اوراق کو پڑھ کر اپنے عشق ومحبت کو تازگی بخشے اور اپنے احساسات وجذبات کی چنگاریوں کو ہوا دیتا رہے اور دوسرے لوگ بھی اس سفرنامہ کو پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ اور اپنی روح کو زندہ کریں؛ یہی وجہ ہے کہ سفرنامۂ حج کے لکھنے کا عام رواج ہوگیا ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدیؒ جب ۱۹۶۱ء میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، تو واپسی پر انھوں نے اپنے قلم معجز رقم سے حرمین شریفین کی داستان الفت ومحبت کو صفحۂ قرطاس پر نجوم وکہکشاں کی طرح سجادیا، جس سے ہر پڑھنے والا جھوم جھوم اٹھے گا، مولانا فریدیؒ نے اپنے اس سفرنامہ کو قسط وار ’’الفرقان‘‘ میں شائع کرایا تھا، سبزہ طیبہ کی یہ عطر فشانیاں ’’الفرقان‘‘ کی فائلوں کی زینت ضرور تھیں، لیکن لوگوں کے دلوں میں عشق ومحبت کی گرمی پہونچانے سے قاصر تھیں۔

مولانا فریدیؒ کے خادم خاص حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے ان کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے، اور مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے نہ صرف یہ کہ تمام قسطوں کو ترتیب دے کر شائع کردیا ہے، بلکہ اپنی علمی وتحقیقی اور تخلیقی کاوشوں سے کتاب کو مفید تر بنایا ہے، کتاب کے شروع میں تقریباً (۱۰) صفحات پر مشتمل افتتاحیہ لکھا ہے، جس سے تحقیق اور تاریخ پر ان کی دسترس کا پتہ چلتا ہے، افتتاحیہ میں مرتبؒ نے مولانا علی میاں ندویؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سفر حج کے دیگر مقاصد کے ساتھ ایک اہم مقصد تحصیل علم بھی ہے؛ چناں چہ انھوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد سے حضرت نانوتویؒ تک پوری تاریخ ذکر کی ہے، افتتاحیہ کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

’’تاریخ شاہد ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد مکہ معظّمہ ایک بار پھر اہل علم کا محور ومرکز بن گیا تھا اور مسجد حرام میں درس وتدریس کے متعدد

حلقے قائم تھے، اس عہد میں عبداللہ بن عباسؓ نے چاہ زمزم کے قریب اپنی نشست گاہ مقرر کی اور درس کا حلقہ قائم ہوا، جس کی شہرت ملک کے کونے کونے میں پہونچی اور مختلف اطراف کے طلبہ شریک ہوئے اور اس حلقۂ درس میں مجاہد، طاؤس، یمانی، سعید بن جبیر کوفی، سلیم بن یسار مدنی اور ابوزبیر جیسے ائمہ تفسیر وحدیث وفقہ فیضیاب ہوئے، عبداللہ بن عباسؓ کے بعد مکہ مکرمہ میں مجاہد، عطا، ابوزبیر اور عمرو بن دینارؒ کے حلقہ ہائے درس و تفسیر قائم ہوئے، جن میں امام ابوحنیفہ، امام ثوری، ابن عیینہ، مسلم بن خالد، امام اوزاعی اور امام مالکؒ وغیرہ جیسے اساطین علم شریک ہوکر علم کی دولت سے مالا مال ہوئے۔''

غرضیکہ اس کتاب کا افتتاحیہ انتہائی محققانہ اور تاریخی مواد سے مزین ہے، اسی طرح مرتبؒ نے ''سفرنامہ کی جھلکیاں'' کے عنوان سے سفرنامہ کے بعض حصے کا اختصار پیش کیا ہے، جو کتاب کے پڑھنے کی طرف راغب کرتا ہے، ان سب پر مستزاد یہ کہ مولانا فریدیؒ کے مختصر حالات زندگی اپنے گوہر قلم سے لکھ کر حضرت فریدیؒ کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔

مرتبؒ کا سب سے اہم کارنامہ اس کتاب پر ان کا حاشیہ ہے، حاشیہ تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، حاشیہ کو دیکھ کر حضرت مرتبؒ کے تبحر علمی، وسعت معلومات اور اکابر ومشائخ کی سیرت سوانح سے گہری واقفیت کا پتہ چلتا ہے، کتاب پر بہت سے اہل علم نے اپنے تاثرات اور قلبی وارفتگی کا اظہار کیا ہے؛ بالخصوص جنید اکرم فاروقی کا ''نسیم موج دل کشاں'' اور مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کا ''سخنے از سخن ناشناس'' انتہائی دل چسپ اور معلومات افزا ہے۔

حضرت مرتبؒ نے اپنے افتتاحیہ کا اختتام اس شعر پر کیا ہے:

اے فریدیؔ ہے عبث تم کو مقدر کا گلہ		شوق دل پیدا تو کرتے پھر مقدر دیکھتے

حکیم الامت کی محفل ارشاد

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اللہ تعالی کے ان مقبول

بندوں میں ہیں، جن کے علمی واصلاحی فیضان کا سلسلہ گذشتہ صدی میں سب سے زیادہ عام ہوا ہے، حضرت تھانویؒ کو اللہ تعالی نے تمام علوم وفنون میں یکتائے زمانہ بنایا تھا، ان کے تجدیدی کارنامے اور اصلاحی خدمات پر روشنی ڈالنے کے لیے ایک دفتر بھی ناکافی ہوسکتا ہے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ''دارالعلوم کی پچاس مثالی شخصیات'' میں فرماتے ہیں:

> ''حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اپنے فیض علمی وروحانی سے ایک عالم کو مستفید کیا، لاکھوں گمراہ انسانوں کو دیندار اور پرہیز گار بنایا، سلوک و تصوف کے ذریعہ ایسی اصلاح عقائد واعمال کی کہ حیرانی ہوتی ہے گذشتہ صدی میں ہندوستان کے کسی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد ان سے بے نیاز نہیں رہے، ہندوستان کے دو بڑے تعلیمی ادارے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اکثر وبیشتر عمائدین حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور دوسرے اکابر دیوبند سے مستفیض ہوئے، ان میں سید سلیمان ندویؒ مولانا عبدالباری ندویؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جو حکیم الامت سے فیضیاب ہوئے۔''
>
> (حکیم الامت کی محفل ارشاد)

حضرت تھانویؒ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات علم وحکمت کی دربیش بہا ہوا کرتی تھی؛ اسی لیے حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کی جس قدر اشاعت ہوئی ہے، ماضی قریب میں کسی بزرگ کے مواعظ وملفوظات کو اس درجہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ ''حکیم الامت کی محفل ارشاد'' درحقیقت ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ملفوظات کا پراثر اور روح پرور انتخاب ہے، کتاب کے تین حصے ہیں، پہلا حصہ ''حکیم الامت کی محفل ارشاد'' کے نام سے ہے، جسے حضرت تھانویؒ کے مجموعہ ملفوظات ''الافاضات الیومیہ'' اور جدید ملفوظات سے مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے انتخاب کر کے ''الفرقان'' میں تیرہ (۱۳) قسطوں میں شائع کرایا تھا، دوسرا حصہ ''ارشادات حکیم الامت'' کے عنوان سے ہے، جس میں ''حسن العزیز''

(چار جلدیں) سے انتخاب کر کے ''الفرقان'' میں دس (۱۰) قسطوں میں شائع کرایا تھا، تیسرا حصہ ''مجالس لکھنؤ'' کے نام سے ہے، جو ''جمیل الکلام'' (مرتبہ جمیل احمد تھانویؒ) اور ''اسعد الابرار'' (مرتبہ مولانا ابرارالحق حقیؒ ہردوئی، بہ تصحیح مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور) سے ماخوذ ہے۔

مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے ملفوظات کے ان در نایاب کو ترتیب وتہذیب کی لڑی میں پرو کر انسانیت کی اصلاح کا ایک بہترین زیور عطا کیا ہے، مولانا عبدالحمید نعمانی (سابق سیکریٹری جمعیت علماء ہند) کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حکیم الامت کی محفل ارشاد درحقیقت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کی متعدد جلدوں سے منتخب کردہ کارگر اور پراثر اور روح پرور ملفوظات ہیں، جو نتیجہ ہیں مولانا نسیم احمد فریدیؒ کی محنت وکاوش کا، حضرت فریدیؒ کو اپنے حلقے اور سلسلے کے اکابر واسلاف سے انتہائی تعلق تھا، وہ اس کے لیے بے قرار رہتے تھے کہ ان کی ورق ورق روشن باتوں کو لوگوں تک پہونچایا جائے، اگرچہ زیر تبصرہ کتاب ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات سے مختصر انتخاب ہے؛ تاہم بہت کام کا اور جاندار انتخاب ہے؛ گویا عطر کشید کر کے رکھ دیا ہے، کتاب کے جامع ومرتب مولانا محبّ الحق لائق تبریک وتحسین ہیں کہ انہوں نے حضرت فریدیؒ کے انتخاب کو ''الفرقان'' کے متفرق ومختلف شماروں کے دفینے سے نکال کر سفینے کی شکل میں پیش کیا ہے۔''

مرتب نے کتاب کو مفید اور قابل استفادہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، جگہ جگہ انتہائی مفید اور معلومات افزا حواشی کا اضافہ کیا ہے، جنہیں پڑھ کر حضرت مرتب کی مورخانہ صورت کی جلوہ گری سامنے آتی ہے، کتاب کے افتتاحیہ میں انہوں نے حضرت تھانویؒ کے مختصر حالات زندگی قلم بند کیے ہیں اور اپنے افتتاحیہ کو سید سلیمان ندویؒ کے اس شعر پر ختم کیا ہے:

چاہا خدا نے تیری محفل کا ہر چراغ یوں ہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

مکتوباتِ مشاہیر

خطوط اور مکتوبات کا تعلق عام طور پر شخصی ہوتا ہے، جس میں انسان مکتوب الیہ سے ذاتی طور پر گفت شنید کرتا ہے، خطوط میں مکتوب نگار ذاتی طور پر مکتوب الیہ سے مخاطب ہوتا ہے، کسی کے ذہن میں بھی نہیں ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی اسے پڑھے گا، اس کے باوجود مکتوب کی اہمیت قدیم زمانے سے مسلم ہے، عہد نبوی اور عہد صحابہ کے مکتوبات آج بھی انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں، ہندوستان میں مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد شہیدؒ کے مکتوبات علم وعرفان اور حقائق ومعارف کے بہترین نمونے ہیں، اردو میں شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ، سید سلیمان ندویؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ اور شعراء وادباء میں اقبال، غالب، رشید احمد صدیقی اور کلیم عاجز کے مکتوبات قابل مطالعہ ہیں، جس سے نہ صرف اردو کو زندگی ملی ہے؛ بلکہ اردو داں حضرات کے لیے ''مینارۂ نور'' ہیں۔

علمی ودینی حلقوں میں بھی مکتوبات کی اشاعت اور اس سے استفادہ کا ایک خاص رواج ہو چکا ہے، مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی مرتب کردہ کتاب ''مکتوبات مشاہیر'' بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، مولانا محبّ الحق صاحبؒ میں ترتیب وتبویب کا بڑا عمدہ ذوق پایا جاتا ہے، یہ نواب آخون عزیز الٰہی خان صاحبؒ کے نام مختلف اہل علم اور اہل قلم حضرات کے لکھے ہوئے مکتوبات کا مجموعہ ہے، مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے نہ صرف یہ کہ ان مکتوبات کو جمع کر دیا ہے؛ بلکہ مرتب موصوفؒ نے بہت سے مکتوب نگاروں کے تعارف کے ساتھ ان کے کام پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ کام انہوں نے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے کیا ہے۔

مکتوب نگار علماء، صحافی، ادباء اور دانشور حضرات کی تعداد (۷۲) ہے، ان میں سے (۴۲) مکتوب نگاروں کا تعارف کرایا گیا ہے، مکتوب نگاروں میں یہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں: مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری، شاہ وصی اللہ الہ آبادی، عبد الماجد دریابادی، مولانا عبد الباری ندوی، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا زین العابدین قاسمی، مولانا محمد طلحہ صاحب سہارنپوری، مولانا نور الحسن راشد

صاحب۔

مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی نے مکتوبات مشاہیر پر ہفت روزہ الجمعیت میں تبصرہ کیا ہےاوراس کے بعض توجہ طلب گوشوں کی طرف رہنمائی بھی کی ہے۔

سید العلماء

حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ علماء دیو بند کے سرخیل ہیں، ہندوستان میں انگریز حکومت میں جبکہ مدارس کے نام ونشان کو مٹانے کی انتھک کوششیں ہو رہی تھیں ،از سرنو مدارس اسلامیہ کا جال پھیلانا حضرت نانوتویؒ کا ہی عظیم کارنامہ ہے، حضرت نانوتویؒ علم وعمل کے پیکر، اخلاص وللّٰہیت کے بحرِ بے کراں، قافلۂ مجاہدین کے قافلہ سالار، باطل کے لیے شمشیر اور حق کے لیے مرد باتدبیر تھے، آپ نے اپنے شاگردوں کا ایسا سلسلہ چھوڑا، جن کا سیاسی وفکری اور علمی وروحانی فیضان آج بھی جاری ہے، آپ کے شاگردوں میں ہر کوئی علم وعمل اور فکر ونظر کا بحر ذخار ہے۔

انہی ماہ ونجوم میں ایک روشن ستارہ سید العلماء حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ ہیں، جن کی زندگی اور علمی سرگرمیوں میں بالخصوص ان کی تحریروں، تقریروں اور خطوط میں واضح طور پر مولانا نانوتویؒ کے اثرات اور رنگ پائے جاتے تھے، حضرت محدث امروہیؒ اپنے استاذ کے نصب العین پر پوری طرح کمر بستہ تھے، جب بھی باطل فرقوں نے سر اٹھایا، ان کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا، آپ ایک طرف مفسر ومحدث تھے، تو دوسری طرف مبلغ، مقرر، واعظ اور مناظر بھی تھے۔

حضرت نانوتویؒ کی طرح حضرت محدث امروہیؒ کی زندگی اور سیرت اس قابل ہے کہ اس کو پڑھا جائے اور ان کی سیرت اور خدمات کو دیکھ کر اپنے اندر تحریک پیدا کی جائے، ان کے باغ سیرت کے عمدہ پھولوں کو چن کر اس سے لطف اٹھایا جائے اور ان پھولوں کی خوشبوؤں کو اپنے جسم میں بسایا جائے۔

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے محدث امروہی کی سوانح کو قسط وار ماہنامہ دارالعلوم دیو بند میں (۹) قسطوں میں شائع کرایا تھا؛ لیکن یہ ماہنامہ دارالعلوم کی قدیم

فائلوں ہی میں دفن تھیں کہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے ان کو کتابی شکل میں ترتیب دے کر لائبریری کی زینت بنا دیا، مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے حضرت فریدیؒ کے سلسلہ وار مضامین کے ساتھ بہت سے جدید عناوین کا اضافہ بھی کیا ہے۔

انہوں نے کتاب کے افتتاحیہ میں لکھا ہے:

''اس کتاب کے (۸۲) بیاسی عناوین ہیں، جن میں (۳۰) تیس عناوین کا اضافہ کیا ہے اور ساتھ ہی مولانا فریدیؒ کے عناوین میں بھی کہیں کہیں اضافہ کیا ہے، اضافہ میں سب سے بڑا ماخذ ''مکتوبات سید العلماء'' رہی ہے۔''

گویا ایک تہائی سے زائد اضافہ کیا گیا ہے؛ اس لیے اسے حضرت فریدیؒ اور مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی مشترکہ تصنیف کہنا چاہیے، مرتبؒ نے اپنے اضافہ پر فہرست مضامین کے آگے (اضافہ) لکھ کر امتیاز کر دیا ہے، کتاب پر حاشیہ بھی مرتبؒ کا ہی ہے اور انتہائی قیمتی، مفید اور تاریخی معلومات سے بھرپور ہے، ایک حاشیہ میں مولاناؒ نے تحریر کیا ہے:

''بیسویں صدی کا المیہ یہ ہے کہ اس صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کی تین (۳) بڑی شخصیات کے بھائی قادیانی ہو گئے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد کے بھائی ابوالنصر غلام یاسین آہؔ، مولانا محمد علی جوہر کے بھائی ذوالفقار علی گوہرؔ اور شاعر اسلام علامہ اقبال کے بھائی شیخ محمد عطاء۔''

(سید العلماء، حاشیہ ص:۱۱۴)

پیش نظر کتاب میں حضرت محدث امروہیؒ کے خاندان، نام ونسب، ابتدائی تعلیم، تکمیل تعلیم، مختلف مدارس میں تدریسی خدمات، علمی آثار، مناظرے، تلامذہ، طریقۂ درس، فتاوی اور درس قرآن وغیرہ عنوانات کے تحت حضرت محدث امروہیؒ کی زندگی کو سامنے لایا گیا ہے، اکابر کی سوانح وتذکرہ کے ذیل میں یہ ایک قابل مطالعہ کتاب ہے، کتاب میں رد قادنیت سے متعلق بھی قیمتی مواد موجود ہے، کتاب کے افتتاحیہ میں امروہہ کی مختصر تاریخ اور وہاں کی اہم شخصیات کا تعارف کرایا ہے، آخر میں جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے

شروع سے اب تک کے ذمہ داروں اور صدر المدرسین وشیخ الحدیث کو بھی روشناس کرایا ہے، اپنے افتتاحیہ کو اس شعر کے ساتھ قلم بند کیا ہے:

ہمارے دل میں ہے وہ شمع انجمن میں نہیں　　چراغ لے کے جسے ڈھونڈتے ہیں پروانے

اردو تفاسیر وتراجم، علماء دیوبند کی تفسیری خدمات

حدیث اور تفسیر پر علماء دیوبند کی خدمات کا ایک زریں باب ہے، حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ سے لے کر اب تک حدیث اور تفسیری خدمات کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے، اب تک پچاس (۵۰) سے زائد قرآن کے تراجم وتفاسیر علماء دیوبند کے گوہر قلم سے صفحہ قرطاس پر ثبت ہو چکے ہیں، جس سے پوری دنیا استفادہ کر رہی ہے۔

۲۰۰۰ء میں دہلی میں حضرت نانوتویؒ کی علمی وفکری خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے اور ان کے مشن کو عام کرنے کے لیے ''الامام محمد قاسم النانوتویؒ'' کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد ہوا تھا، اس موقعہ پر مولانا اخلاق حسین قاسمی کی ایماء پر حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے ''اردو تفاسیر وتراجم، علماء دیوبند کی تفسیری خدمات'' پر ایک گراں قدر مقالہ لکھا تھا، بعد میں اضافہ کے ساتھ ایک رسالہ کی شکل میں شائع کیا، جس میں علماء دیوبند کے ساتھ دیگر اردو تراجم وتفاسیر کا تعارف اور ان کی خصوصیات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، علماء دیوبند کی تفسیری خدمات کے جائزہ کے طور پر ایک مفید کتاب ہے۔

مکتوبات نعمانی

از: حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ
سابق استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث النبوی جامعہ مظاہر علوم سہارن پور

جناب مفتی نسیم احمد فریدی علیہ الرحمۃ ہمارے اس دور کے ایک نامور محقق، صاحب قلم، انشا پرداز، سلف صالحین کے فداکار بزرگ، تھوڑے دنوں پہلے ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کے تلمیذ خاص اور سلیقہ شعار شاگرد ہیں مولانا محبّ الحق ساکن پروہی ضلع مدھوبنی صوبہ بہار، جن کی تحقیقات میں استاذ ہی کا رنگ ہے اور تلخیصات میں استاذ ہی کا سلیقہ ہے، آپ نے ان مکتوبات کو مکتوب الیہ جناب الحاج عزیز الٰہی خان

صاحب کے حکم سے مرتب فرما کر عمدہ کتابت وطباعت سے ہندوستان کے صف اول کے کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی سے شائع فرمایا۔

کتاب ماشاء اللہ لاجواب، مفید خاص وعام اور پر مغز ہے، پھر مکتوبات کی اہمیت کو مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہ کی تحریرات کے اقتباس نے ''سونے پر سہاگہ'' بنادیا ہے۔

مکتوبات کی عمدگی اور شائستگی پر تو مولانا منظور نعمانی مدظلہ کی ذات گرامی شاہد عدل ہے اور اس پر فاضل مرتب کے فٹ نوٹ نے اس کی افادیت میں چار چاند لگادیے ہیں، پہلے مکتوبات کی نافعیت کو مدلل طور پر ثابت کیا گیا، پھر کاتب اور مکتوب الیہ مدظلہما کا مستند اور جامع تذکرہ فرمادیا ہے، جس میں باحوالہ مولانا نعمانی مدظلہ کی طفولیت سے لے کر کہولت تک پھر شیخوخت کے ساتھ آپ کے مشاغل اور آپ کی بیش بہا تصنیفات کا مفید تعارف ہے، پھر آپ کے خدو خال سیرت وکردار کو مکتوبات کے آئینہ میں دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس کتاب میں مولانا محمد منظور نعمانی زادمجدہم کے چھوٹے بڑے کل ایک سو چوبیس خطوط ہیں، جن میں دینی، اصلاحی، سیاسی، مجلسی، دعوتی، تعزیتی اور مبارک بادی تمام ہی انداز کے خطوط ہیں اور ہر ایک مفید اور نفع بخش ہیں اور بعض خطوط میں ظرافت کی چاشنی بھی ہے۔

مسلمانوں کے مسائل کو لے کر پٹنہ جے پرکاش نرائن کے پاس اور ونوبا بھاوے سے ملاقات کے لیے ناگپور جانے کی تفصیل بھی ان مکتوبات میں ملیں گی، جس میں مولانا نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی نے جاکر ان دونوں لیڈروں کو مسلمانوں کے مسائل سے باخبر کیا اور اپنے ساتھ نہ جمعیۃ علماء ہند ہی کے کسی فرد کو لے گئے اور نہ ہی جماعت اسلامی کی کسی صالح شخصیت کو رفیق سفر بنایا؛ جب کہ ان دونوں لیڈروں سے ملاقات کرنی جس مشورہ میں طے شدہ تھی، اس میں جماعت اسلامی ہند کے صالحین بھی شریک تھے، اس لیے بجا طور سے جماعت اسلامی کو اس سے جو شکایت پیدا ہوسکتی تھی، اس کا مدلل اور تشفی بخش جواب بھی ان مکتوبات میں موجود ہے، دیکھئے ص: ۵۷ سے ۵۹ تک۔

اسی طرح مشہور واقعات کی تاریخ کا پتہ بھی ان مکتوبات سے چل سکتا ہے، مثلاً شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی وفات اور ان کی تجہیز وتدفین کے مقامات کے اندر اختلافات مکتوب نمبر (۱۶) میں، اسی طرح جنرل ضیاء الحق، مفتی محمد شفیع دیوبندی، حاجی بادشاہ علی، مولانا محمد یوسف بنوری مرحومین کے انتقال کی تاریخیں ان مکتوبات میں اپنی اپنی جگہ مرقوم ہیں۔

بعض ناگفتنی واقعات کی طرف اشارہ مثلاً مظاہر علوم کی ۶۲ء والی اسٹرائک اور اس میں تعزیتاً حضرت نعمانی کا حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں سہارن پور پہنچنا۔ مکتوب نمبر (۳۰)۔

ان تاریخی واقعات میں تفویض وتوکل کی مثال ۶۶ء میں دیوبند میں مجلس مشاورت کا اجلاس اور اس میں خشت باری کے باوجود قدرت الٰہی سے مولانا کا بال بال محفوظ رہنا بھی پیش کیا جاسکتا ہے اور اس واقعہ کی عجیب وغریب تاویل کی ہے جو اعتماد علی اللہ کی آئینہ دار ہے۔ مکتوب نمبر (۴۱-۴۲)۔

تعزیتی خطوط میں سنت کی کمال متابعت، مکتوب نمبر (۳۵و۳۶) میں اور بیرون ملک جو طویل اسفار ہوئے ہیں، ان میں مولانا نعمانی کی مصروفیات اور دینی مشغولیات اور پیرانہ سالی میں ایک ایک دن میں تین تین چار چار اصلاحی تقریریں، مکتوب نمبر (۴۸) ص: ۸۳-۸۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مرتب مدظلہم نے جو معلومات حواشی میں فراہم کردیے ہیں، ان میں تقریباً چالیس افراد کا تعارف کرادیا ہے، ان میں سے کچھ قدآور شخصیتوں کے حالات مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع ہیں۔

مکتوبات کا یہ ذخیرہ زمانہ کے لحاظ سے اپنے اندر ایک وسعت رکھتا ہے کہ یہ مکتوبات اگرچہ ایک شخص کے نام لکھے گئے ہیں؛ لیکن اس کی وسعت کا رقبہ چالیس سال کو بہ ایں حساب محیط ہے کہ پہلا مکتوب گرامی ۱۱/ اکتوبر ۱۹۵۲ء کا نوشتہ ہے اور آخری خط ۱۵/ جنوری ۱۹۹۲ء کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں آدمی مختلف ادوار سے گزرا کرتا ہے،

صحت، بیماری، نشاط، کسل مندی، امنگ، قنوطیت، ملی وقومی امور میں موافقت، مخالفت، کامیابی، ناکامی، حسن تدبیر اور بد تدبیری وغیرہ، پھر ان کیفیات کا اثر کسی بھی کاتب کی تحریروں میں آجانا فطری امر ہے؛ چنانچہ ان مکتوبات کے بین السطور میں یہ تمام چیزیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

۱۹۵۲ء سے دس، بارہ سال پہلے تک آپ کی طبیعت میں مناظرہ کا جوش تھا، چاہتے تھے کہ جتنے باطل فرقے ہیں، ان سب سے دو دو ہاتھ ہو جایا کریں۔ ردّ رضا خانیت تو آپ کے ریشہ ریشہ میں سمائی ہوئی تھی، مبتدعین کے چھوٹے بڑے تمام مدعیان علم آپ کے سامنے آنے سے گھبراتے تھے اور آپ ان کا پیچھا ہر جگہ کرتے رہتے تھے، اپنے وطن سنبھل میں اور مستقر بریلی میں، پھر اپنے صوبہ کے دور دراز علاقے: بستی، ادری، مبارک پور سے بھی آگے چل کر امرتسر، سرگودھا، پنجاب کے علاقوں تک میں ان کے پچھاڑنے کو اپنا محبوب مشغلہ نہایت کارآمد، حفاظت دین کی انتہائی ضرورت سمجھا کرتے تھے۔ ان مکتوبات میں ان کی جھلکیاں بھی گمنام نہیں ہیں۔

پھر حضرت رائے پوری اور مولانا محمد الیاس دہلوی کی خدمت میں باریابی کے بعد سب سے اہم کام تبلیغی اسفار، مراکز کی نگرانی، کام کرنے والوں کا نظم اور ان کی تشکیل، ان سب کی مدھم مدھم روشنی مکتوبات میں موجود ہے، پھر ایک دور میں جماعت اسلامی کا تعارف، اس کی طرف سے مدافعت میں نہ صرف ''جمعیۃ علماء ہند''؛ بلکہ اپنے اکابر کی مخالفت تک کو ''شہادۃ الحق'' خیال فرمانے لگے اور اسی کا سیاسی تتمہ جناب ڈاکٹر فریدی اور ان کے شرکاء کار کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کی متوازن ''مجلس مشاورت'' کا قیام اور اس کے ایڈوٹائز میں ایک مستقل اخبار نکالنے اور اس کے لیے مالیات کی فراہمی میں مکمل انہاک اور اس کے لیے جان توڑ کوشش کو دین کا سب سے اہم فریضہ تصور کر کے جو عالی خدمات خود انجام دیں اور دوسروں کو اس راہ میں قربانی دینے کا حوصلہ پیدا فرمایا، ان سب کی جھلکیاں ان مکتوبات گرامی میں نمایا طور پر پائی جاتی ہیں۔ پھر جماعت اسلامی سے اختلاف کی شہادت بھی ان مکتوبات میں پائی جارہی ہے: ص: ۳۹ سے ۴۴ تک پڑھ کر مکتوب نمبر (۷۹) ص: ۱۲۵

پڑھیں، اہل حق کا یہ موقف کہ جب کسی عمل یا نظریہ کی غلطی واضح ہو جائے تو اس سے برملا رجوع کر کے توبۃ السر بالسر اور توبۃ العلانیۃ بالعلانیۃ پر عمل کرنا، آپ کی خصوصی شان ہے؛ اگر چہ رجوع کے بعد بھی سابق غلطی کا خمیازہ امت کو بھگتنا پڑا، جس کی مدافعت آپ کے بس سے باہر تھی۔

آپ کی تصنیفات میں سب سے آخری شاہ کار تصنیف ''ایرانی انقلاب اور خمینی'' جس جگر سوزی سے دفاع دین وملت کے لیے لکھی گئی ہے اور اس کی اشاعت اور کلمۂ حق کو ہر ہر کلمہ گو تک پہنچانے کی جو سعی بلیغ کی گئی کہ دس سال سے ''رابطہ عالم اسلامی'' کے جلسوں سے غیر حاضری کے بعد اس کتاب کی خاطر حجاز مقدس کا طویل سفر اختیار فرمایا، اس کی صراحت مکتوب نمبر (۱۰۴) ص:۱۵۲ اور مکتوب نمبر (۱۱۲) ص:۱۶۲ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

الغرض یہ مکتوبات معلومات کا ذخیرہ ہیں اور ''دریا کو کوزہ'' میں بند کرنے والی مثل کی عملی مثال ہیں، ساتھ ہی ساتھ ریاضت ومجاہدہ کرنے والے اور راہ سلوک اور ایمانی مقامات طے کرنے والوں کے لیے شاہ راہ عمل بھی ہیں۔ (ماہنامہ مظاہر علوم، ماہ ستمبر ۱۹۹۵ء)

حیات فریدی

از: مولانا ضیاء الحق خیر آبادی زیدہ مجدہ

مدیر مجلّہ رشد وہدایت سہ ماہی

مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ (وفات ۵/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۸۸ء) ماضی قریب کے ایک زبردست صاحب قلم، سادہ مزاج، متواضع اور درویش صفت عالم ومحقق اور مفتی تھے، اس دور اخیر میں حضرت مجدد الف ثانی وحضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خانوادہ کی تاریخ کے سب سے ماہر مورخ اور مستند محقق تھے، ان کا بیشتر تصنیفی کام انہیں دونوں بزرگوں کے سلسلے سے متعلق ہے، مولانا علی میاں ندوی کی اس تحریر سے مولانا فریدی کے علمی ذوق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

> ''مولانا نسیم احمد فریدی کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں ان کی فنائیت ہے۔ علم سے ان کو وہی تعلق تھا، جو مچھلی کو پانی سے ہوتا

ہے۔علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف وتالیف کرنے والے بہت سے
مل جائیں گے؛ لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق نہیں؛
بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفا سب کچھ ہو، وہ مولانا
نسیم احمد فریدی تھے۔‘‘

’’حیات فریدی‘‘ مولانا نسیم احمد فریدیؒ کی مکمل ومستند سوانح ہے، جو ان کے محبّ ومحبوب تلمیذ رشید مولانا محبّ الحق صاحبؒ (وفات: ۲۴/ شوال ۱۴۳۴ھ مطابق یکم ستمبر ۲۰۱۳ء) نے لکھی ہے، مولانا موصوف اپنے استاذ کے علوم کے محافظ وشارح تھے، انہوں نے ’’علوم فریدی‘‘ کی حفاظت وصیانت اوران کی نشر واشاعت کو اپنا مقصد حیات بنالیا تھا؛ چنانچہ ان کی کوششوں سے مولانا فریدیؒ کے بہت سے علمی وتحقیقی رسائل وکتب منظر عام پر آئے۔انہوں نے اپنی اخیر حیات میں اپنے محبوب استاذ کی مبسوط سوانح لکھنی شروع کی تھی؛ لیکن کتاب کی تکمیل سے قبل ہی ان کا ’’اجل موعود‘‘ آگیا، ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے اور عربی زبان کے بہترین ادیب مولانا امداد الحق بختیار قاسمی (استاذ دار العلوم حیدرآباد ورئیس التحریر مجلّہ الصحوۃ الاسلامیۃ) کی عنایت وتوجہ سے یہ گراں قدر سوانح حیات تکمیل کو پہنچی اور شائع ہوکر منظر عام پر آئی۔

کتاب (۳۰۴) صفحات پر مشتمل ہے اور ۲۰۱۶ء میں شائع ہوئی ہے، کتاب کا آغاز مولانا امداد الحق قاسمی کے ’’افتتاحیہ‘‘ سے ہوتا ہے، جس میں انہوں نے مولانا فریدی کے ساتھ اپنے والد ماجد کے تعلقات اور کتاب کی تکمیل واشاعت کی داستان رقم کی ہے، اس کے بعد ہفت روزہ الجمعیۃ کے ایڈیٹر مولانا سالم جامعی کا تفصیلی مقدمہ ہے، مولانا سالم جامعی صاحب اپنے مقدمہ میں مصنف کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’ہمارے محترم فاضل وعالم، علومِ الٰہیہ کے چشمہائے صافی سے جی بھر کر
فیضیاب ہونے والے اور آستانۂ فریدی کے علم واخلاق اور دعواتِ صالحہ
سے دامن مراد بھرنے والے خوش نصیب تلمیذ رشید وخادم خاص حضرت
مولانا محبّ الحق پروہی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے مذکورہ بالا تمام

اوصاف وکمالات سے متصف فرمایا تھا۔ پروردگار نے انھیں علمی تحقیق و تدقیق کے ساتھ تذکرہ نگاری کے فن میں بھی خاص وصالح ذوق کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔انھوں نے جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے دورِ طالب علمی سے لے کر دورِ تدریس؛ بلکہ اپنی آخری سانس تک درجنوں وقیع کتابیں تالیف کرکے ہدیۂ قارئین کیں،جن میں سے اکثر تالیفات تذکرہ نگاری کا عمدہ نمونہ ہیں۔ بہرحال تذکرہ وسوانح حیات وخدمات،علم وادب اورقلم وکتاب کے حوالہ سے ایک بے حد پسندیدہ، کارآمد اور دلچسپ موضوع ہے،جس کے ذوق کا حصہ وافر مولانا محبّ الحق مرحوم کوان کے پروردگار نے خوب خوب عطا فرمایا تھا۔زیرنظر کتاب ''حیاتِ فریدی''،جس کا ایک اعلیٰ اورخوبصورت نمونہ ہے۔''

صاحب سوانح حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی کے حوالے سے مولانا سالم جامعی اپنے مقدمہ میں تحریرفرماتے ہیں:

''حیات فریدی جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے سابق صدرالمدرسین وشیخ الحدیث وصدر مفتی حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہی نوراللہ مرقدہ کی سوانح حیات ہے۔یہ اس عظیم شخصیت کا تذکرہ ہے،جس نے اپنے علمی معارف،زہدوتقوی اورحسن اخلاق کے ذریعہ فیض رسانی کا ابرکرم برسایا، جس کا علم وفضل امت کے لیے چراغ راہ ثابت ہوا،یہ اس شخصیت کا ذکر خیر ہے،جس کے فیوض وبرکات عام تھے اور ہرکوئی ان سے استفادہ کرسکتا تھا،یہ اس عظیم المرتبت انسان کی کہانی ہے،جو حصول علم کی پرمشقت راہوں،زہدوتقوی کی وادیوں اوراخلاص وللّٰہیت کے پل صراط سے بصد شوق گزرا اور جس نے اپنی مخلصانہ علمی وعملی جدوجہد کا انعام دنیا میں بھی پایا اوران شاءاللہ آخرت میں بھی ان کا رب کریم ان سے راضی ہوگا۔''

نیز مولانا سالم جامعی صاحب کتاب ''حیات فریدی'' کا تفصیلی تعارف کراتے

ہوئے ان جملوں پر اپنی تحریر کا اختتام فرماتے ہیں:

> ''ان تمام ابواب میں مؤلف مرحوم نے جس شرح وبسط کے ساتھ حالات بیان کیے ہیں، اس نے اس کتاب کی جامعیت کے ساتھ اسے تذکرہ نگاری کے فن میں ایک نمونہ کی حیثیت عطا کردی ہے۔اس تالیف لطیف میں مؤلف مرحوم نے سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا ہے اور مولانا فریدی مرحوم کی مبارک ہستی کو زندۂ جاوید بنادیا ہے۔''

کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے، باب اول میں مولانا فریدیؒ کے وطن امروہہ کی مختصر اور جامع تاریخ مستند حوالوں کے ساتھ بیان کی گئی ہے، دوسرے باب میں حضرت فریدی کے علمی خاندان کا تذکرہ ہے، ماضی قریب میں اس خاندان کے دو اور افراد نے علم و تحقیق کی دنیا میں کافی شہرت پائی ہے: ایک ڈاکٹر خلیق احمد نظامی جو مولانا فریدی کے بھانجے تھے اور دوسرے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی جو ان کے بھتیجے تھے۔

تیسرا باب ''سوانحی خاکہ'' جو کتاب کا سب سے مفصل باب ہے، اس میں ۱۳ فصلیں ہیں، اس باب میں مولانا فریدیؒ کی ولادت، تعلیم وتربیت، تدریسی خدمات، بیعت وسلوک اور اجازت وخلافت، جمعیۃ علماء ہند وتبلیغی جماعت سے وابستگی، علمی وتحقیقی سرگرمیاں، اکابر ومعاصر علماء سے ربط وتعلق، اخلاق وعادات، ورع وتقوی، اتباع سنت، ذات نبوی ﷺ سے والہانہ تعلق، روزانہ کے معمولات، سفر حج کی داستان، مولانا کی شاعری، ان تمام موضوعات پر مختلف فصلوں میں خوبصورت داد تحقیق دی گئی ہے۔

مولانا فریدی جس طرح ایک بڑے عالم ومحقق تھے، اسی طرح وہ ایک بہترین شاعر بھی تھے، ان کا مجموعہ کلام ''نسیم سحر'' کے نام سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

اس باب کی تیرہویں وآخری فصل میں علالت ووفات کی تفصیلات ہیں، چوتھے باب میں مولانا فریدیؒ کی تصنیفات وتالیفات کا بہترین تعارف ہے، جن کی تعداد ڈیڑھ درجن کے قریب ہے۔

پانچواں باب مولانا فریدیؒ کے مفید اور قیمتی ملفوظات پر مشتمل ہے، جو ''از دل

خیز د بردل ریزد' کا مصداق ہیں، چھٹے اور آخری باب میں ان منظومات اور مراثی ومناقب کو جمع کیا گیا ہے، جو مولانا فریدیؒ کے انتقال کے بعد کہے گئے ہیں۔

کتاب اپنے مشمولات، خوبصورت ترتیب، سادہ اور پرکشش زبان وبیان، معیاری طباعت اور دیدہ زیب سرورق کے ساتھ سوانح نگاری کے باب میں وقیع اضافہ ہے اور ایک مستند محقق وادیب، ماہر مورخ اور صاحب حال وقال عالم دین کی قابل رشک زندگی کی حسین داستان حیات ہے۔

ضیاء الحق خیرآبادی

۲/ ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲/ جولائی ۲۰۲۲ء سنیچر

❑❑❑

چوتھا باب

تاثرات

مشاہیر و معاصرین

پہلی فصل

تاثراتی وتعزیتی مضامین

جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد......

از: حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلیؒ
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

مولانا محبّ الحق صاحب مدھوبنی ثم امروہی (ولادت ۱۹۴۸ء وفات ۲۰۱۳ء) جومحقق دوراں حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ امروہی کے سایہ اور گویا عصاء پیری بن کر تقریباً بیس سال رہے اوران کی خوبیوں وکمالات سے حصہٗ وافر پایا، ان کی زندگی حضرت سعدی شیرازیؒ کی ایک تمثیلی حکایت کا گویا آئینہ تھی، جس میں بتایا گیا ہے کہ گلستان کی ایک خوشبودار گل (مٹی) سے کسی نے پوچھا کہ تجھ میں خوشبو کہاں سے آئی؟ تو اس نے جواب دیا:

”جمال ہم نشیں درمن اثر کرد، وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم“ (ترجمہ: پاس رہنے والے کے اثر سے مجھ میں خوشبو آگئی، ورنہ میں تو وہی عام مٹی ہوں)

مولانا محبّ الحق صاحب مرحوم کی پوری زندگی گویا اسی حقیقت کی عملی تفسیر ہے،

انھوں نے مولانا فریدیؒ جیسے محقق دوراں، جو شاہ ولی اللہؒ کے علمی ونسبی خاندان کی گویا چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا اوران کے علوم کے حامل تھے،جن کی زندگی سادگی اور تواضع کا ایسا نمونہ تھی،جس کی نظیر ملنا آج مشکل ہے،ان کو دیکھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ گدڑی میں کیسا بیش قیمت لعل چھپا ہوا ہے، جو سخت سردی کے موسم میں بھی کسی اونی قیمتی کپڑے کے بجائے معمولی سوتی کپڑے اور روئی سے بنی مرزئی زیب تن کیے رہتے تھے،جس پر بعض اوقات کہنگی؛ بلکہ ربودگی کے آثار نمایاں ہوتے تھے اور جو سراپا علم تھے اور اپنے زمانے کے تمام اہل علم واہل دل کے عقیدت مند؛خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے تلمیذ رشید اور دست گرفتہ بھی تھے،جن کی محبت وعقیدت مولانا فریدیؒ کے رگ وریشہ میں پیوست تھی اور جن کا قلم ایسا سیال اور دل نشیں تھا (بالخصوص سوانح نگاری میں) کہ خشک سے خشک مضمون کو بھی ایسا دلچسپ وآسان بنادیتے کہ قاری کے لیے شروع کرنے کے بعد چھوڑنا مشکل ہوتا۔

ایسا باکمال عالم،مصنف،محقق اور صاحب قلم کی صحبت میں چند ساعات گزارنے والا بھی کیسا ہوسکتا ہے،اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، پھر جس نے ایک دونہیں؛ بلکہ بیس سال گزارے ہوں اس کا کیا حال ہوگا، اس کا اندازہ کرنا کسی بھی ذی فہم کے لیے دشوار نہیں، یہی وجہ ہے کہ مولانا محبّ الحق صاحب مرحوم دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور جیسی ممتاز درسگاہوں کے فاضل نہ ہونے کے باوجود عوام وخواص میں مقبول ہوئے، ان کی وفات پر عوام ہی نے نہیں، علماء نے بھی رنج وافسوس کا اظہار کیا۔

فرحمه الله رحمة واسعة وأسبغ عليه شآبيب رحمته وأسكنه فسيح جناته.

❑❑❑

مولانا محب اللہ الحقؒ -ایک وفاشعار، جانثار شاگرد

از: حضرت مولانا عتیق احمد بستوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اللہ تعالی نے اپنے جن بزرگ، نیک اور باتوفیق بندوں سے ملاقات اور زیارت کا شرف بخشا، ان میں ایک حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ بھی ہیں، الفرقان میں ان کے موثر مضامین زمانہ طالب علمی ہی سے پڑھا کرتا تھا، ان کے قلم سے بزرگان دین کے تذکرے بڑے دل آویز لگتے تھے، ان کی عشق ومحبت اور عقیدت میں ڈوبی ہوئی تحریریں، دل کے مضمار کو چھیڑتی تھیں؛ لیکن جب دار العلوم دیوبند سے فراغت وافتاء کے بعد، دوسال دو مدارس میں گزارنے کے بعد، جامعہ امدادیہ مراد آباد میں تدریسی خدمات کا موقع ملا، تو حضرت باقر حسین صاحب قاسمیؒ کی دعوت پر ۱۹۷۸ء میں مراد آباد پہنچا، اس کے بعد حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کو قریب سے دیکھنے، ان کے پاس بیٹھنے اور استفادہ کرنے کا بار بار موقع ملا۔

مراد آباد کے تین سالہ زمانہ قیام میں، بار بار امروہہ حاضر ہونے اور حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کے یہاں مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا اور حضرت مولانا فریدیؒ بھی وقتاً فوقتاً مراد آباد جب تشریف لاتے، تو مدرسہ امدادیہ میں ان کی تشریف آوری ضرور ہوتی، وہاں کے اساتذہ بہت عقیدت واحترام کے ساتھ مولانا فریدی مرحوم سے ملاقات کرتے۔

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ تو میدان علم وتحقیق، ادب وتحریر کے

پرانے شہسوار تھے اوران کی تصانیف اور مضامین علمی حلقوں میں معروف تھے، احقر کو بھی کچھ لکھنے پڑھنے کا شوق تھا اور میرے مضامین بھی رسائل وجرائد؛ خصوصاً ''ماہنامہ الفرقان لکھنؤ'' میں شائع ہوتے تھے، جو حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کا خصوصی رسالہ تھا اور حضرت مولانا مرحوم کی اکثر تحریریں الفرقان ہی کے ذریعہ منصۂ شہود پر آئیں، اس رشتہ کی وجہ سے حضرت مولاناؒ سے تعلق بڑھا اور ذوق ومزاج کے اشتراک نے ان روابط کو پختہ تر کردیا۔

ماہنامہ الفرقان فریدیؒ نمبر میں حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کے بارے میں میرا مضمون بھی شامل ہے، جس میں مولاناؒ سے اپنے تعلقات اور مولاناؒ کی خصوصیات وامتیازات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء آنے کے بعد حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ سے تعلقات زیادہ گہرے اور پائدار ہوئے، حضرت مولانا فریدیؒ لکھنؤ تشریف لاکر کئی کئی روز قیام فرماتے، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نیز حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ دونوں بزرگوں کو ان کا خصوصی احترام اور اہتمام کرتے دیکھا، تشریف لانے پر مولاناؒ یا تو مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ کے پاس ہوتے یا تو ندوۃ العلماء کی عظیم لائبریری میں مصروف تحقیق ومطالعہ ہوتے، کتابوں اور رسالوں کی جستجو میں ایسے محو ہوجاتے کہ انھیں کسی اور چیز کا دھیان نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ سے جب بھی ملاقات ہوتی خواہ مرادآباد میں یا امروہہ اور لکھنؤ میں عام طور سے ایک سیدھے سادھے کم گو نوجوان ان کے ہمراہ ہوتے، جن کا نام مولانا محبّ الحق تھا، موصوف مولانا فریدی مرحوم کے لیے راہبر اور عصاء پیری تھے، مولانا فریدی مرحوم آخری عمر میں نگاہوں سے بالکل معذور ہوگئے تھے، مولاناؒ کو کتابیں اور مضامین پڑھ کر سنانا اوران کے خطوط اور مضامین لکھنا یہ ساری خدمت بھی مولانا محبّ الحق صاحب سے متعلق تھی۔

مولانا محبّ الحق صاحبؒ اصلاً دربھنگہ (حال مدھوبنی) بہار کے باشندے تھے:

لیکن جب سے طلب علم کے لیے امروہہ آئے اور مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، انہی کے ہو کر رہ گئے، ایک انتہائی وفا شعار شاگرد اور مرید کی طرح ان کی خدمت میں عمر کا بڑا حصہ گزار دیا۔

انتہائی متواضع، خلیق اور خوش مزاج تھے، شروع میں ان کے حالات اور مشغولیات نہیں معلوم کر سکا، رفتہ رفتہ جب انسیت بڑھی تو ان کے بارے میں ان سے کچھ معلومات حاصل کیں، سفر میں تو وہ مولانا فریدیؒ کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے تھے، لکھنؤ کے ایک دو سفروں ہی میں، میں نے کسی اور کو مولانا فریدی مرحوم کا رفیق سفر پایا، اس کے علاوہ مولانا مرحوم خواہ مراد آباد آتے یا لکھنؤ مولانا محبّ الحق صاحب مرحوم ہی کو اپنے ساتھ رفیق سفر رکھتے۔

وہ مولانا فریدیؒ کے مزاج شناس اور جانثار شاگرد اور خادم تھے، مولانا مرحوم کو ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کرتے۔

مولانا فریدیؒ کی زندگی میں یہ اندازہ نہیں تھا کہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ تحریر وتصنیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے ہیں، حضرت مولانا فریدیؒ کی وفات کے بعد جب الفرقان کے ''فریدی نمبر'' میں مولانا محبّ الحق صاحبؒ کا تفصیلی مضمون آیا، تو اہل قلم چونک گئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے مولانا فریدیؒ سے صفات وخصوصیات ہی اخذ نہیں کی ہیں؛ بلکہ مولانا فریدیؒ کا تحقیقی وتصنیفی ذوق بھی نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے اندر جذب کر لیا ہے۔

مولانا فریدیؒ کی وفات کے بعد بھی اپنے استاذ ومربی کے لیے ان کی وفاداری نہ صرف باقی رہی؛ بلکہ پیشتر ہوگئی؛ چناں چہ انھوں نے مولانا فریدی مرحوم کے مقالات و مضامین جو مختلف رسائل وجرائد کی فائلوں میں دبے پڑے تھے، یا مسودات کی صورت میں موجود تھے، انھیں بڑے سلیقے کے ساتھ ترتیب دے کر ''مقالات فریدی'' کی تین جلدیں شائع کیں، جو بڑی قابل قدر کاوش ہے اور اپنے استاذ کی علمی یادگاروں کو زندہ رکھنے کی کامیاب کوشش ہے، حضرت مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم پر بہت سے لوگوں نے لکھا،

الفرقان کے فریدی نمبر میں بڑے اہم اور معلومات افزا مضامین شامل ہیں؛ لیکن مولانا فریدیؒ کی سوانح اہل علم کے ذمہ قرض تھی، مولانا فریدی مرحوم کے جانثار اور وفا شعار شاگرد جناب مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے اہل علم کی طرف سے یہ قرض بھی بحسن وخوبی ادا کیا اور ''حیات فریدی'' کے نام سے ایک گرانقدر تصنیف اہل علم کے حلقے میں پیش کی۔

واقعہ یہ ہے کہ شاید مولانا فریدیؒ کے حالات وکمالات سے ان کے خاندان کے لوگ بھی اتنے واقف نہیں تھے، جتنا مولانا محبّ الحق صاحب مرحوم تھے،اس بات کا افسوس ہے کہ جناب مولانا محبّ الحق صاحبؒ ''حیات فریدی'' کی اشاعت سے پہلے ہی اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے اور ان کے استاذ گرامی کی روح ان کی آمد سے مسرور ہوگئی ہو؛ لیکن مولانا محبّ الحق صاحبؒ کے اہل خانہ اور اہل تعلق کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ مولانا مرحوم اتنی جلدی عالم بالا کی طرف رخصت ہوجائیں گے۔

یہ انتہائی مسرت کی بات ہے کہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا مفتی امدادالحق بختیار صاحب اپنے والد گرامی کی حیات وخدمات پر کام کررہے ہیں اور مرحوم کے بارے میں مختلف اہل علم کی تحریریں اور تاثرات جمع کررہے ہیں۔

الحمد للہ وہ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں تحریر وتصنیف کی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں اور حیدرآباد کے مشہور ادارہ دارالعلوم/ حیدرآباد میں تدریسی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں؛ بلاشبہ وہ ''الولدُ سرٌ لأبیه'' کے مصداق ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ (امدادالحق بختیار) مولانا فریدیؒ اور مولانا محبّ الحق صاحبؒ دونوں کی خصوصیات اپنے اندر جمع کریں اور دونوں کے کاموں کو آگے بڑھائیں، اللہ تعالی انھیں دنیا وآخرت میں ہر طرح کی ترقیات سے نوازے اور اخلاص کے ساتھ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

❑❑❑

مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی کے خادم ومثنّٰی
ایک مخلص عالم اور سادہ و بے ریا شخص

مولانا محبّ الحق

از: محقق عصر حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

کردار وعمل کی خوبیاں جب ذاتی زندگی کا جوہر ہوں، اخلاص، خدمت بزرگاں، متواتر مطالعہ اور تلاش وجستجو جب ذوق ومزاج بن جائے اور یہ تمام محاسن وکمالات کسی ایک شخص میں جمع ہوجائیں تو وہ کندن بن جاتا ہے، میرا خیال ہے کہ مکرمی مولانا محبّ الحق صاحب بھی اسی کارواں کے مسافر اور اسی منزل کے راہرو تھے۔

مولانا ایک استاد اور مدرس کی حیثیت سے امروہہ آئے تھے، مولانا محبّ الحق نے امروہہ کی ایک بڑی صاحب روحانیت اور صاحب علم وکمال شخصیت، مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی کا دامن تھام لیا تھا اور پوری زندگی اسی کے سایہ میں بسر کی۔

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی، عالم، فاضل، مترجم اور مصنف ومحقق تھے؛ لیکن اس وادی کے مسافروں سے کئی طرح سے بہت مختلف اور منفرد تھے، نہ نام ونمود کی تلاش، نہ کسی صلہ کی پرواہ، نہ دنیا کی آسائشوں کی فکر اور نہ معاش اور پرسکون زندگی کے لیے وسائل کی جستجو۔ درویشی کا رنگ بہت گہرا اور پختہ تھا، علم وتصنیف کا اعلی درجہ کا ذوق، طبیعت ومزاج میں اس طرح رچا بسا ہوا تھا کہ کوئی چیز اور کوئی مشکل، مولانا فریدی کو اس منزل سے، اس راستہ سے جدا نہیں کرسکتی تھی۔ یہی تمام صفات اور رنگ وآہنگ مولانا محبّ الحق صاحب کا بھی ہوگیا تھا؛ کیوں کہ وہ اپنا تمام وقت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی کی خدمت میں گذراتے، مولانا کے سامنے بیٹھتے تھے، مولانا فریدی چوں کہ نابینا تھے؛ اس لیے نئی، پرانی کتابوں کے

سنانے، حوالے اور اقتباسات نقل کرنے، حواشی اور تعلیقات کے لیے جستجو وغیرہ کا، اکثر کام مولانا محبّ الحق صاحب ہی کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کمالات میں، وہ مولانا فریدی کا مثنّٰی اور:

جمال ہم نشین در من اثر کرد

کا ایک صحیح مصداق ہو گئے تھے۔

جس کا ایک بہت اچھا مبارک اثر یہ ہوا کہ مولانا محبّ الحق صاحب نے، مولانا فریدی کی وفات (۵/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۸۸ء) کے بعد، مولانا کی نیابت ونمائندگی کا، مولانا کی تحریرات ومؤلفات کے محفوظ کرنے کا، مولانا فریدی کے مقالات ومضامین جمع کرنے اور سب سے بڑھ کر، مولانا کی سوانح نگاری کی قابل تحسین کوشش کی، ان میں سے ہر ایک تالیف، ہر ایک مجموعہ اور کاوش، مولانا فریدی سے گہری محبت، عقیدت اور گویا مولانا کی محبت اور ذوق کو اپنی زندگی اور فکر میں بسا لینے کی شہادت دیتی ہے۔

ایسے مخلص خادم یا رفیق کم لوگوں کو ملتے ہیں، جو اپنے استاد ومرشد کی ایک ایک چیز کی قدر کریں، اسے اٹھا کر رکھیں، آنکھوں سے لگائیں اور پھر ان کو ترتیب واشاعت کے ساتھ، پڑھنے والوں کی نذر کردیں، یہ مولانا محبّ الحق صاحب کا بزرگان دین کے احوال و سوانح، خانوادہ حضرت شاہ ولی اللہ سے محبت وتعلق رکھنے والوں پر؛ بلکہ ایک درجہ میں، خود مولانا فریدی صاحب پر بھی احسان ہے کہ اگر مولانا محبّ الحق صاحب ان چیزوں کو جمع نہ کرتے، ان کی اشاعت کی فکر نہ کرتے، تو شاید اکثر لوگ مولانا فریدی کو فراموش کر چکے ہوتے اور مولانا فریدی کی تحریرات ومضامین میں جو گراں قدر معلومات اور تعلیم وافادہ کا تسلسل ہے، اس سے بڑی حد تک محروم رہتے، اس پہلو سے ہم سب مولانا محبّ الحق صاحب کے ممنون ہیں، اللہ تعالی مولانا کو ان کے اخلاص کی، ان کی خدمت کی اور ان کی علمی کارگزاریوں کی پوری پوری جزا اور اجر عظیم عطا فرمائے۔

مولانا محبّ صاحب کا مجھ ناچیز سے بھی بہت تعلق تھا، ہمیشہ خط وکتابت رہتی، علمی معاملات ومباحث کا تذکرہ ہوتا اور سال میں کم از کم دو مرتبہ، یہاں کاندھلہ آنے اور

ایک دوشب ٹھہرنے کا بھی معمول تھا، کبھی کبھی یہ قیام اور زیادہ بھی ہو جاتا تھا۔ کاندھلہ میں قیام کا تمام وقت تحقیق وتلاش، مطالعہ اور علمی مذاکرات میں بسر ہوتا تھا۔

بہت خوشی کی بات ہے کہ مولانا کے فرزند مولانا امدادالحق بختیار نے مولانا محبّ الحق صاحب کی چیزوں کو محفوظ کرنے اور ان کے احوال وسوانح مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مبارکباد! یوں ہی چراغ سے چراغ جلتے ہیں اور پروانوں کی زندگی، سیرت وکردار کے محاسن اور علمی، تحریری، تصنیفی آثار بعد والوں کی، بہت زمانہ تک مدد اور رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی مولانا امدادالحق بختیار کو اس مبارک ارادہ کے لیے جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کو ان کے والد مکرم کے لیے سرمایہ آخرت اور بقائے دوام کا سامان کرے۔ چاہتا تھا کہ اپنے اور مولانا محبّ الحق صاحب کے روابط پر تفصیل سے کچھ لکھوں؛ مگر اس وقت اس کا موقع نہ ملا؛ اس لیے معذرت اور ان ہی الفاظ کے ساتھ قارئین کرام سے اجازت!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
نورالحسن راشد کاندھلوی
۱۱/محرم الحرام ۱۴۴۴ھ

❑❑❑

مولانا محبّ الحق پروہویؒ

ان کو بہت قریب سے پہچانتا ہوں میں

از: جناب مولانا محمد سالم جامعی صاحب
مدیر: ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی

اتوار کے دن یکم ستمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۲۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ کو علیٰ الصباح میرے عزیز بھانجے اور جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے سابق استاذ مولانا جرار احمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ یہ روح فرسا خبر ملی کہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے استاذ مولانا محبّ الحق دل کا شدید دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ اس اندوہناک خبر نے قلب وجگر کو متاثر اور آنکھوں کو نمناک کر دیا اور بے اختیار زبان پر کلماتِ ترجیع **انا للہ وانا الیہ راجعون** جاری ہوگئے۔

چند دن قبل ہی مولانا مرحوم قلب کے علاج کے سلسلہ میں دہلی تشریف لائے تھے اور جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں ہی قیام کیا تھا۔ اپنے صاحبزادے کے ذریعہ راقم الحروف کو یاد فرمایا اور احقر حاضر خدمت ہوا۔ مختصر باتیں ہوئیں۔ ''سوانح فریدی'' مرتب کرنے میں مصروف تھے کہ اچانک طبیعت خراب ہوئی اور کام جہاں تھا وہیں رُک گیا۔ مولانا مرحوم کی خواہش تھی جس کا انھوں نے متعدد ملاقاتوں میں اظہار بھی فرمایا تھا کہ ان کی اس تالیف پر آپ پیش لفظ تحریر کریں گے اور احقر اپنی بے بضاعتی کے احساس کے باوجود عرض کر دیتا کہ کتاب مکمل ہو جائے، ان شاء اللہ آپ کی اس خدمت کے تعلق سے ضرور کچھ لکھ دوں گا؛ مگر یہ کیا پتہ تھا کہ مولانا مرحوم جلد ہی بارگاہِ الٰہی میں پہنچ جائیں گے اور پھر راقم الحروف کو ہی ان پر ایک تعزیتی مضمون لکھنے کا ناخوشگوار فریضہ انجام دینا پڑے گا۔

قحط الرجال کے اس دور میں مولانا مرحوم واقعی بڑے کام کے آدمی تھے جو آج کی دُنیا میں کچھ کم ہی نظر آتے ہیں۔ آج قحط افراد کا نہیں؛ بلکہ کام کے افراد کا ہے۔ اس سلسلہ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا وہ قول بار بار نوکِ قلم پر آجاتا ہے، جو آپ نے اپنے مشیروں اور مصاحبین کی ایک مجلس میں فرمایا تھا:

''میری تمنا یہ ہے کہ یہ گھر ابوعبیدہ بن جراحؓ، معاذ بن جبلؓ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ جیسے امین، وفا شعار، اصحابِ علم وبصیرت اور اہل عزیمت افراد سے بھر جائے اور اعلائے کلمۃ اللہ کی مہم تیز رفتار ہو جائے۔''

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ اچھے اور کام کے افراد ہی سب سے بیش قیمت گوہر ہوتے ہیں۔ کسی پیغام کی اشاعت کسی تہذیب کی سلامتی اور کسی بھی قوم وملت کی ترقی صالح مزاج کام کے افراد کی ہی رہین منّت ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ کام کا آدمی وہی ہوتا ہے، جو اخلاقی قوت سے مالا مال، عالی ہمت ہو اور مقصد کی لگن اس کے رگ وریشہ میں پیوست ہو۔ جسم کی ضخامت، بلندی قامت، مال کی کثرت وعہدہ ومنصب جیسی ظاہری اور سطحی چیزوں سے کوئی انسان کام کا نہیں بن جاتا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دبلی پتلی ٹانگوں کو دیکھ کر کچھ لوگ ہنسنے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم ابن مسعودؓ کی دبلی پتلی ٹانگوں کو دیکھ کر ہنستے ہو، خدا کی قسم بلاشبہ یہ دونوں ٹانگیں اللہ کی میزان میں اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہیں۔'' (مسند احمد)

کام کے آدمی کے تعلق سے فرمانِ رسالتؐ کے تناظر میں دیکھیں تو ہمارے مولانا محبّ الحق صاحبؒ بھی بڑے کام کے آدمی تھے۔ انھوں نے اپنی پینسٹھ سالہ زندگی میں جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں درس وتدریس کے علاوہ جو بیش قیمتی کام انجام دیئے، وہ بلاشبہ انھیں ایک کام کا آدمی کہلائیں گے۔ تصنیف وتالیف اور جمع وترتیب میں انھیں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ انھوں نے اپنے محترم استاذ ومربی اور امروہہ کی معروف علمی ودینی

شخصیت حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی قدس سرہ کے رشحاتِ قلم کو اپنی جد وجہد اور کاوش کا مرکز بنایا۔ اس سلسلہ میں ان کی متعدد تالیفات: ''فیضانِ نسیم''، ''مقالاتِ فریدی'' سہ حصص، ''زیارتِ حرمین شریفین'' اور ''حیاتِ فریدی'' (زیرطبع) کے علاوہ ''جواہر پارے''، ''حکیم الامت کی محفل ارشاد''، ''سیّد العلما''، ''مکتوباتِ نعمانی''، ''مکتوباتِ مشاہیر''، ''اُردو تفاسیر وتراجم'' منظر عام پر آچکی ہیں۔ اس وقت وہ ''حیات فریدی'' اور ''سفرنامہ حجاز'' پر کام کر رہے تھے۔ امید ہے ان کے پسماندگان ان کے کام کی تکمیل کریں گے۔

مولانا مرحوم کی ولادت ۱۹۴۸ء میں بہار کے ضلع مدھوبنی کی ایک چھوٹی سی مردم خیز بستی پروہی میں ہوئی۔ یہ بستی نہ صرف پورے علاقہ؛ بلکہ پورے ضلع میں دیندار اور علما و حفاظ کی کثرت کے لیے جانی جاتی ہے۔ اسی خاک کے پردے سے مولانا محبّ الحق نے جنم لیا۔ آپ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جسے عام طور پر عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا حبیب الرحمٰن پتونوی سے حاصل کی، پھر آپ کو مولانا عبدالستار صاحب پرسونی کے حوالہ کیا گیا، جن کے پاس آپ نے پہلے پرسونی میں اور پھر جامعہ احمدیہ کاشی باڑی ضلع اُتر دیناجپور بنگال میں ابتدائی فارسی کی تعلیم حاصل کی اور جب آپ سن شعور کو پہنچ گئے اور مزید تعلیم کے حصول کے جذبہ نے موجیں مارنی شروع کیں تو آپ نے اتر پردیش کی اسلامی علوم کی معروف درسگاہ ''جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ'' کا رُخ کیا، جہاں اس وقت اپنے دور کے اساطین امت تشنگانِ علومِ نبوت کو سیراب کررہے تھے اور پھر ۱۹۷۳ء میں آپ نے اسی نورانی درسگاہ سے سند فراغت و فضیلت حاصل کی۔

جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں مولانا مرحوم نے جن اساتذۂ کرام سے کسب علم کیا ان میں نابغۂ عصر حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ، حضرت مولانا محمد اسماعیل جویاوی، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہٗ، مولانا منظور احمد ڈھکہ، علامہ شبیہ احمد صاحبؒ اور شیخ علامہ طاہر حسن صاحب خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ جامعہ اسلامیہ میں داخلہ کے بعد سے فراغت تک سب سے زیادہ تعلق حضرت مفتی صاحبؒ

سے رہا۔ آپ ہی کے حکم پر مولانا مرحوم کا قیام تادمِ واپسیں امروہہ میں رہا، جہاں آپ نے حضرت مفتی صاحبؒ کے علوم ومعارف کی ترتیب وتالیف کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت مفتی صاحب کے علوم ومعارف کی ترتیب وتسوید کے ساتھ ساتھ آپ مادرِعلمی جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں درس وتدریس کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ یہ حضرت مفتی صاحبؒ جیسے باکمال استاذ ومربی کی توجہ اور دعا کا ہی طفیل ہے کہ مولانا مرحوم نے جو کام کیا اسے عنداللہ اور عندالناس مقبولیت تامہ حاصل ہوئی۔

مولانا مرحوم بڑے عمدہ اخلاق سے مزین تھے۔ اتباعِ سنت آپ کا محبوب عمل تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت اور اوراد و وظائف پر مداومت آپ کے اوصافِ حمیدہ کا خاص حصہ تھے۔ امورِ خیر میں اخفا آپ کا معمول تھا۔ نام ونمود کے موجودہ دور میں کسی ایسے بندۂ مومن کا وجود بلاشبہ ایک بیش بہا نعمت اور سرمایۂ آخرت ہے اور مولانا مرحوم جس کی ایک بہترین مثال تھے۔ جو کوئی ایک بار ان سے ملتا وہ ان کے حسن اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ مولانا مرحوم عوام وخواص میں بڑی قدر ومنزلت سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو کا واقعی مصداق تھے۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مولانا محبّ الحق مرحوم کی دینی وعلمی خدمات کو دیکھتے ہوئے سمندر میں موجود اس تودۂ برف کی مثال نگاہوں میں آجاتی ہے، جس کا کچھ حصہ سطح سمندر پر تیرتا ہوا نظر آتا ہے اور بڑا حصہ سمندر کی گہرائیوں میں مستور ہوتا ہے۔ یہی حالت مولانا مرحوم کی بھی تھی۔ بہت کم لوگ ہوں گے، جنھیں مولانا مرحوم کی خدمات اور قربانیوں کا صحیح اندازہ ہوگا۔ سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ پروپیگنڈہ کے اس دور میں وہ خاموشی کے ساتھ کام کرنے کے عادی تھے۔ ان کے قول وعمل اور کردار میں اخلاص تھا اور یہی وہ جوہر نایاب ہے جو آج کے تشہیری دور میں انتہائی کمیاب ہے۔ اس طرح قحط الرجال کے اس دور میں مولانا مرحوم ایک عظیم نعمت اور خدائے پاک کی عظمت کا نشان تھے۔

مولانا مرحوم کو اللہ پاک نے حسن خاتمہ سے نوازا جو بلاشبہ ایک نعمت عظمیٰ ہے اور

جونصیب والوں کو حاصل ہوتی ہے۔مولانا مرحوم نے تقریباً ایک ماہ تک بیماری کا دُکھ اُٹھا کر زندگی کی کمی،کوتاہی اوراپنی غلطیوں کی بخشش کراکر اپنے پاک پروردگار کے نام کا ورد کرتے ہوئے جوارِ رحمت کا سفر اختیار کیا۔تکلیف کے اس ایک مہینہ میں خدا کے سعید بندے نے صبر وشکر کا دامن تھام کر بارگاہِ خداوندی سے بیحد وبے حساب اجر حاصل کیا اور زبانِ حال و قال سے نامِ خدا لیتے ہوئے جوارِ رحمت میں حاضر ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرما کر انھیں اپنے جوارِ رحمت میں خصوصی مقام عطا فرمائے،آمین:

ورق تمام ہوا مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

❑❑❑

مولانا محبّ الحق مرحوم

قدیم استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

از: جناب نظیف الرحمٰن صاحب سنبھلی
(معروف صحافی)

مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ ہمارے ماموں حکیم محمد احسن مرحوم کے یہاں سال میں ایک دو دفعہ ضرور آیا کرتے تھے، چوں کہ حضرت کی بینائی جاتی رہی تھی؛ اس لیے ان کے شاگرد مولانا محبّ الحق رہبر اور خدمت گار کی حیثیت سے ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے، اس وقت ان کے بارے میں بس اتنا ہی جانتا تھا؛ مگر یہ بہت پہلے کی بات ہے۔

اب جب کہ میں نے ''مولانا آزاد کی کہانی'' سے متعلق ایک مضمون لکھا اور وہ کچھ اخباروں میں چھپا، تب ان سے رابطہ کی شکل نکلی، دو ایک بار فون پر بات ہوئی، خیر وعافیت دریافت کرنے کے بعد، انھوں نے اطلاع دی کہ مولانا فرقان صاحب کے ذریعہ مفتی صاحبؒ کے مقالات، جو مرتب کر کے شائع کیے گئے ہیں، بھیج رہا ہوں، جن کی بابت بڑی عاجزی سے کہا کہ آپ بھی ان مقالات کے بارے میں کچھ لکھ دیں، ہر چند میں نے کہا کہ مجھ سے لکھنا لکھانا نہیں آتا؛ مگر اتنا اصرار جاری رہا، شاید وہ مفتی نسیم احمد فریدیؒ صاحب کی محبت اور ان سے تعلق کی وجہ سے اتنا اصرار کر رہے تھے، جو ایک طرح سے ضد کی حد کو چھو رہا تھا۔

بہر حال مفتی فریدی صاحبؒ اور ان کے شاگرد رشید کی محنت سے ''سفر نامہ حج'' اور ''مقالات'' جلد اول و دوم پر میں نے تعارفی قسم کے مضامین لکھے، جو مختلف اخباروں میں چھپ بھی گئے، مرحوم کی خواہش کے مطابق ان مضامین کی فوٹو کاپیاں ان کو بھجوا دیں، حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ کی سوانح حیات بھی انھوں نے مجھے بھیجی تھی؛ لیکن اس پر میں

کچھ لکھ نہ سکا، اگر ان کی حیات میں لکھ سکتا، تو وہ کتنے خوش ہوتے۔

یہ تو وہ باتیں ہیں، جو مفتی نسیم احمد فریدی صاحبؒ کے تعلق سے قلمی کام کے زمرے میں آتی ہیں اور جو مولانا محبّ الحق صاحب مرحوم سے اصل تعارف کا ذریعہ بنیں، ویسے ایک دن جب انھوں نے فون کیا کہ وہ سنبھل میرے غریب خانہ پر تشریف لانے کا ارادہ رکھتے ہیں، میں نے خوش آمدید کہتے ہوئے ان سے درخواست کی کہ آپ اس طرح آئیں کہ ناشتہ میرے ساتھ کریں، جسے انھوں نے بہ خوشی قبول کرلیا۔

وہ آئے اور میں چشمِ حیرت سے انھیں دیکھتا رہا، حیرت کی وجہ یہ تھی کہ اب وہ، وہ نہ تھے، جیسا کبھی پہلے ان کو دیکھا تھا، داڑھی پہلے بھی شرعی تھی؛ مگر سیاہ ریش، اب تو اچھے خاصے بزرگ لگ رہے تھے، اگر چہ صورت وشکل اور جسامت کے اعتبار سے لگ نہیں رہا تھا کہ انھیں کوئی عارضہ ہوگا، خیر ناشتہ ہوتا رہا اور باتیں بھی، اپنی کم، مفتی صاحبؒ کی زیادہ، میں نے مفتی صاحب کا انداز گفتگو دیکھا ہے، ان کی باتیں سننے کا متعدد بار موقع ملا، ان کے یہاں جس طرح کی سادگی، بے نیازی اور اپنے آپ کو چھوٹا ظاہر کرنے والی بات تھی، یہ اوصاف مرحوم کی شخصیت میں بھی نظر آتے تھے، بلاشبہ یہ سب کچھ مفتی صاحبؒ کی تربیت اور ان کی برکت کا ثمرہ ہی ہوں گے۔

یادداشت بھی مرحوم کی بہت اچھی معلوم ہوتی تھی، ایک بار مجھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے کسی استاذ کے بارے میں کچھ اشتباہ تھا، فون پر مرحوم سے معلوم کیا، آپ نے استاذ کا نام اور کالج، شاید عربک کالج دہلی کا نام بتلایا، جہاں تک مولانا مرحوم کی تحریری صلاحیت کا تعلق ہے، اس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ مفتی صاحبؒ کی تربیت سے اس میں نکھار آیا ہوگا، یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہر مصنف کے اندر اپنا ایک مصنف چھپا ہوتا ہے، بس اسے جگانے کی ضرورت ہوتی ہے، مفتی صاحبؒ نے ان کے اندر کے مصنف کو جگایا۔

مختصر یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے اپنے استاذ کے علم وقلم سے خوب استفادہ کیا اور دل نشین طرز تحریر کو اپنایا، جس کے ثبوت میں ان کے اس مضمون کو خاص طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، جو ''الفرقان'' کی خاص اشاعت ''مفتی نسیم احمد فریدی نمبر'' میں شائع ہوا تھا، اس کے

علاوہ مقالات میں افتتاحیہ کے طور پر مولانا نے جو تعارفی مضامین لکھے ہیں، وہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ایک اچھے نثر نگار تھے، مولانا نے جو کچھ بھی لکھا، اس میں ان کا خلوص اور مفتی صاحب مرحوم سے بے پناہ محبت شامل ہوتی تھی، اس کی گواہ ان کی تصانیف ہیں، جن کے بارے میں دوسرے اہل علم لکھیں گے۔

مولانا کی بیماری وغیرہ کی کوئی اطلاع پہلے سے نہیں تھی، اچانک عزیزم مولانا عمران ذاکر صاحب نے ایک دن اطلاع دی کہ یکم ستمبر بروز اتوار آپ کے مولانا محبّ الحق صاحب کا انتقال ہوگیا، یہ خبر سن کر بہت قلق اور رنج ہوا اور ''إنا للہ وإنا إلیہ راجعون'' کے الفاظ زبان پر آ گئے، اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی قبر کو اپنی رحمت سے بقعۂ نور بنادے، جانے کو تو سب جاتے ہیں؛ مگر بعض لوگوں کا جانا زیادہ ہی محسوس ہوتا ہے، دراصل وہ، وہ کام کر رہے تھے، جو کسی اکیلے آدمی کے بس کا کام نہیں ہوتا، خدا کرے کوئی صورت ان کے کام کو جاری رکھنے کی نکل آئے دیکھیے ع......

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق

مولانا کا وطن پروہی، مدھوبنی (بہار) ہے، امروہہ سے میت کو وہیں لے جایا گیا اور وطن عزیز کی مٹی ہی مرحوم کی آخری آرام گاہ بنی، آخر میں اس دعا کے ساتھ کہ جس سبزہ زار میں آپ مدفون ہیں، اللہ تعالی اس پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا رہے اور مرحوم کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

قلم برداشتہ لکھ رہا ہوں، یہاں ایک بات اور یاد آ گئی، وہ یہ کہ مولانا مرحوم کا ارادہ اپنے استاذ اور مرشد مفتی نسیم احمد فریدی کی سوانح لکھنے کا تھا، امید کی جانی چاہیے کہ یہ کام بھی ان شاء اللہ تکمیل کو پہنچے گا۔

مرحوم کا اخلاق بلند تھا، وہ مجھ جیسے بے علم سے بھی اس طرح پیش آتے جیسے میں بھی کوئی عالم دین ہوں؛ حالاں کہ علم دین سے تو میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ❑❑❑

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے شاگرد رشید

مولانا محبّ الحق صاحب مرحوم

از: جناب جنید اکرم فاروقی امروہی

اُستاذ اور شاگرد کا رشتہ اتنا ہی مضبوط اور اٹوٹ ہے جتنا باپ اور بیٹے کا، سکندر کا قول ہے:

''میرا باپ مجھے زمین پر لایا اور میرا اُستاذ مجھے آسمان پر لے گیا۔''

باپ سے زندگی ملتی ہے اور استاذ سے روشنی، جس سے زندگی کی تاریک راہوں میں اُجالا ہوجاتا ہے۔ خوش نصیب ہوتے ہیں وہ شاگرد جو اپنے اساتذہ کی قدر کرتے ہیں اور انہیں ان کی خدمت کا موقع ملتا ہے۔ اکثر بزرگوں سے سنا ہے کہ ''والدین کی خدمت سے رزق میں برکت ہوتی ہے اور اساتذہ کی خدمت سے علم میں''، یا والدین کی خدمت سے دولت ملتی ہے اور اساتذہ کی خدمت سے علم و دولت دونوں کا حصول ہوتا ہے، اسی طرح ان کی ناراضگی برکات سے محرومی کا باعث بنتی ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدیؒ جیسے عارف باللہ بزرگ کا شاگرد ہونا بذات خود ایک بڑی سعادت ہے، مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیت اور ان کے مرتبے کا اندازہ لگانے کے لیے ان کے ہم عصر ایک عالمِ دین مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی کی رائے ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ میری عقیدت کے مطابق (جو حقیقت کے مطابق بھی ہے) اُن عباد الرحمٰن میں سے ہیں، جن کا ذکر خیر کرنا زبان سے ہو یا قلم سے عبادات میں داخل ہے۔''

(فیضانِ نسیم)

ایسی شخصیت سے وابستگی سعادت دارین میں سے ہے۔مفتی صاحبؒ کے صدہاشاگرد ہیں،جن میں بہت بڑی بڑی شخصیات بھی ہیں۔مولانا محبّ الحق صاحب کو یہ خصوصی سعادت نصیب ہوئی تھی کہ وہ حضرت مفتی صاحبؒ کے شاگردرشید بھی تھےاور خادم خاص بھی۔

مولانا صاحب پروہی، ضلع مدھوبنی،صوبہ بہار کے ساکن تھے،آپ مفتی صاحبؒ کی خدمت میں اپنے زمانۂ طالب علمی ۱۹۶۷ء سے مفتی صاحبؒ کی وفات ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۸ءتک(۲۱سال)رہے،مولانا صاحب نےلکھا ہے:

''۱۹۶۷ءمیں ہم وطن ساتھیوں کے ہمراہ علم کی تلاش میں امروہہ کے لیے رخت سفر باندھا...جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ ....میں ایک طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا،اس وقت اس درس گاہ میں مایہ ناز علماء علم کا دریابہار ہے تھے، دارلحدیث سے جنوب کی درسگاہ میں دیوار سے کمرلگائے ہوئے ،ایک درویش صفت بزرگ نگاہیں نیچی کیے ہوئے درس دے رہے تھے ، یہ تھے نابغۂ عصر بقیۃ السلف حُجّۃ الخلف حضرت مولانا مفتی نسیم احمدفریدی امروہیؒ،جن کے علم کا شہرہ ہندو بیرون ہند تھا،اس احقر کی بھی ایک کتاب کا سبق آپ کے یہاں تھا۔کتاب لے کر حاضر ہوااوراپنی دیہاتی زبان میں سلام کیا۔ بعدِ جواب سلام، فرمایا:''سلام ٹھیک کرو'' پھرخودہی دوتین مرتبہ کہلوایا''السلام علیکم''بعدہ نام معلوم کیا،اس کے بعد برابراپنے الطافِ بے پایاں سے نوازتے رہے۔ ۱۹۷۳ء میں درس نظامی سے فراغت کے بعد احقر سے فرمایا:''تمہیں امروہہ سے جانانہیں ہے،ہمارے ساتھ رہنا ہے''اس دن سے آخرتک آپ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ وررہا،آپ نے احقر کواپنی اولاد کی طرح رکھااوراس قرب کی انتہاء یہ ہے کہ اپنے انہیں

ہاتھوں سے آپ کی ابدی آرامگاہ تک لیجا کر لٹا دیا۔'' (فیضان نسیم)

مفتی صاحبؒ نے مولانا مُحب الحق صاحبؒ ہی کو کیوں اپنی خدمت کے لیے منتخب کیا؟ یقیناً مولانا صاحب کے زمانۂ طالب علمی میں مفتی صاحب نے ان کی شخصی خصوصیات کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا، جانچ پرکھ لیا تھا، علمی سوجھ بوجھ کے علاوہ ان کی شرافت نفسی، سعادت مندی، فرمانبرداری، اطاعت گذاری جیسے جوہر ان کی نگاہ میں آگئے تھے، انہیں خوبیوں کی وجہ سے مولانا کے جذبۂ احساس شناسی نے مفتی صاحبؒ کے حکم کہ ''تمہیں امروہہ سے جانا نہیں ہے، ہمارے ساتھ رہنا ہے۔'' پر سر تسلیم خم کر دیا، ایسے ایک سعادت منداور اطاعت شعار شاگرد کی طرح اپنے گھر بار کو استاد کی خدمت گذاری پر قربان کر دیا۔ ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

وہ ان کے جلوت وخلوت کے مصاحب، سفر وحضر کے صاحب، تحریر وتقریر کے شاہد، اعمال و اشغال کے مشاہد تھے۔ مولانا مُحب الحق صاحبؒ کی مثال مولانا بدر الدین اسحاقؒ جیسی ہے، جو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے خادم خاص تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''میں ان کا خادم خاص تھا، جو کام ہوتا، وہ مجھ سے کہتے۔ خلوت اور جلوت میں ایک بات کہتے اور کرتے تھے، مجھ سے کبھی علیحدگی میں ایسی بات نہیں کہی، جو ظاہر میں نہ کہہ سکتے ہوں، یعنی ظاہر و باطن میں ان کی روش ایک تھی اور یہ بات عجائب روزگار میں سے ہے۔''
>
> (بحوالہ فوائد الفواد تاریخ مشائخ چشت، ۱۶۱)

مولانا محبّ الحق صاحب، مفتی صاحبؒ کے بارے میں شہادت دیتے ہیں:

> ''احقر کو آپ سے اکیس (۲۱) سال تک قریبی تعلق رہا.. اللہ نے مجھے حضرت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا، بعض صفات میں آپ کا ثانی کوئی نظر نہیں آتا، سفر میں دیکھا، حضر میں دیکھا، خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، یہ وہ ذات گرامی تھی، جو نام ونمود اور شہرت سے

کوسوں دور تھی، آپ کی ذات ستودہ صفات گوناگوں خوبیوں کی جامع تھی، جس کا احصاء مجھ جیسے نااہل سے مشکل ہی نہیں محال ہے، میں تو صرف اتنا کہوں گا کہ آپ اپنے اخلاق عالیہ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے....آپ کی پوری زندگی اتباع رسولؐ میں گذری، ہر معاملے میں سنت کا خیال رہتا تھا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، بات چیت، بول وبراز؛ غرض ہر معاملے میں سنت کا اہتمام رہتا، آخر وقت تک بول وبراز کے وقت پانی سے پہلے مٹی کا استعمال ضرور فرماتے تھے؛ کبھی بھی ننگے سر رفع حاجت کو نہیں بیٹھے، ایک مرتبہ علالت کے زمانے میں احقر نے ننگے سر رفع حاجت کو بٹھادیا فوراً فرمایا: ٹوپی لاؤ......الخ

(الفرقان فریدی نمبر)

دور حاضر میں آنکھوں سے معذور ایک عالم دین کی یہ روش واقعی عجائب روزگار میں سے تھی، جو ایک اللہ کے ولی ہی سے ظہور میں آسکتی ہے اور اہل دنیا کو اس کا علم اس کے محرم اسرار خادمِ خاص کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے، مفتی صاحبؒ کے فیض صحبت سے مولانا صاحب بھی تقویٰ شعار، غیرت مند شخص تھے۔

مولانا محبّ الحق صاحب نے اہل زمانہ کو اس ولیٔ یگانہ کے احوال سے آگہی کے لیے ''فیضان نسیمؒ'' اور ''حیاتِ فریدیؒ'' لکھیں، ''فیضان نسیم'' مفتی صاحب کی رحلت کے ایک سال بعد ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی، جس میں مفتی صاحب کے سوانحی کوائف، ملفوظات اور کچھ مکتوبات شامل ہیں، سوانح میں بیشتر وہ واقعات اور معاملات ہیں جن کے مولانا صاحب عینی شاہد تھے اور بعض وہ ہیں، جو صرف مولانا صاحب ہی کے علم میں تھے۔

دوسری تالیف ''حیاتِ فریدیؒ'' ۱۴۳۴ھ میں شائع ہوئی تھی، اس کے سوانحی باب کی کتابت ہوچکی تھی کہ مولانا کا وقتِ موعود آگیا، مولانا صاحب نے ازراہ مہربانی اس کی پروف ریڈنگ راقم سے کرائی تھی؛ اس لیے میرے علم میں ہے، مزید وہ اس میں اُن مراثی اور مناقب کو شامل کرنا چاہتے تھے، جو شعراء نے مفتی صاحب کی وفات پر کہے تھے

(مولانا صاحب کے صاحبزادے مولانا امدادالحق قاسمی سلّمہٗ، ساکن حیدآباد، اس اشاعت کے لیے مستعد ہیں) مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی تالیفات میں تقریباً ۱۲ کتب ہیں، جن میں سات (۷) کتابیں، ان کے استاذ محترمؒ سے متعلق ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا صاحب کا سب سے اہم اور پُر وقعت کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مختلف رسائل میں بکھرے ہوئے مفتی صاحب کے مضامین کو یکجا کیا اور انہیں تین جلدوں میں ’’مقالات فریدیؒ‘‘ کے نام سے شائع کیا، اس طرح انہوں نے نہ صرف اِن علمی جواہر پاروں کی حفاظت کی؛ بلکہ ان کے افادے کو بھی از سرنو عام کر دیا، یہ مضامین انہوں نے جس قدر محنت اور جانفشانی سے حاصل کیے، ان کا کچھ اندازہ راقم کو ہے، وہ ہر ملاقات پر فرماتے کہ کس مضمون کے لیے کہاں خط لکھا گیا ہے، کن صاحب کا جواب آ گیا ہے، یا مضمون کی زیروکس آ گئی ہے، مضمون کے حصول کے بعد مولانا صاحب بشاش ہو جاتے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے دیوبند، مظفرنگر، کاندھلہ، تھانہ بھون وغیرہ کے سفر بھی کیے۔

وہ مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی مدظلہ کے بہت زیادہ ممنون تھے کہ اس جدوجہد میں آنجناب نے ان کی بہت اعانت فرمائی ہے، مقالاتِ فریدی کی اشاعت یقیناً علمی دنیا پر مولانا محبّ الحق صاحب کا احسان عظیم ہے، ان مقالات میں بعض مقالات بالعموم اہل نظر کے لیے بے شک وجہ بصیرت ہیں۔

مفتی صاحبؒ کا ’’سفر نامہ ٔ حج‘‘ الفرقان (لکھنؤ) میں پانچ قسطوں میں ’’زیارتِ حرمین‘‘ کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اسے بھی مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے اسی نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔ ’’سید العلماء‘‘ مولانا احمد حسن محدّث امروہیؒ (شاگرد رشید مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی حیات اور علمی خدمات پر مشتمل ہے، یہ بالاقساط سنہ ۵۴/۵۳ء میں ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوئی تھی، اس کی بعض قسطوں کے حصول کے لیے مولانا محبّ الحق صاحب نے دیوبند کا سفر کیا اور دارالعلوم کے کتب خانے میں انہیں تلاش کر کے مرتب کیا، اس میں مولانا نے حواشی اور متن میں ضروری اضافے بھی کیے، اس کتاب کی اشاعت میں حضرت مُحدّث امروہیؒ کے نبیرے عزیزی کامران رضوی

سلّمہ، ابن محترم زُبیر رضوی نے تعاون کیا (معروف شاعر جناب زبیر رضوی حضرت مُحدّث امروہوی کے پوتے ہیں)۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا انتخاب مولانا فریدیؒ نے بہت عرق ریزی اور دیدہ وری سے کیا ہے، جو۲۳رقسطوں میں ماہنامہ الفرقان میں شائع ہوا تھا، مولانا مُحب الحق صاحب نے انہیں یکجا کرکے ''حکیم الامت کی محفلِ ارشاد'' کے نام سے شائع کیا ہے، اس کی اشاعت مرکز معارف حکیم الامت تھانہ بھون سے ہوئی ہے۔

اسی طرح مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ملفوظات، جنہیں مولانا فریدیؒ نے ''جواہر پارے'' کے نام سے قسطوار شائع کرایا تھا، انہیں بھی مولانا مُحبّ الحق صاحب نے کتابی صورت میں شائع کیا۔

مولانا مرحوم کی مذکورہ تالیفات اپنے استاذ گرامی کے لیے اُن کی بے پناہ جذبۂ محبت وعقیدت کی آئینہ دار ہیں، ایک شریف النفس شاگرد جو احساس ممنونیت سے سرشار ہو، اسی طرح حق شاگردی ادا کرسکتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ مولانا مُحبّ الحق صاحب نے اپنی زندگی اس کارِخیر کے لیے وقف کردی تھی اور انہوں نے بأحسن وجوہ اس حق کو ادا کرنے کی سعی بلیغ انجام دی اور وہ یقیناً اس میں کامیاب ہوئے، خداوند قدّوس کی بارگاہ سے ان شاءاللہ انہیں اس کی جزائے احسن ملے گی۔

ان کے علاوہ مولانا کی چند تالیفات اور ہیں (۱) مکتوبات نعمانی: مولانا منظور احمد نعمانیؒ کے مکتوبات کا مجموعہ ہے۔(۲) مکتوبات مشاہیر، بنام نواب عزیزالٰہی خانصاحب حسن پوریؒ (حسن پور ضلع امروہہ) (۳) علماے دیوبند کی تفسیری خدمات (۴) سیرت ذوالنورین: خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی مختصر سوانح، آخر میں مولانا صاحبؒ، مولانا احمد حسن مُحدّث امروہیؒ کے فتاویٰ پر بھی کام کررہے تھے، جو انہوں نے جامع العلوم فرقانیہ رام پور کی لائبریری سے بہ عنایت ڈاکٹر شعائراللہ خاں صاحب حاصل کیے تھے۔

مولانا نے یکم ستمبر۲۰۱۳ء بروز اتوار علی الصبح قلبی عارضہ میں مبتلا ہوکر رحلت فرمائی، ان کی تدفین ان کے وطن پروہی ضلع مدھوبنی (بہار) میں ہوئی، جہاں ان کی ولادت

۱۹۸۴ء کو ہوئی تھی، محمد حنیف صاحبؒ مولاناؒ کے والد گرامی تھے۔

مولانا کے اخلاف میں چھ صاحبزدگان اور ایک صاحبزادی بریرہ فریدی ہیں:
صاحبزدگان میں قاری رضوان الحق اور ضیاء الحق بسلسلہ کاروبار دہلی میں مقیم ہیں، مفتی امداد الحق قاسمی، جنہوں نے دارالعلوم دیوبند سے فضیلت، افتاء اور تخصُّص فی الادب کی سند لی ہے، حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، مولانا احترام الحق فاضل جامع مسجد امروہہ ممبئی میں مصروف درس وتدریس ہیں، محبوب الحق اپنے بھائیوں کے ساتھ دہلی میں مصروف کار ہیں، نسیم الحق حیدرآباد میں سول انجینئرنگ کا کورس کر رہے ہیں۔ (اب برسر ملازمت ہیں۔)

مولانا امداد الحق صاحب اپنے والدِ ماجد کے ادھورے کاموں کی تکمیل کے لیے کمربستہ ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی امداد واعانت فرمائے۔ آمین!

❑❑❑

ایک جرعۂ نوشِ فریدیؒ، مولانا محبّ الحق

از: ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی
گھیر مناف، امروہہ (یو. پی.)

الفرقان کے ''فریدی نمبر'' میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ کے علمی شغف پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

> ''علمی اشغال رکھنے والے، تصنیف و تالیف کرنے والے بہت مل جائیں گے؛ لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق ہی نہیں؛ بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفا، سب کچھ ہو وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔'' (الفرقان ''فریدی نمبر'' ص ۴۶)

اسی طرح کی ایک علمی شغف رکھنے والی شخصیت امروہہ میں مولانا محبّ الحق صاحب کی بھی ہوئی۔ مولانا محبّ الحق کی پیدائش اگرچہ صوبہ بہار کے ضلع مدھوبنی، مقام پروہی میں ہوئی؛ مگر آپ کی تعلیم وتربیت اور پروش امروہہ جیسی علم پرور، ادب نواز بستی میں ہوئی۔ جنھوں نے امروہہ کی ایک مشہور علمی درسگاہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع جامع مسجد امروہہ سے اپنی تعلیم وتربیت کا آغاز کیا اور یہاں پر حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ، حضرت مولانا سراج احمد خانصاحب (تلمیذ خاص حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) حضرت مولانا شبیہ احمد خاں صاحبؒ، حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحبؒ، مولانا قاری فضل الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مولانا سید حامد حسن صاحبؒ جیسے بزرگانِ دین اور اکابر علماء کرام کے زیر سایہ تعلیم وتربیت پائی۔

ان اسلاف میں مولانا محبّ الحق صاحب کی تعلیم وتربیت میں حضرت مولانا مفتی

نسیم احمد صاحب فریدی الفاروقیؒ کا خاص دخل ہے۔آپ جب سے بغرض تعلیم امروہہ آئے اسی وقت سے آپ کو ایک ایسی عظیم المرتبت شخصیت جو بلاشبہ کیمیا اثر تھی، جو کچھ برسوں نہیں کچھ مہینوں نہیں؛ بلکہ کچھ دنوں آپ کی بابرکت صحبت میں رہ جاتا، کیسا بھی زنگ آلود ہوتا زرِ خالص اور کندن بن جاتا تھا۔حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ سے فیض یافتہ جواہر پاروں میں (صرف امروہہ میں) پروفیسر خلیق احمد نظامی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، پروفیسر سید محمد طارق حسن، حافظ و قاری مولانا محمد یوسف صاحب امروہوی، حافظ عارف حسن کاظمی؛ جیسی عظیم الشان شخصیات شامل ہیں، جو اپنے اپنے میدانوں کے یکتا شہ سوار ہوئے اور ہیں۔ان ہی میں ایک شخصیت مولانا محبّ الحق صاحب کی بھی ہے، جو ایک طویل عرصہ آپ کے دامن فیض سے جڑے رہے۔

مولانا محبّ الحق صاحب کا معاملہ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ سے بالکل ایسا ہی تھا جیسے زبدۃ الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کا تھا، جیسا کہ امیر خسروؒ، سلطان الاولیاء محبوب الٰہی حضرت نظام الدین کے صرف شاگرد و مرید ہی نہیں تھے؛ بلکہ خلوت وجلوت کے ساتھی؛ بلکہ ہمہ وقتی خدمت گار تھے۔اسی طرح مولانا محبّ الحق صاحبؒ بھی حضرت فریدیؒ کے شاگرد، مرید، خادم، خلوت وجلوت کے ساتھی، منشی، سفر وحضر میں ہم راہی سبھی کچھ تھے۔

مولانا محبّ الحق صاحبؒ طالب علمی کے مراحل سے گذر کر یعنی مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ سے درس نظامی کی تحصیل وفراغت کے بعد بھی امروہہ میں ہی رہے؛ کیونکہ انھوں نے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کی صحبت میں دنیا جہاں کی خوبیاں، کامیابیاں اور خوشیاں دیکھ لیں تھیں اور بخوبی اندازہ کرلیا تھا کہ:

''کس چیز کی کمی ہے خواجہ تری گلی میں''

اسی لیے انھوں نے ''یک در گیر، محکم گیر'' کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے ''درِ فریدی'' کو ہی اپنا ماویٰ وملجاء اور مسکن بنالیا تھا، اگر کبھی کبھی سماجی ذمہ داریوں کے تحت اپنے وطن بہار تشریف لے بھی جاتے، تو بہت ہی جلد ''ماہیٔ بے آب'' کی مانند مولانا مفتی نسیم احمد

فریدیؒ نام کے علمی سمندر میں غوطہ زنی کے لیے لوٹ آتے۔ حضرت مولانا محبّ الحق صاحب نے اس ''علمی بحرالفضائل'' سے کیا کیا سیکھا، پڑھا تھا، اس کا اندازہ ان کے کارناموں کو دیکھ کر کوئی عالم و فاضل ہی لگا سکتا ہے، میں تو بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں، جو میں نے دیکھا ہے کہ مولانا محبّ الحق صاحب صبح سے شام اور شام سے پھر صبح تک فریدی الفاروقی نام کے ذخیرۂ علمی میں نسیم جاں بخش کی مدہم مدہم رفتار سے اپنے ذہن وفکر کو جلا بخشتے رہتے تھے۔ اپنے محسن و مربی استاد کے ساتھ ہمہ وقت مطالعہ اور علمی شغف نے انہیں سرمست وسرشار کردیا تھا۔

مولانا محبّ الحق صاحب کے استاذِ گرامی حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی الفاروقیؒ ایک فطری و وہبی ادیب وشاعر اور لاجواب نثر نگار تھے۔ کم وبیش بیس علمی، ادبی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف ومترجم اور مؤلف تھے۔ اس کے علاوہ ان کے متعدد علمی وتحقیقی اور ادبی مقالے ملک وبیرون ملک کے مختلف ادبی رسائل وجرائد میں بکھرے ہوئے تھے، جو عوام کی پہنچ سے بلاشبہ بہت دور تھے۔ مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے اپنے استاذ گرامی کی وفات ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۸ء کے بعد سے ہی اپنے استاد مکرم کے علمی کارناموں کو محفوظ کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور رات دن کی محنت اور لگن کے بعد ان کے مضامین ومقالات علمی کو تحقیق وتلاش کے بعد ''مقالاتِ فریدی'' کے نام سے تین جلدوں میں شائع کیا۔ دوسرے فریدی صاحبؒ کا ایک بہت ہی علمی کارنامہ سفرنامۂ حج کو جو ''زیارت حرمین'' کے نام سے تھا، اور ماہ نامہ ''الفرقان'' لکھنؤ میں قسط وار شائع ہوا تھا، اسی کو مولانا محبّ الحق صاحب نے مرتب فرما کر شائع کیا اور بہترین، مفید وکارآمد حواشی تحریر فرمائے، جس نے بلاشبہ ''زیارت حرمین'' کی اہمیت وافادیت میں معتد بہ اضافہ کیا ہے۔

ان حواشی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی تلاش وتحقیق کس درجہ پر فائز تھی، جو تذکرہ نگاری کی تاریخ میں ایک مثالی کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی زبان وبیان اور تحریر کی ادبی چاشنی میں حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کا رنگ جھلکتا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ استاذ حدیث مظاہر علوم سہارنپور نے

''جواہر پارے'' کی تقریظ میں تحریر فرمایا ہے:

''حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کے خاص تربیت یافتہ حضرت مولانا محبّ الحق صاحب، استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ نے دوبارہ کتابی شکل میں خاص ترتیب سے شائع کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اور اپنے استاذ محترم کے حواشی کے ساتھ ساتھ اپنے مفید حواشی کا اضافہ فرمادیا ہے؛ اس لیے امید ہے کہ (اس کی) تاریخی حیثیت مزید مستند ہوجائے گی، جیسا کہ میں نے حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ کے ''مکتوبات نعمانی'' کے تعارف میں لکھا تھا کہ مولانا محبّ الحق کی تحریرات و تحقیقات ہو بہو اپنے استاذ گرامی کی تحریرات وتحقیقات کا مثنّیٰ ہوا کرتی ہیں۔''

مولانا محبّ الحق صاحب کے اندر تذکرہ نگاری اور کتاب کو ترتیب و تدوین کرنے کا ایک خاص ملکہ تھا؛ مگر انھوں نے صرف اور صرف اپنے استاذ مکرم کے رشحات قلم کو ہی از سرِ نو مرتب و مدون کرنے میں اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کردیا۔ بلاشبہ مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ علم و فضل کا وہ رواں سمندر تھے کہ اگر مولانا محبّ الحق صاحبؒ پوری زندگی بھی اپنے استاذِ گرامی کے جواہر پاروں کو جمع کرکے شائع فرماتے رہتے، تو اس کے لیے ایک طویل عمر درکار تھی، خود مولانا محبّ الحق صاحبؒ ''مقالات فریدی'' جلد سوم کے ''افتتاحیہ'' میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا فریدیؒ کی تصنیفات وتالیفات اور مقالات، معارف و حقائق کا مجموعہ ہیں۔ اللہ نے آپ سے وہ کام لیا جو ایک کمیٹی یا ایک ادارہ انجام نہیں دے سکتا۔''

اب ظاہر ہے کہ معارف وحقائق سے لبریز ان رشحات کو جو ایک ادارے اور کمیٹی کے کام تھے، وہ صرف شخص واحد سے کیسے سمیٹے جاسکتے تھے، پھر بھی مولانا محبّ الحق صاحبؒ تمام عقیدت مندان ومحبانِ فریدیؒ کے شکریہ اور دعاؤں کے حق دار ہیں کہ انھوں نے رات

دن انتھک محنت اور صلہ وستائش کی تمنا کیے بغیر اپنے استاذ محترم کی اکثر تحریرات وتحقیقات کو جگہ جگہ سے تلاش وتحقیق کر، نئی توانائی اور مفید وکار آمد حوالوں اور حواشی کے ساتھ عوام تک پہنچانے کی سعیِ جمیل وکوشش بلیغ کی ہے، میں مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی زادکرمہ کے ایک اقتباس کو یہاں تبرکاً نقل کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں:

> ’’آخر میں اس کتاب کی تازہ اشاعت کے لیے مولانا فریدیؒ کے کاتب، مرتبِ مسودات اور خادمِ خاص مولانا محبّ الحق صاحب دام مجدہٗ مقیم امروہہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، مولانا ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ مولانا نے اس نادر تحریر کو رسائل کے ذخیرہ میں تلاش کر کے مرتب کیا اور نئی طباعت کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ مولانا اس وجہ سے لائق تحسین بھی ہیں اور قابل رشک بھی کہ مولانا کی کوشش اور حسن توجہ سے مولانا فریدی کے علمی آثار مرتب ہو کر نئے قالب میں جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ تذکرہ مولانا سید احمد حسن امروہیؒ اور مولانا فریدیؒ کے علمی مقالات کا گراں قدر مجموعہ ’’مقالات فریدی‘‘ کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات کا عمدہ انتخاب ’’حضرت تھانویؒ کی محفل ارشاد‘‘ بھی شائع ہو کر جلوہ گر ہو چکا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مکتوبات کا انتخاب جو ’’جواہر پارے‘‘ کے عنوان سے زیر اشاعت ہے (یہ بھی شائع ہو گیا ہے) ان کے علاوہ مولانا کے اور بھی کئی علمی منصوبے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو عمدہ طریقے پر مکمل کرائے، مولانا محبّ الحق صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ان سب کی تصحیح، مقابلہ اور طباعت کا اہتمام کیا۔‘‘

(بحوالہ ’’زیارت حرمین‘‘ از: تقریظ مولانا نور الحسن صاحب راشد کاندھلوی مدظلہٗ بعنوان ’’سخنے از سخن ناشناس‘‘ ص: ۱۵، ۱۶)

❑❑❑

اک چراغ اور بجھا......

حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ

از: مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی

استاذ عربی ادب دارالعلوم وقف دیوبند

علم و تحقیق اور تصنیف وتالیف سے وابستہ ہر زمانہ میں سینکڑوں حضرات رہے ہیں، جن کے ذوق تحقیق سے بساط علم وفن منور اور جن کی بہارِ جدت طرازی اور نکتہ آفرینی سے گلستان فضل وکمال لالہ زار اور سرسبز وشاداب رہے ہیں؛ لیکن ان محققین میں ایسے لوگ کم ہی رہے ہیں، جو پوری خاموشی اور اخلاص کے ساتھ اپنی زندگی کا پورا حصہ علم وفن کے نام کر گئے ہوں، شہرت ونا موری اور دوسروں پر اپنے کو مسلط کرنے کے جذبے سے پاک ہوں، سادگی وخاموش مزاجی، تواضع اور فروتنی جن کی شناخت بن چکی ہو اور جو ہنگامہ خیز اور تلاطم ریز دنیا میں بھی اس اصول پر جیتے ہوں:

سارے انداز حسن پیارے ہیں ہم مگر سادگی کے مارے ہیں

حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ کا شمار بلا مبالغہ ایسے ہی گنے چنے محققین اور مصنفین میں کیا جاسکتا ہے، انہوں نے زندگی کا تمام شعوری حصہ جامع مسجد امروہہ میں گزارا، اس دوران تدریس، تصنیف، تحقیق اور تاریخ و سیرت نویسی جیسی پیچیدہ علمی مصروفیات میں پوری یکسوئی سے مشغول رہے، ان کی تدریسی اور تصنیفی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، وہ کاروان علم وفضل کی اس کڑی کا حصہ تھے، جو صلہ وستائش کی تمنا سے بے پرواہ، راستے کی دشواریوں اور پیچیدگیوں کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ نبرد آزما، منزل مقصود کی طرف گامزن رہا ہے۔

مولانا بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، تواضع ان کا مزاج، عزلت پسندی اور گوشہ نشینی ان کی طبیعت، مطالعہ ان کا شوق، کتابیں ان کی رفیق، تذکرۂ اکابران کی مجلس کا

موضوع اور چھوٹوں کی تربیت اوران کی ذہنی وفکری تعمیر ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

جامعہ امروہہ کی خدمت

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ اپنی تشکیلی حیثیت سے فیضان علمی کی عالمی نہر: دارالعلوم دیوبند سے نکلی ہوئی ایک ’’شیریں آب جو‘‘ ہے، نسبت قاسمی نے جس کی لہروں کو تلاطم اور حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ کی جدوجہد نے اس کی موجوں کو شورش قلزم بخشا ہے، اس ادارہ نے روز اول سے فکر دیوبند کی حفاظت اوراس کی اشاعت میں نمایاں کردارادا کیا ہے، اس ادارہ کے بام و در سے ہزاروں نامور شخصیات نے جنم لیا اور سب کی مجموعی خدمات نے اس ادارہ کو ایک چنگاری سے شعلۂ جوالہ اور بادنسیم کی کمزور اداؤں سے مضبوط اسلامی طوفان کا کردار عطا کیا ہے۔ ان شخصیات میں ایک اہم نام حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ کا بھی ہے۔

بلاشبہ مولانا کی کثیر الجہات خدمات سے ادارہ کا وقار بلند ہوا ہے، اس کی ایک علمی اور تحقیقی شناخت بنی ہے، مردم سازی اور کردار تراشی کی ایک مثال قائم ہوئی ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں، جو کسی ادارہ کی بنیادوں کو مستحکم کرتی ہیں۔

حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ جامعہ امروہہ کے مقبول ترین استاذ تھے، آپ کے شاگردوں کا کہنا ہے کہ آپ کا درس انتہائی دل چسپ اور باغ و بہار ہوتا تھا، بڑے ہی خوشگوار ماحول میں پڑھاتے تھے، طلبہ غلطیاں بھی کرتے، تو مسکرا کر اصلاح فرمادیتے، طلبہ کو سوالات کرنے کا پورا موقع دیتے اور محنتی طلبہ کو سراہتے تھے، اس لئے طلبہ ان سے بیحد محبت کرتے تھے۔

اوصاف وعادات

وہ صبر وقناعت میں سلف کا نمونہ تھے، عسر اور تنگی کا انہیں زندگی بھر سامنا رہا؛ مگر وہ اس رفیق حیات کو تاحیات صبر واستقامت کے ساتھ جھیلتے رہے، امروہہ کی ایک مسجد کے امام تھے، امامت کی معمولی تنخواہ پر گذارا کرتے رہے، مدرسہ سے کبھی تنخواہ نہیں لی، آخر میں تنخواہ مقرر ہوئی تھی؛ مگر فقر غیور کی عادی حیات مستعار نے قفس امیری کو اپنی انا کی توہین

سمجھا اور اس کی محبوس فضا سے نکل کر عالم آخرت میں اپنا بسیرا بنالیا۔

آپ سادگی، تواضع اور منکسر المزاجی کی تصویر تھے، نہ پہننے میں کوئی رکھ رکھاؤ، نہ کھانے پینے میں کوئی تکلف، جو غذا ہوتی کھاتے اور جو لباس میسر ہوتا پہن لیتے، مال و اسباب کے جمع کرنے کی ہوس سے قطعاً پاک تھے، مسجد کا ایک چھوٹا سا کمرہ آپ کی محنتوں اور سرگرمیوں کی آماج گاہ تھا، کمرہ میں کتابوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، دو پرانے اور چھوٹے صندوق تھے اور وہ بھی کتابوں سے ہی بھرے ہوئے، یہی آپ کا کل اثاثہ اور یہی آپ کی وراثت تھی، اس وضع داری سے جینے والے لوگ کبھی کبھی ہی پیدا ہوتے ہیں۔

شخصیت کی تعمیر اور تشکیل کے بنیادی عناصر

مولاناؒ کی شخصیت کی تعمیر اور تشکیل کے بنیادی عناصر دو ہیں: ایک آپ کا وطن، دوسرے حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ:

آپ کا وطن مالوف بہار ہے، جسے ہندوستان کے تمام صوبوں میں رجال سازی کا کندن کہنا بجا ہے، بڑی بڑی ذہانتیں اور نابغۂ روزگار شخصیات کا خمیر اس کی خاک سے بنا ہے، مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد قومی وملی مسائل کے لئے جو تحریکیں اٹھیں ہیں اور جو تنظیمیں بنی ہیں، ان تمام کی رگوں میں بہار کا خون جگر دوڑتا رہا ہے، وہ چاہے تحریک آزادی ہو، یا تحریک ندوۃ العلماء، جمعیۃ علماء ہند ہو یا امارت شرعیہ، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ہو یا آل انڈیا اسلامی فقہ اکیڈمی۔

ظاہر ہے کہ وطن کے ماحول، آب وہوا اور خصوصیات کا انسان کے مزاج ومذاق کی تشکیل میں بڑا گہرا اثر رہا ہے، مولانا بہت حد تک ان خصوصیات کے حامل تھے اور ان ہی خصوصیات کے ساتھ وہ امروہہ پہنچے۔

حضرت فریدیؒ سے تعلق

مولانا کی شخصیت کی تعمیر کا سب سے بڑا عنصر حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدیؒ کی تربیت ہے، حضرت مولانا فریدیؒ سرزمین امروہہ کے درشاہ وار تھے، امروہہ شروع سے ہی اساطین علم وفضل کا مرکز رہا ہے، حضرت فریدیؒ ان تمام عظمتوں کے نشان

اور اپنے اسلاف کے کارناموں کے امین تھے، وہ کامیاب محقق ومصنف اور برجستہ شاعر تھے، اکابرین سے انہیں کافی لگاؤ تھا، وہ انشاء پردازی میں سہل، شستہ اور پختہ اسلوب رکھتے تھے، تحقیق وتدقیق ان کا خاص شوق تھا اور اس میں انہیں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی؛ بلکہ علمی حلقوں میں خود ان کی ذات اعتبار اور پختگی کی سند بن گئی، انہوں نے متعدد تحقیقی کتابیں تصنیف کیں، وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔

۱۹۶۷ء کا کوئی مبارک دن تھا، جس میں ۱۵/۱۶ سال کا طالب علم محبّ الحق، جامع مسجد امروہہ میں داخل ہوا، اس وقت یہ مدرسہ نامور علماء وفضلاء کا مخزن تھا، انہی علماء میں نازش چمن حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہویؒ بھی تھے، حضرت فریدیؒ کی جوہر شناس نگاہ نے اس درِ ناسفتہ کا ادراک کیا اور الطاف وعنایات کی بارش کردی، چناں چہ ''فیضان نسیم'' میں مولانا خود رقم طراز ہیں:

> ''دار الحدیث سے جنوب کی درسگاہ میں، دیوار سے کمر لگائے ہوئے، ایک درویش صفت بزرگ، نگاہیں نیچی کئے ہوئے درس دے رہے تھے، یہ تھے نابغۂ عصر بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ، جن کے علم کا شہرہ ہند وبیرون ہند تھا، اس حقیر کی بھی ایک کتاب کا سبق آپ کے یہاں تھا، کتاب لے کر حاضر ہوا اور اپنی دیہاتی زبان میں سلام کیا، بعد جوابِ سلام، فرمایا: سلام ٹھیک کرو پھر خود ہی دو تین مرتبہ کہلوایا ''السلام علیکم'' بعدہ نام معلوم کیا، اس دن سے برابر اپنے الطاف بے پایاں سے نوازتے رہے''۔ (فیضان نسیم)

۱۹۷۳ء میں مولانا کی فراغت ہوئی، تو استاذ محترم نے امروہہ میں ہی ٹھہر جانے کا حکم صادر فرمایا، سعادت مند طالب علم حکم عدولی کی تاب نہیں رکھتا تھا، چناں چہ حضرت فریدیؒ کے زیر سایہ وہیں علم وفن کی ایک ایسی بساط بچھائی، جو ان کی وفات کے بعد ہی سمیٹی گئی۔

حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے اس واقعہ کو اپنے سادہ الفاظ میں یوں تعبیر کیا ہے:

> ''۱۹۷۳ء میں درس نظامی سے فراغت کے بعد احقر سے (حضرت مفتی

صاحبؒ نے) فرمایا: ''تمہیں امروہہ سے جانا نہیں ہے ہمارے ساتھ رہنا ہے''، اس دن سے اخیر تک آپ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ ور رہا، آپ نے احقر کو اپنی اولاد کی طرح رکھا اور اس قرب کی یہ انتہا ہے کہ (میں نے) اپنے انہیں ہاتھوں سے آپ کی ابدی آرام گاہ لے جا کر لٹا دیا''۔ (حوالہ بالا)

حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ، حضرت فریدیؒ کے تحقیقی و تصنیفی کاموں کا مضبوط حصہ تھے، وہ حضرت فریدیؒ کے حکم سے تحقیق وتصنیف کی وادیاں طے کرتے رہے، چھانتے، پھٹکتے، کھنگالتے، تجزیہ کرتے، مراجعت کرتے پھر لکھتے اور جب لکھتے تو خوب لکھتے، حضرت فریدیؒ کے بیشتر کاموں کو آپ نے تحقیق کے ساتھ بڑے معیاری انداز میں شائع کیا ہے۔

یہ فریدی رنگ حضرت مولانا کی تمام چیزوں میں منتقل ہو کے رہا، انہیں کے جیسی یکسوئی، تواضع، عاجزی، صبر وقناعت، پڑھنے لکھنے اور لگے رہنے کی دھن پھر انہیں کے جیسا ذوق تحقیق اور رنگ فکر وفن، ان کی تحریر کو دیکھ کر بڑے بڑے علماء نے گواہی دی ہے کہ حضرت فریدی کا اسلوب تحریر اپنی پختہ شکل میں مولانا محبّ الحق صاحبؒ کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

آپ کا اسلوب تحریر

آپ کا اسلوب تحریر سادہ مگر پرکار ہے، برجستگی اور بے ساختگی آپ کی تحریر کا ایسا وصف ہے، جس نے وقت کے اہل قلم کو آپ کی طرف متوجہ کیا، مشہور علمی مجلّہ ''الفرقان'' کے فریدی نمبر میں مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے حضرت فریدیؒ کی حیات وخدمات پر ایک مبسوط تحریر لکھی، اس تحریر کو دیکھ کر نامور عالم دین اور مشہور صاحب قلم حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کا تائثر قابل قدر ہے، آپ نے مولانا کے نام ایک خط میں اپنے تائثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

''اس سے بہت پہلے ''الفرقان'' کے ''مجدد الف ثانی'' اور ''شاہ ولی اللہ''

نمبر شائع ہوئے، علمی حیثیت سے اور بعض دوسرے پہلوؤں سے انہیں غیر معمولی تحسین اور خراج حاصل ہوئے، لیکن افادی اور تاثیری حیثیت سے مولانا کے تذکرے پر مشتمل یہ نمبر سب سے بالاتر اور فائق رہا، جو بے شمار خطوط لوگوں کے موصول ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ عام طور سے پڑھنے والوں کو بڑا دینی نفع پہنچا اور یہی اصل کام آنے والی چیز ہے، اس میں بڑا حصہ آپ کا ہے، آپ کے سیدھے سادے مضمون نے مجھے اور دوسرے ناظرین کو بہت زیادہ متاثر کیا اور دلوں میں نیک جذبہ پیدا ہوا کہ کاش! ایسی زندگی کسی درجہ میں نصیب ہوجائے۔'' (محمد منظور نعمانی ۱۱ر ستمبر ۱۹۸۹)

آپ کے اس مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی نے جس گراں قدر تأثرات کا اظہار کیا ہے، وہ حضرت کی تحریر کا شاندار تعارف بھی ہے اور ایک ادیب کی طرف سے زبردست خراج عقیدت بھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''برادر مکرم! مولوی محبّ الحق صاحب

سلام مسنون!

''الفرقان'' کا فریدی نمبر ابھی دو چار دن ہوئے مجھے ملا، بلا مبالغہ سب سے زیادہ اچھا آپ کا مضمون لگا، بڑی دعائیں دل نے آپ کو دیں، کیوں؟ آپ نے مولاناؒ سے بہت بھرپور واقفیت کا سامان بہم پہنچایا اور پھر مضمون کا مزاج بھی بالکل وہ ہے، جو مولانا کے تذکرہ کا ہونا چاہئے۔ وہی سادگی جو مولانا کی شان تھی اور اس سادگی میں دلکشی، مولانا سے اتنا تعلق ہونے کے باوجود، ان کے کسی گوشے سے بھی گہری واقفیت نہ تھی، اس نمبر نے پہلی مرتبہ کچھ واقفیت کا سامان کیا اور آپ کے مضمون نے بالخصوص۔ آپ کے مضمون سے بایں معنی بھی خوشی ہوئی کہ آپ نے الحمدللہ مولانا سے پورا ہی کسب فیض کیا ہے، حتیٰ کہ تحریر پر قدرت بھی۔

کیا آپ اس سے پہلے بھی لکھتے رہے ہیں؟ اگر نہیں! تب تو اس مضمون کو

مولانا کی کرامت ہی کہنا پڑے گا، مجھے زندگی میں بھی حسرت تھی کہ کچھ وقت مولانا کے ساتھ امروہہ میں گذاروں اور اب جو تفصیلی حالات معلوم ہوئے تو اور بھی زیادہ ہوگئی، مگر میرے جیسے کم ہمت آدمی کا کہاں یہ نصیب ہوسکتا تھا، مولانا جس طرح تحقیقی کام زندگی بھر کرتے رہے کاش ان کی روایت کو باقی رکھنے اور آگے بڑھانے کا کوئی سامان امروہہ میں ہو جاتا؛ بشرطیکہ ان کی سادگی اور پِتّہ ماری کی روایت بھی باقی رکھی جا سکتی ہو۔ کاش! اللہ غیب سے اس مردِ فقیر کی اس حیات بعد الممات کا انتظام کرے۔''

دعا گو: عتیق الرحمٰن سنبھلی، لندن۔ ۲۴/اگست ۱۹۸۹ء

حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ پر متعدد نامور شخصیات نے قلم اٹھایا ہے، ان میں کچھ ایسے بھی ہیں، جنہوں نے ان کی طویل صحبت پائی اور بہت استفادہ کیا ہے، ظاہر ہے کہ میں ان قیمتی مضامین پر کچھ معلوماتی اضافہ نہیں کرسکوں گا؛ کیوں کہ میں ان لوگوں میں ہوں جنہیں ایک مرتبہ بھی مولانا کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہوسکا، احقر کو اللہ کے فضل و کرم سے نو سال تک دارالعلوم دیوبند کے بام ودر کے سائے میں سانس لینے کی توفیق میسر ہوئی، ممکن نہیں ہے کہ اس طویل عرصہ میں حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ دیوبند نہ آئے ہوں، یہ بجا کہ مولانا سفر اور ہنگامے کے آدمی نہ تھے، یہ بھی تسلیم کہ تحقیقی مشغولیات انہیں سفر کا موقع نہیں دیتی تھیں؛ لیکن یہ بجائے خود ایک حقیقت کہ دیوبند کا مرکزِ ثقل کسی سیارے کو اپنے محور پر بہت دیر تک باقی نہیں رہنے دیتا، آئے ہوں گے، ضرور آئے ہوں گے؛ مگر یہ حرماں نصیب استفادہ تو دور کی بات ہے، شرف زیارت سے بھی محروم رہا، اب اس کوتاہی کو یاد کرتا ہوں، تو خود اپنے آپ پر غصہ آتا ہے۔

حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ کے تیسرے لائق فرزند مولانا امداد الحق بختیار سے دارالعلوم میں کچھ رسم و راہ ہوئی، اس وقت وہ تکمیل افتاء میں تھے اور میں تکمیل ادب میں؛ لیکن یہ شناسائی بھی مولانا سے ملاقات کی کوئی تقریب پیدا نہ کرسکی، ہاں دارالعلوم

دیوبند میں میرے متعدد ساتھی ایسے تھے، جنھوں نے مولانا محبّ الحق صاحب سے براہ راست استفادہ کیا تھا، وہ سب اپنے استاذ کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کرتے، ان کی تواضع، عاجزی، انکساری اور مقصد سے بے انتہاء لگن کے قصیدے پڑھتے رہتے، یہ نئی نسل پران کی گہری چھاپ کا ایک مظہر تھا۔

بیماری کی رات

۱۵/ شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳/ اگست ۲۰۱۳ء جمعرات وجمعہ کی درمیانی شب مولانا محبّ الحق صاحب پر دل کا دورہ پڑا، وہ رات بھی کچھ عجیب سی تھی، ہم (میں اور مفتی امداد الحق بختیار) سونے کی کوشش کرتے تھے؛ مگر نیند ہماری آنکھوں سے غائب تھی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد میں بھی تین سال تک دارالعلوم حیدرآباد میں استاذ رہا، جہاں مولانا امداد الحق صاحب بختیار بھی استاذ ہیں، نسبت قاسمی، ہم عمری، فکر وخیال کی یکسانیت، عربی ادب سے مناسبت اور اس طرح کی کئی چیزیں ہم دونوں میں مشترک تھیں، جس کی وجہ سے بہت جلد ہم دونوں ایک اچھے دوست بن گئے، سنجیدگی ہو یا دل لگی تمام چیزوں میں شریک رہتے، اسی سال رمضان المبارک میں میرا تقرر دارالعلوم وقف دیوبند میں ہوا، دوست واحباب کا فراق ہم سب کے لئے بہت ناگوار تھا۔

مولانا امداد الحق صاحب بختیار شوال میں حیدرآباد جانے کے لئے دہلی پہنچے، ان کے پاس ایک دن کا وقت تھا وہ مجھ سے ملنے دیوبند آگئے، دارالعلوم وقف دیوبند کے مہمان خانے میں ساتھ ہی قیام رہا، تین سال پر محیط ایک اچھی رفاقت کے تار و پود کے بکھرنے کا احساس شدید تھا، میرا عذر انہیں قبول تھا اور میرے یہاں تقرر سے انہیں خوشی بھی، باتیں شروع ہوئیں دل کی، گھر کی، ماحول کی، ذمہ داریوں کی، آرزوؤں اور منصوبوں کی، باتیں گیسوئے شب کی طرح پھیل گئیں، ہزار داستانیں تیار ہوگئیں، باتوں ہی باتوں میں شب گزیدہ سحر نمودار ہوئی میناروں سے ”**الصلاۃ خیر من النوم**“ کی صدائیں بلند ہونے لگیں، یہاں نیند ہی کب آئی تھی کہ نماز میں تاخیر ہوتی، نماز پڑھی اور تھکے ہوئے جسم اور

بیدار آنکھوں کو بستر کے حوالے کردیا گیا، نیند جیسے ہمارا تعاقب کررہی ہو، ہمارے اوپر نیند کی گرفت مضبوط ہوگئی۔

کچھ ہی لمحہ گذرا ہوگا کہ مفتی امدادالحق صاحب کے فون کی گھنٹیاں بجنی شروع ہوئیں، ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری، بادل ناخواستہ فون اٹھایا گیا اور ایک کرب آمیز آواز اور دردناک خبر نے ہمارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا، خبر یہی تھی کہ حضرت مولانا محبّ الحق صاحب پر آج رات دل کا دورا پڑا ہے، ہماری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، مفتی امدادالحق صاحب کی حالت دگرگوں ہوگئی اور کیوں نہ ہوتی؟ وہ ان کے لئے صرف ایک باپ نہ تھے؛ بلکہ شیخ، استاذ اور مربی سب کچھ تھے، والد صاحب کی علمی خدمات سے ان کا دل باغ باغ رہتا اور خود اپنے نصیبے پر نازاں رہتا اور انہیں اس کا حق حاصل تھا، حضرت کی یہ بیماری موت کی سفیر بن کر آئی (بیماری اور علاج کی تفصیلات مولانا امدادالحق بختیار نے بڑی تفصیل سے اپنے مضمون میں رقم کردی ہے) بالآخر ۲۳/اگست ۲۰۱۳ء بروز اتوار فجر کی نماز کے وقت ہلکی سی کھانسی کے بعد کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

إنا لله وإنا إليه راجعون!

اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

حضرت نے اپنے بعد مختلف علوم وفنون کی قیمتی کتابوں کا ایک پشتارا چھوڑا، لائق اور سعادت مند شاگردوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی اور سعید اور فرماں بردار اولاد چھوڑیں، ہمیں یقین ہے کہ آپ کے شاگر اور آپ کی اولاد بالخصوص مولانا امدادالحق صاحب بختیار آپ کے فکر وفن کو آگے بڑھائیں گے، مقام مسرت ہے کہ مولانا امدادالحق صاحب بختیار نے اس طرف پیش قدمی شروع بھی کردی ہے، مولانا امدادالحق صاحب کو اپنے والد سے بہت سی خوبیاں ورثے میں ملی ہیں، پختہ استعداد اور زبان وادب سے گہرے لگاؤ کے ساتھ اردو اور عربی دونوں میں لکھنے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ موصوف کو خوب علمی اور عملی ترقیات سے نوازے، اور اپنے والد مرحوم کا صحیح جانشین بنائے۔ آمین ❑❑❑

آہ .. ہمارے سرپرست نہیں رہے!

موتُ العالِم موتُ العالَم

از: مفتی غفران اللہ بھاگلپوری
استاذ مدرسہ دینیہ اسلامیہ، سولہ نگرسورج گڑھ، ضلع لکھی سرائے (بہار)

عالِم کی موت اتنا بڑا خسارہ ہے کہ اس کو عالَم کی موت کہنا بجا ہے، عالِم کی موت کا بڑا خسارہ ہونا ان روایات سے معلوم ہوتا ہے...

(۱) **عن أبي الدرداءؓ قال: سمعت رسول اللهﷺ يقول: موتُ العالِم مصيبة لا تجبر، وثلمة لا تسد، وهو نجم طمس، وموت قبيلة أيسر من موت عالمٍ.** (شعب الإيمان ۲۲۴/۳، رقم الحديث: ۱۵۷۶، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض)

ترجمہ: عالِم کی موت ایسی مصیبت ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی، اور ایسا خلاء ہے، جس کو پُر نہیں کیا جاسکتا، وہ ایک ستارہ ہے، جو ڈوب گیا، اور قبیلہ کی موت سہل تر ہے، عالِم کی موت سے۔

(۲) جب عالِم کا انتقال ہوتا ہے، تو اسلام میں ایک رخنہ پڑ جاتا ہے، جس کو کوئی چیز تا روز قیامت پُر نہیں کرسکتی۔

(۳) عالِم کی موت ایسا خلاء ہے، جس کو زمانہ کی گردش پُر نہیں کرسکتی۔

(۴) **عن ابن عمرؓ قال: ما قبض الله عالما إلا كان ثغرة في الإسلام لا تسد. (المقاصد الحسنة ۹۲/۱، دار الكتاب العربي، بيروت)**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب کسی عالم کی روح قبض کرتے ہیں، تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ پڑتا ہے، جس کی بھرپائی نہیں ہوتی۔

آیت شریفہ: ”أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا“ (الرعد: ٤١) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا: **موت علمائها وفقهائها.** یعنی: امت کا نقصان اور خسارہ علماء وفقہاء کی موت کے ذریعہ ہوگا۔

عن أبي جعفر قال: موت عالمٍ أحب إلى إبليس من موت سبعين عابداً. (شعب الإيمان ٢٣٢/٣، رقم الحديث: ١٥٨٥، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض)

امام بیہقیؒ نے حضرت ابوجعفرؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک عالم کی موت ابلیس کے نزدیک ستر عابدوں کی موت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

انہی علماء دین میں سے ایک، میرے سرپرست ومربی حضرت مولانا محبّ الحق رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ ۱/ستمبر ۲۰۱۳ء بروز اتوار بوقت ۵/بجے صبح حرکتِ قلب کے بند ہونے سے اس دارفانی سے رحلت فرماگئے، ”إنا لله وإنا إليه راجعون“ اللہ آپ کو غریق رحمت کرے، اعلیٰ علیّین میں جگہ عطا فرمائے۔

مولانا مرحوم کی جائے اصلی ضلع مدھوبنی (بہار) کی مردم خیز بستی ”پروہی“ ہے، تحصیل علم کے لیے آپ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ تشریف لائے اور اپنے وقت کے ماہرفن اساتذہ سے از اول تا آخر جملہ علوم حاصل کیے اور فراغت کے بعد امروہہ میں اپنے استاذ محترم حضرت مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ کی صحبت وخدمت میں وقت گذارا اور حضرت استاذ کی صحبت وخدمت سے خوب فیض یاب ہوئے اور علماء واسلاف کی نظروں میں ”خادم خاص“ سے متعارف ہونے لگے۔

حضرت مولانا مرحوم سے بندہ کی ملاقات ۱۹۹۲ء میں ہوئی، جس وقت تحصیل علم کے لئے جامع مسجد امروہہ جانا ہوا تھا، مولانا اور بندہ کے والد صاحب کے درمیان دیرینہ تعلقات اور آمدورفت کا سلسلہ تھا، اس لیے مرحوم میری ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور

اپنائیت کا معاملہ فرمایا اور آپ ہی کی کاوش سے میرا داخلہ جامع مسجد میں ہو پایا، ورنہ مشکل نظر آرہا تھا، کچھ ہی دنوں کے بعد مولاناؒ نے مجھے اپنی صحبت وسرپرستی میں انار والی مسجد محلّہ سرائے کہنہ میں نائب امام کی حیثیت سے منتخب فرمالیا، جہاں مکمل دو سال تک آپ کی سرپرستی میں رہا، اس دوران آپ سے بہت کچھ سیکھنے، سمجھنے اور حاصل کرنے کا موقع ملا۔

سب سے نمایاں صفت جو آپ میں پائی جاتی تھی وہ شفقت وپیار کی تھی، بڑی سے بڑی غلطی کو درگذر فرمادیتے تھے، اور پندونصائح سے کام لیتے، جو بات اصلاح کی ہوتی، اس کی اصلاح فرمادیتے اور اس کے قریب جانے سے روکتے، یہ معاملہ اپنے شاگردوں اور متعلقین کے ساتھ فرماتے، اور اگر آپ کی اولاد میں کوئی غلطی کرتا، تو اس کے ساتھ سختی سے پیش آتے، جس کا مشاہدہ بھائی امدادالحق سلمہ پر بارہا ہوا، جس وقت وہ درجہ حفظ کے طالب علم تھے۔

عفوودرگذر والا ایک واقعہ بندے کے ساتھ پیش آیا، ایک مرتبہ مجھ سے اتنی بڑی غلطی سرزد ہوگئی تھی، جو میری جہالت کے ثبوت پر واضح دلیل تھی، میں روزانہ بعد نماز عشاء آموختہ وسبق یاد کرنے کے لئے جامع مسجد جایا ہی کرتا تھا، اور میرے ساتھ آپ کے فرزند اور بھتیجے بھی ہوتے تھے، ایک روز محلّہ سرائے کہنہ میں ایک صاحب کے گھر شادی تھی، جب میں مدرسہ سے پڑھ کر واپس آرہا تھا تو صاحبِ خانہ نے مجھ سے بلا کر کہا: مولانا جی! کل بارات آنے والی ہے، جانور بھی ذبح کرنا ہے، بڑے مولانا سفر میں گئے ہوئے ہیں، نہ معلوم کب آئیں گے، ایسا کرو یہ چھری ہے، اس پر بسم اللہ پڑھ کر پھونک ماردو، اس سے میں جانور ذبح کرلوں گا، چنانچہ اس کے کہنے سے میں نے بسم اللہ پڑھ کر چھری پر پھونک ماردی اور وہاں سے رخصت ہوگیا، تین چار روز کے بعد مولانا سفر سے واپس ہوئے اور اس واقعہ کا علم ہوا، تو آپ نے بہت ہی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: غفران اللہ کتنی بڑی جہالت کا ثبوت دے دیا! کیا اگر چھری پر بسم اللہ پڑھ کر پھونک ماردی جائے اور کوئی دوسرا شخص ایسی چھری سے جانور ذبح کرلے تو یہ ذبح کیا ہوا جانور حلال ہوجائے گا؟ مسئلہ معلوم نہیں تھا، تو کسی سے معلوم کرلیتے! آئندہ اس طرح کی حرکت کبھی مت کرنا، مولاناؒ کے اسی

طرح کے چند جملے تھے، جب کہ میری اس حرکت کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ سخت ڈانٹ ڈپٹ کرتے ؛ لیکن ہمیشہ آپ عفوودرگذر کے ساتھ پیش آتے رہے، اور انتہائی دقت نظری اور محبت سے اصلاح فرماتے رہے، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ میرے اندر مسئلہ معلوم کرنے کے لئے کتابوں کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، جو دن بدن بڑھتا ہی رہا۔

آپ عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ انشاء پرداز، مؤرخ اور بہت سی کتابوں کے مصنف ومرتب بھی ہیں، زبان وادب پر مہارت تامہ حاصل تھی، زبان کی غلطیاں طالب علموں کے لئے ان کے سامنے معاف نہیں تھیں، دوران گفتگو انتہائی حاضر دماغی سے کام لینا پڑتا اور تذکیر وتانیث کی رعایت کرنی ہوتی، اپنے ماتحتوں کی ہر نشست وبرخاست پر نظر رکھتے تھے، سنت کی ترغیب دیتے، چناں چہ ایک مرتبہ میں مغرب کی نماز پڑھا رہا تھا، تو اس میں بیچ سورت سے قراءت کردی، نماز کے بعد آپ نے فرمایا: جب بھی نماز پڑھاؤ، تو مکمل سورتوں کی تلاوت کیا کرو، خلاف سنت نماز نہ پڑھایا کرو، مولاناؒ کی اس تنبیہ کی بناء پر اب کیفیت ایسی ہے، جو خلاف سنت نماز پڑھاتا ہے، تو طبیعت میں ہیجان پیدا ہوجاتا ہے، اور بندہ کی سنت کے موافق نماز پڑھانے کی طبیعت وعادت بن گئی ہے۔

آپ حضرت مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے ارشد تلامذہ اور تربیت وصحبت یافتہ حضرات میں سے تھے، اور مفتی صاحبؒ کی صحبت کی برکت سے تصنیف وتالیف کا علمی ورثہ آپ کے حصہ میں آیا، مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد ہمہ تن تصنیف وتالیف میں لگ گئے اور حضرت مفتی صاحبؒ کے علمی کارناموں کے ایک بڑے حصے کو کتابی شکل میں اہل علم واہل ذوق کے سامنے پیش فرمایا، جس سے علماء کے لیے استفادہ آسان ہوگیا۔

حضرت والد صاحب (مولانا غلام رسول صاحب شیخ الحدیث مدرسہ اصلاح المسلمین، چمپانگر، بھاگلپور) کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت مولاناؒ اپنے پڑھنے کے زمانے میں بہت غبی تھے، لیکن لگن ومحنت اور حضرت استاذ کی خدمت نے آپ کو ایک لائق مند آدمی بنادیا اور ہر جگہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔

آپ نے پوری زندگی مسجد انار والی محلہ سرائے کہنہ میں بحسن وخوبی امامت اور

تدریس کی ذمہ داری انجام دی اور وہاں آپ کے شاگردوں کی لامحدود تعداد موجود ہے، جو آپ کے لیے ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ ہیں، اہل امروہہ خصوصا اہالیان محلّہ سرائے کہنہ آپ کے احسانات تلے دبے ہوئے ہیں، جس کو وہ حضرات کبھی فراموش نہیں کرسکتے، اسی بناء پر آپ کے انتقال کے بعد ایک بار نماز جنازہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامعہ امروہہ کے وسیع احاطہ میں پڑھی گئی، جس میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور پھر آپ کے جسد خاکی کو وطن اصلی لے جایا گیا، جہاں نمناک آنکھوں کے ساتھ آپ کو ہمیشہ کے لئے عوامی قبرستان میں دفن کردیا گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، آمین۔

آپ کے پسماندگان میں سات اولاد اور ایک اہلیہ محترمہ ہیں، (٦) صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں، ماشاء اللہ سب کے سب تعلیم یافتہ ہیں، ان میں سے ایک مولانا مفتی امداد الحق صاحب قاسمی، آپ کے حقیقی اور لائق مند علمی جانشین ہیں، جو فی الحال دارالعلوم حیدرآباد کے مؤقر اساتذہ میں سے ہیں، ان کے ساتھ آپ کی خصوصی تربیت وتوجہ کا دخل تھا، جس کی وجہ سے وہ اس مقام تک پہونچے ہیں، ایام علالت میں اور وفات کے وقت بھی یہ لائق مند فرزند آپ کے ساتھ تھے، جنہوں نے خدمت اور تیمارداری کرکے حقیقی اولاد ہونے کا ثبوت دیا، نیز وہ اپنے والد مرحوم کے علمی مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

میں دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے تمام وارثین کو صبر جمیل عطاء فرمائے، اور مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اوران کی سیئات کو حسنات سے مبدّل فرمائے، زندگی بھر کی تمام نیکیوں کو قبول فرمائے، اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ **آمین یا رب العالمین!**

❑❑❑

تیری نیکیاں زندہ تیری خوبیاں باقی

از: مفتی جوہر علی قاسمی
استاذ حدیث جامعۃ الصالحات للبنات کڑپہ (اے۔ پی)

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ ہر انسان فطری طور پر ایک دوسرے سے مانوس ہوتا ہے اور اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے، جب کسی وابستہ فرد کو کوئی خوشی یا غم درپیش ہو، غم کا موقع ہو تو انسان کچھ زیادہ ہی متأثر ہوتا ہے، میرا بھی دل اور سراپا جسم اس وقت غم کدہ بن گیا، جب مؤرخہ ۱؍ستمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۲۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ بعد نماز فجر، یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ حضرت مولانا محبّ الحق صاحب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے:

إناللہ و إنا إلیہ راجعون !

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللہ تعالی آپ کی قبر کو نور سے منوّر کرے، آپ کی بال بال مغفرت فرمائے اور قبر کو جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری بنائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے! واحسرتاہ! کہ دین کا ایک روشن چراغ اور روحانی زندگی سے علاقہ کو منوّر کرنے والا آفتاب غروب ہوگیا۔ ع......

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، جس کو قرآن کریم نے "**کل نفس ذائقۃ الموت**" سے تعبیر کیا ہے:

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج ہم کل تمہاری باری ہے

حضرت والا زندگی بھر دین وشریعت کی خدمت کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ملت اسلامیہ کی ہدایت اور اصلاح کا عظیم کام انجام دیتے رہے اور ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ دین کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اور ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی صحیح اسلامی ڈھنگ اور طریقہ کے برخلاف انجام نہ پائے، قدم قدم پر سنتوں کا بڑا اہتمام تھا: گھر میں، سفر میں، مجلس میں، تنہائی میں، خوشی میں، غم میں یعنی ہر موقع پر نبی کریم ﷺ کے طریقہ کو اپنانا اور عام لوگوں کو اس کی دعوت دینا آپ کا امتیازی وصف تھا۔

نبی کریم ﷺ سے منقول روزمرہ کی دعاؤں کا اہتمام آپ بڑی تندہی سے فرمایا کرتے تھے اور طلبہ کو بھی اس کی تاکید کیا کرتے تھے، برائی اور منکرات پر مناسب انداز سے بروقت نکیر کرنا آپ کا مزاج بن چکا تھا، اس میں وہ امیر وغریب اور عالم وغیر عالم کا فرق نہیں کیا کرتے تھے اور ”**بلا خوف لومة لائم**“ گناہوں، برائیوں اور معاصی پر بڑی حکمت سے لوگوں کو ٹوکا کرتے تھے، بڑے بڑے سرمایہ دار آپ کے متوسلین اور عقیدت مندوں میں تھے؛ لیکن آپ نے پوری زندگی نہایت استغناء کے ساتھ گزاری، آپ کبھی کسی مالدار سے اس کے مال کی بنا پر مرعوب نہیں ہوئے اور غلط بات پر نکیر کرنے میں کسی مالدار کی خوشنودی یا ناراضگی کا بھی خیال نہیں فرمایا۔

مہمانوں کے اکرام اور ان کی ضیافت سے آپ کو بہت خوشی ہوتی تھی، مرحوم کو اللہ تعالی نے فیاض طبیعت اور مہمان نواز بنایا تھا، کئی سال پہلے کی بات ہے کہ راقم الحروف مدرسہ مدینۃ العلوم، قصبہ کوٹ قادر، ضلع بجنور (یو۔ پی) میں درس وتدریس کی خدمت انجام دے رہا تھا، سالانہ جلسہ کی تاریخ کے سلسلہ میں مادر علمی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ حاضر ہوا، آپ اپنی قدیم مسجد انار والی میں تشریف رکھتے تھے؛ کیوں کہ مدرسہ میں چھٹی ہو چکی تھی، مسجد ہی میں ملاقات ہوئی، حضرت نے احقر کو گلے لگایا اور خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ ناچیز کے لیے خیر کی دعائیں بھی کیں، نیز مدرسہ، اساتذہ اور طلباء کے احوال وکیفیات دریافت فرمانے کے بعد احقر کو دانش کدہ پر اپنے ساتھ طعام پر مدعو کیا، بندے نے سعادت سمجھ کر حضرت کے حکم کو قبول کیا، حضرت نے شفقت ومحبت کا ایسا معاملہ فرمایا،

جیسے کسی بوڑھے باپ کو عرصۂ دراز کے بعد کھوئی اولاد مل گئی ہو۔

اس ملاقات کی کچھ قیمتی باتیں ابھی تک میری یادداشت میں محفوظ ہیں، آپ نے طلبۂ مدارس کی قدردانی پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ طلبہ ہر طرح سے محسن ہیں: مثلاً (۱) یہ محسنِ معاش ہیں: اگر مدرسہ میں طلبہ نہ ہوں، تو کسی استاذ اور ملازم کو وظیفہ نہ ملے؛ لہذا طلبہ کے وجود پر ہی اہل مدارس کی معاش کا مدار ہے۔ (۲) اسی طرح یہ طلبہ محسنِ علم بھی ہیں: یعنی اگر پڑھنے والے طلبہ ہی نہ ہوں، تو پڑھانے والے کا علم ہرگز تازہ نہیں رہ سکتا۔ (۳) نیز یہ طلبہ محسنِ معاد بھی ہیں: یعنی آخرت میں ان کی وجہ سے ثواب میں اضافہ اور درجات میں بلندی نصیب ہوگی۔ (۴) اسی سلسلۂ گفتگو میں آپ نے فرمایا: طلباء مہمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جتنا ہم اپنے خاص اور معزز ترین مہمانوں کا احترام کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ طلبہ عزت واکرام کے مستحق ہیں۔ (۵) طلباء کو سنت وشریعت کی تاکید کرتے رہنے سے خود سنت وشریعت پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے، جو نجات کا ذریعہ اور سبب ہے۔

آپ کے قریب رہ کر مشاہدہ بھی کیا کہ آپ اہل علم اور طلباء کے بے حد قدرداں تھے، ان کی ہمت افزائی کرتے اور ضرورتوں کا خیال رکھتے، وہ طلبہ جو آپ سے قریب ہوتے، ان کی زندگی سنور جاتی؛ چوں کہ آپ ان کے اسباق، معمولات، گفتار وکردار، وضع وقطع اور نشست وبرخاست، ہر چیز پر گہری نظر رکھتے اور موقع بہ موقع شفقت آمیز ہدایات ونصائح کے ذریعہ اصلاح فرماتے رہتے، جس میں ان کی کامیابی کا راز مضمر ہوتا۔

آپ طبعی طور پر نظم وضبط اور اصول کے پابند تھے، اصول کی خلاف ورزی آپ کو قطعاً پسند نہ تھی، آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی، آپ کے نظم وضبط کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا، عام طور پر عوام الناس اور چند طلبہ کے ذہنوں میں یہ بات تھی کہ مولانا مرحوم کے یہاں سختی اور تنگی ہے، ترش روئی اور تلخ کلامی ہے؛ لیکن حقیقت میں آپ کے یہاں سختی اور تلخی نہیں؛ بلکہ اصول وضوابط کی پابندی تھی، نظام کے تئیں لمحات زندگی گزارنے پر آمادہ کیا جاتا تھا، جو اصول کی پابندی اور نظام کی رعایت کرکے ان کی خدمت میں رہتا، وہ چین و سکون کے ساتھ ساتھ پورے طور پر غذائے روحانی اور جسمانی سے فیضیاب ہوتا اور جو بے

راہ روی کی زندگی گزار کر اصول شکنی کرتا دکھائی دیتا، اس کو سرزنش کا سامنا کرنا پڑتا، گویا مطیع وفرمانبردار کے لیے شفقت ومحبت، عطاو بخشش اور بے اصولی کا ارتکاب کرنے والے کے لیے زجروتوبیخ کا خدائی طریقہ آپ کے یہاں معمول کی حیثیت رکھتا تھا اور "**تخلقوا بأخلاق الله**" کی تصویر پیش کی جاتی تھی۔

اللہ تعالی نے مولانا مرحوم کو غیر معمولی خوبیوں سے نوازہ تھا، بیش بہا علمی، عملی اور اخلاقی جواہرات سے مزین کیا تھا، بہت سی صلاحیتیں ان کی طبیعت میں ودیعت کی تھیں، من جملہ ایک خوبی یہ تھی کہ جس شخص کی مولاناؒ سے سفر وحضر میں ملاقات ہوجاتی، وہ متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس کا دل مرحوم کی عظمتوں سے معمور ہوجاتا، آپ اپنے حسن اخلاق، تبسم ریز گفتگو، سحر آمیز ملاقات کے ذریعہ اس کے دل میں گھر کر لیتے۔

مولاناؒ کا نمایاں وصف اور لائق تقلید خصوصیت آپ کی بے نظیر استقامت اور بے مثال استقلال تھا، آپ انار والی مسجد، محلّہ سرائے کہنہ، امروہہ میں تقریباً ۴۲/سال ۲ماہ امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، رمضان سے قبل احقر سے فون پر بات ہوئی، تو مولاناؒ نے فرمایا: جوہر میاں! اب میرا طعام وقیام مدرسہ میں ہے، یہ سن کر مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا اور بے ساختہ میری زبان پر ان خدمات اور قربانیوں کا تذکرہ آ گیا، جو اس طویل مدت میں حضرت نے مسجد میں رہ کر انجام دی تھیں، حضرت والا زبان پر حرفِ شکایت لائے بغیر وقار وسنجیدگی کے ساتھ گویا ہوئے: اللہ کو یہی منظور تھا؛ میں جہاں سے گیا تھا، وہیں واپس آ گیا ہوں؛ کیوں کہ میں جب مشکاۃ شریف پڑھ رہا تھا، اس وقت امامت کے لیے مدرسہ کی جانب سے مجھے وہاں بھیجا گیا تھا اور اب ۴۲/سال ۲ ماہ، چند دن بعد اپنے مدرسہ واپس آ گیا ہوں؛ چناں چہ غم اور افسوس کی کوئی ضرورت نہیں، اب مجھے مدرسے میں آئے ۲۲ دن ہوچکے ہیں۔

اسی طرح فراغت کے بعد سے مادر علمی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں بحیثیت استاذ خدمت انجام دیتے رہے؛ یہاں تک کہ (۶۵) سال کی عمر میں آپ نے زندگی کا آخری سانس بھی اسی مدرسہ میں لیا، گویا پوری زندگی انار والی مسجد اور جامع مسجد،

امروہہ کے لیے وقف کردی، مولاناؒ کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری تھی، آپ پر بہت سے نشیب وفراز آئے، انقلابات زمانہ نے کروٹیں بدلیں، حوادث عالم نے انگڑائیاں لیں، طوفان اٹھے اور مصائب کی آندھیاں چلیں؛ مگر مولاناؒ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جمے رہے، مخالف ہوائیں ان کے پائے استقامت میں جنبش بھی پیدا نہ کرسکیں۔

شریعت اور سنت کی پابندی کے ساتھ حضرت والاؒ کے یہاں ہر چیز میں نفاست، پاکیزگی اور سلیقہ مندی کا بھی بڑا اہتمام تھا، سادگی کے ساتھ ساتھ ہر چیز میں نفاست آپ کو پسند تھی، جس کا اثر آپ کے لباس اور نشست گاہ میں نظر آتا تھا، اللہ تعالی نے حضرت والا کو فطرت سلیمہ عطا فرمائی تھی، آپ نے اپنے ہر قول وفعل کو شریعت کے تابع بنادیا تھا، جو بات شریعت کے مطابق ہوتی، اس پر پورے شرح صدر کے ساتھ عمل فرماتے اور جو معاملہ شریعت کے خلاف ہوتا، اس سے اجتناب فرماتے، تیسرا کوئی خانہ آپ کے یہاں نہ تھا، کوئی شخص مصلحت کے بہانے آپ کو خلاف شریعت امر کی تائید پر مجبور نہ کرسکتا تھا اور شریعت کے معاملہ میں آپ کسی کی رعایت نہ فرماتے تھے اور واقعہ یہ کہ جو شخص یکسو ہوکر شریعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے، تو وہ ہر طرح کے شکوک وشبہات سے محفوظ ہوکر دلی سکون اور اطمینان کی زندگی گزارتا ہے۔

مولاناؒ اردو ادب اور تصنیف وتالیف سے کافی شغف رکھتے تھے، کتاب بینی کے بغیر چین وسکون نہ ملتا تھا، اکابر واسلاف کی زندگی جمع کرنے میں لگے رہتے تھے؛ چناں چہ آپ کی تصانیف ''فیضان نسیم، مکتوبات مشاہیر'' اور ان کے علاوہ اور کئی کتابیں مقبولیت عامہ حاصل کرچکی ہیں، جو آپ کی زندگی سے سبق لینے کے لیے کافی ہیں اور حضرت والا کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔

آپ کی علالت اور رفاقت میں کوئی خاص فاصلہ نہ رہا، ۱۳؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ کو مدرسہ میں طبیعت علیل ہوئی، ڈاکٹروں کے مشورہ سے مرادآباد منتقل کیا گیا، وہاں تقریباً تین دن زیر علاج رہے، کچھ افاقہ کے بعد دہلی جی۔بی پنت اسپتال منتقل کیا گیا، جب وہاں مکمل افاقہ ہوگیا، تو پھر امروہہ تشریف لے آئے؛ لیکن صبح کو اچانک طبیعت پھر

ناساز ہوگئی اور فجر کے وقت مؤرخہ ۱؍ستمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۲۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ کو روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی **إنا لله وإنا إليه راجعون** ! نماز جنازہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی، اس کے بعد جسد خاکی کو آبائی وطن ''پروہی'' ضلع مدھوبنی (بہار) منتقل کیا گیا، جہاں برادر اصغر مولانا ظہیر الحق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد سپرد خاک کیا گیا، ع......

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، چھ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں؛ خاص طور سے آپ کے دو صاحبزادے مولانا امداد الحق قاسمی صاحب استاذ حدیث وتفسیر دار العلوم حیدرآباد اور مولانا احترام الحق قاسمی صاحب، یہ دونوں حضرات راقم الحروف کے خاص رفیق بھی ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مشفق استاذ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کو ذریعۂ نجات بنائے، جنت الفردوس میں بلند سے بلند درجات نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

❑❑❑

اگر ہم جانتے داغِ جدائی

از: محمد اسعد حسین، مدھوبنی
سابق استاذ مدرسہ ابوبکر صدیق، اسراہا (دربھنگہ)

دنیا کے اندر زندگی بسر کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک طریقہ وہ ہے، جو اللہ نے تجویز کیا ہے، دوسرا طریقہ وہ ہے، جو انسان خود تجویز کرتا ہے، انسان جو طریقہ تجویز کرتا ہے، وہ صرف موجودہ زمانے کو سامنے رکھ کر تجویز کرتا ہے، اسے جتنا نفع ونقصان دکھائی دیتا ہے، اس کے مطابق زندگی گزارتا ہے؛ لیکن اصل زندگی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجویز کی ہے اور ہر انسان کو اسی کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہئے؛ کیونکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، دنیا کے اندر ہر چیز کے بارے میں کچھ نہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے؛ لیکن آیت کریمہ: "**کل نفس ذائقة الموت**" کی وجہ سے موت کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ دنیا سے ہر ایک کو جانا ہے، نہ جانے کتنے لوگ اس عالم رنگا رنگ سے روزانہ رخصت ہوتے ہیں اور خاک ارض ان کو ہضم کر جاتی ہے، چنانچہ ہر ایک کو جانا ہے خواہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے یا اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کرے؛ لیکن جو حضرات اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، جو اصل زندگی کا مقصد ہے، تو وہ اپنی زندگی کے اندر کچھ ایسے کام کر جاتے ہیں، جن کو بعد کے لوگ یاد رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کی وفات ہزاروں لوگوں کی آنکھوں کو اشکبار کر دیتی ہے اور ان کی وفات سے ایک عظیم خلا محسوس کیا جاتا ہے، ان ہی ہستیوں میں سے ایک، بزرگوں کی یادگار واکابر واسلاف کا نمونہ حضرت مولانا محبّ الحق صاحبؒ مدھوبنی کی بھی تھی، جن کے سایۂ عاطفت سے ہم سب محروم ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو گونا گوں کمالات وحسنات اور بے شمار خوبیوں سے

ہم کنار کیا تھا، اللہ تعالیٰ سے دعاء گوہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی مغفرت فرما کر غریقِ رحمت کرے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین!

اساتذہ کا ادب واحترام

اس نازک دور میں جبکہ اساتذہ کا ادب واحترام بالکل ختم ہو چکا ہے، آپ اپنے اساتذہ کا ادب واحترام غایت درجہ کرتے تھے، جس کی نظیر تلاش کرنے سے بہت کم ملتی ہے، راقم الحروف آپ کی خدمت میں تقریباً چار سال رہا، جب کبھی بھی حضرت کے استاذ محترم ''حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نائب مہتمم واستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ'' آپ کی مسجد میں تشریف لاتے تو آپ ان کے سامنے طفل مکتب کی طرح بیٹھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ خود اپنی کتاب فیضان نسیم میں فرماتے ہیں:

> ''۱۹۷۳ء میں درسِ نظامی سے فراغت کے بعد احقر سے (حضرت مفتی صاحبؒ نے) فرمایا: ''تمہیں امروہہ سے جانا نہیں ہے ہمارے ساتھ رہنا ہے'' اس دن سے اخیر تک آپ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ ور رہا، آپ نے احقر کو اپنی اولاد کی طرح رکھا اور اس قرب کی یہ انتہا ہے کہ اپنے انہیں ہاتھوں سے آپ کی ابدی آرام گاہ لے جا کر لٹا دیا''۔

حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہی سے انتہائی گہرا تعلق تھا؛ باوجود اس کے کہ آپ بہار کے رہنے والے تھے؛ لیکن کچھ لوگ آپ کو حضرت مفتی صاحب کی اولاد ہی سمجھتے تھے، مزید آپ صرف اپنے اساتذۂ کرام ہی کا ادب واحترام نہیں کرتے تھے؛ بلکہ ہر اہل علم وفضل کا احترام کرتے تھے، احقر راقم الحروف نے خود دیکھا کہ جامع مسجد سے جب کبھی کوئی استاذ آپ سے ملاقات کے لیے آتے تو ان کو آپ اپنے بستر پر سرہانے کی جانب بیٹھاتے اور خود پائنتی کی جانب بیٹھتے تھے، نیز آپ کتابوں کا احترام فرماتے تھے کہ آپ کو راقم الحروف نے کبھی لیٹ کر یا ٹیک لگا کر مطالعہ کرتے نہیں دیکھا۔

اخلاق واوصاف

آپ اخلاق حسنہ سے بھی متصف تھے، ہرایک کا بڑااعزازواکرام فرماتے تھے اورچھوٹوں پر شفقت فرماتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ احقر راقم الحروف نے تقریباً چارسال تک آپ سے فیض حاصل کیا؛لیکن آپ نے کبھی بھی کسی بات پرغصہ کا اظہارنہیں فرمایا، نیز آپ کبھی بھی تنہا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے؛ بلکہ آپ کی خدمت میں جوطالب علم رہتا تھا، اس کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے، میں خود برابرآپ کو یہ فرماتے ہوئے سنتا تھا کہ مجھے طالب علموں کے ساتھ کھانا کھانے میں اچھا لگتا ہے، اگرکوئی طالب علم نہیں ہوتا تو اچھا نہیں لگتا، اوراس کی وجہ بیان فرماتے تھے کہ طلبہ مہمان رسول ہیں۔

راقم الحروف سے محبت وتعلق

راقم الحروف جب جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہ میں داخلہ کے لیے آیا تو حضرت بہت خوش ہوئے اورخوشی کا اظہارفرماتے ہوئے کہا کہ کہ تقریباً دس سال کے بعدمیرے گاؤں کا طالب علم پڑھنے کے لیے یہاں آیا ہے، مزیداحقر کا داخلہ بھی حضرت نے کروایا، ایک مرتبہ میں عیدالفطر کی چھٹی میں امروہہ ہی میں حضرت کے پاس تھا، دہلی سے بہن کا اصرار ہوا کہ دہلی میں میرے پاس عید کرو؛ چنانچہ جب میں نے حضرت سے عرض کیا تو آپ نے منع تونہیں فرمایا؛لیکن آپ نے یہ جملہ ارشادفرمایا کہ ’’مجھے امید ہے کہ تم مجھے چھوڑ کرنہیں جاؤ گے‘‘ اورمیں نے ایسا ہی کیا، نیز ایک مرتبہ احقرجب گھر سے واپس امروہہ آرہا تھا تو ہمارے ایک ساتھی ’’عبید صدیقی سیوانی‘‘ تھے جوحضرت کی مسجد میں ساتھ رہتے تھے، انٹرنیٹ چلاتے تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ اسعد کی ٹرین کودیکھو کہاں پہنچی، اور برابر پورے راستہ دکھواتے رہے، یہ راقم الحروف سے محبت ہی کی بات تھی۔

قوت حافظہ وذوق مطالعہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کوحافظہ قوی عطاء فرمایا تھا، جب کوئی آپ سے کسی چیز کے بارے میں معلوم کرتا تو آپ اس طرح واضح انداز میں بتلاتے کہ ایسا معلوم ہوتا کہ کتاب

سامنے موجود ہے اور آپ اسے دیکھ کر بتا رہے ہوں، آپ جو چیز جہاں رکھ دیتے، زمانہ گزرنے کے بعد بھی آپ کو یاد رہتی تھی کہ فلاں چیز فلاں جگہ پر ہے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ احقر راقم الحروف سے فرمایا کہ فلاں کتاب، فلاں فلاں کتاب کے درمیان میں، فلاں جگہ پر رکھی ہوئی ہے، اٹھا کر لاؤ؛ چنانچہ جب میں لانے گیا تو واقعی اسی جگہ پر وہ کتاب موجود تھی، اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ فلاں کتاب لے کر آؤ، میں گیا تلاش کیا؛ مگر مجھے نظر نہیں آئی، میں نے آپ سے کہا کہ نہیں ملی، تو آپ حجرہ میں داخل ہوئے اور اسی کتاب پر آپ نے ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ یہ تو ہے، اس پر احقر حیرت زدہ ہو گیا اور شرمندہ ہوا، مزید آپ نے فرمایا کہ جو چیز جہاں پر رکھ دیتا ہوں اگر تم کہو گے اندھیرے میں نکالنے کے لیے تو نکال لوں گا الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے حافظہ قوی عطاء کیا ہے، نیز آپ کتابوں کے مطالعہ کے بہت شوقین تھے، یہ راقم ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب ضرور دیکھتا اور آپ مطالعہ فرماتے رہتے تھے، آپ کو دیکھ کر احقر کے دل میں جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ کبھی میں بھی کچھ مطالعہ کرلوں۔

طالب علموں کے ساتھ سلوک و برتاؤ

آپ طالب علموں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے تھے جیسا کہ اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، آپ کے دل میں طالب علموں کا درد تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب کوئی طالب علم آپ سے ملاقات کے لیے آتا، تو آپ کو جو میسر ہوتا تھا کھلاتے تھے، اور جب وہ رخصت ہونے لگتا تو آپ فرماتے کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو فوراً بتانا، تکلف مت کرنا، جیسا کہ ایک باپ اپنی اولاد سے کہتا ہے، اگر کسی طالب علم کا کوئی مسئلہ اٹک جاتا تو آپ ناظم تعلیمات، یا مہتمم صاحب سے مل کر حتی الامکان اس کو حل کرانے کی کوشش کرتے تھے، حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ صاحب کی خدمت اور قدیم استاذ ہونے کی وجہ سے آپ کی بات اہمیت رکھتی تھی اور آپ کے قول کا وزن تھا، مزید آپ اگر کسی پھل، خاص کر آم کا موسم ہوتا تھا، تو آپ اپنی استطاعت کے بقدر کچھ طالب علموں کی دعوت

کرتے تھے۔

علالت ورحلت

۱۵؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳؍اگست ۲۰۱۳ء جمعرات وجمعہ کے درمیانی شب میں تقریباً بارہ بجے آپ پر دل کا حملہ ہوا، آپ کے کراھنے کی آواز مدرسہ سے باہر کچھ لوگوں نے سنی، جس کی وجہ سے وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ کو لے کر جامعہ کے استاذ قاری حبیب الرحمٰن اور قاری محمد حنیف صاحبان کے ساتھ امروہہ کے مختلف ہاسپٹل میں داخل کرنا چاہا؛ لیکن ڈاکٹر انکار کرتے رہے؛ باالآخر آپ کو مرادآباد وویکانند ہاسپٹل میں داخل کرایا گیا اور آپ کا علاج شروع ہوا، احقر راقم الحروف اسی دن دیوبند سے امروہہ آیا تھا اور آنے میں دیر ہونے کی وجہ سے، اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ آپ آرام فرمارہے ہوں گے، آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا، لیکن فجر کی نماز کے بعد معلوم ہوا تو فوراً احباب کے ساتھ مرادآباد پہنچا اور آپ کی عیادت کی اور آپ کی خدمت میں لگ گیا۔

تمام صاحبزادے بھی شام تک حاضر ہوگئے، آپ کو امروہہ سے اتنی محبت تھی کہ جب آپ مرادآباد میں زیرعلاج تھے تو آپ احقر سے باربار فرماتے تھے کہ اسعد یہاں سے چھٹی کب ملے گی مدرسہ لے کر چلو، میں آپ کو صبر دلاتا رہا کہ جلد ہی یہاں سے چھٹی ہوجائے گی اور جلد ہی امروہہ چلیں گے، جب آپ کی طبیعت میں کچھ عافیت ہوئی تو آپ کو دہلی لے جایا گیا، وہاں آپ کی طبیعت کافی بہتر ہوگئی؛ بالآخر ڈاکٹر نے کہا کہ بائی پاس سرجری ہوگی؛ چنانچہ آپ نے امروہہ آنا چاہا، لوگ منع کرتے رہے کہ ابھی مت آئیے؛ لیکن آپ نے فرمایا: نہیں! امروہہ جانا ہے، چنانچہ ۳۱؍اگست ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ رات کو تقریباً آٹھ بجے شام کو امرہہ پہنچے۔

احقر اپنے چھوٹے بھائی کے داخلے کے لیے ''مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ غازی آباد'' پھر وہاں سے دہلی جانے کے واسطے ویٹ پہنچا ہی تھا کہ، آپ کہ صاحب زادے مفتی امدادالحق صاحب نے فون کرکے دریافت کیا کہ کہاں ہو؟ میں ابّو کو لے کر امروہہ آرہا ہوں؛ چنانچہ میں نے دہلی جانے کا ارادہ ترک کردیا اور آپ کے ساتھ ''گڑھ مکتیشور'' سے امروہہ

آیا، آپ کی زیارت وعیادت کے لیے جامعہ کے اساتذہ آپ کے حجرہ میں تشریف لائے اور آپ سے کافی دیر تک ملاقات ہوتی رہی، اس کے بعد آپ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے سوگئے۔

جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے ہم دوساتھی مسجد کے صحن میں سوگئے، فجر کی اذان کے بعد میں حضرت کے کمرہ میں آیا تو آپ استنجاء خانہ میں تھے اور آپ کو کھانسی ہونی شروع ہوگئی، آپ نے استنجاء سے فراغت کے بعد وضو کیا اور وضو کرکے آپ کمرہ میں تشریف لائے تو کھانسی تیز ہوگئی، آپ نے فرمایا کہ امدادالحق کو جگاؤ، دوا دیدیں گے؛ چنانچہ میں نے ان کو بیدار کیا، انہوں نے آپ کو دوا دی اور آپ نے دوا منھ میں رکھی، پھر بھی سانس اکھڑنے لگی اور پسینہ آنے لگا اور آپ نے کلمہ پڑھا اور ہمیشہ کے لیے اپنے رب سے جاملے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

اللہ تعالی حضرت والا کی مغفرت فرمائے، سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے، صالحین اور ابرار ومتقین کے ساتھ ان کا حشر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے!

❑❑❑

دوسری فصل

مولانا محبّ الحقؒ مشاہیر کی نگاہ میں

مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ میری عقیدت کے مطابق (جو حقیقت کے مطابق بھی ہے) ان عباد الرحمٰن میں سے ہیں، جن کا ذکر خیر کرنا (زبان یا قلم سے) عبادت میں داخل ہے، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نسبی اعتبار سے جو عظمت پائی، اس نسبت کا اثر پوری طرح ان کے علم وعمل میں موجود تھا، وہ فاروقی تھے اور فاروقی ذہن و ذکاوت ان کے علمی وتحقیقی کاموں میں نمایا رہی، وہ فریدی تھے اور حضرت بابا صاحبؒ کا زہد ان کی زندگی کا نمایا وصف رہا ہے، مشائخ چشت میں حضرت بابا صاحبؒ زہد وقناعت کے لحاظ سے ممتاز مقام ومرتبہ کے مالک تھے اور قرض حسن لے کر سالن سبزی میں نمک ڈالنے کو بھی اسراف وفضول خرچی میں شمار کرتے تھے۔

مولانا محبّ الحق صاحب (مرحوم)، حضرت (مفتی صاحب) مرحوم کے شاگردِ خاص ہیں (تھے)، جنھیں حضرت نے اپنی اولاد کی طرح اپنے ساتھ رکھا اور اپنی خلوت وجلوت دونوں کا مشاہد بنادیا، مولانا محبّ الحق صاحب بہار اسٹیٹ، دربھنگہ (موجودہ مدھوبنی) کے رہنے والے ہیں (تھے)، اگر انھیں مفتی صاحب کے پاس باپ جیسی شفقت وتربیت حاصل نہ ہوتی، تو یہ کبھی اپنی زندگی کا تمام حصہ مفتی صاحب کی خدمت میں نہ گزارتے۔

آنکھوں سے معذوری کے بعد مفتی صاحبؒ کے تحریری کاموں میں پڑھنے اور

لکھنے کی جو خدمت انھوں نے انجام دی، وہ ان کی صلاحیت تھی اور اسے میں مفتی صاحبؒ کی کرامت کہتا ہوں، خداوند تعالیٰ نے اس درویش صفت عالم کی خدمت کے لیے مولانا محبّ الحق صاحب کی صورت میں امداد غیبی کا انتظام کیا تھا، جس طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ان کے شاگرد رشید امام ابویوسفؒ خدا کی غیبی امداد تھی، جنھیں حضرت امامؒ نے اپنی مالی اور تعلیمی دونوں قسم کی امدادوں سے نوازا اور پھر امام ابویوسفؒ کے ذریعہ امام اعظمؒ کے فقہی تصورات نے بڑا فروغ پایا۔

سیرت سازی اور آدمی بنانے کی جو صفت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرامؑ کو عطا کی جاتی ہے اور اس صفت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ابداً ابداً کو بھرپور طریقہ سے نوازا اور پھر وہ صفت آپ کے جانشینوں کو بھی عطا کی گئی؛ تاکہ قیامت تک قائم رہنے والے دین برحق کی خدمت کے لیے رجال کار ہمیشہ تیار ہوتے رہیں، یہ صفت حضرت مفتی صاحب میں بدرجۂ اتم موجود تھی اور اس دور میں موجود تھی، جس دور میں استادوں کے اپنے شاگردوں کے ساتھ معاصرانہ حسد کا تماشہ بڑی بڑی دانش گاہوں میں نظر آرہا ہے اور پھر ارباب مدارس خود ہی اس کا ماتم کر رہے ہیں کہ آدمی بننے بند ہوگئے کیوں؟ (فیضان نسیم)

میں نے تو مولانا کی معذوری کا دور امروہہ کی مسجد (جھنڈا شہید) میں فقر و درویشی کی شان کے ساتھ دیکھا ہے اور مولانا محبّ الحق صاحب کی خدمت: پڑھنا اور لکھنا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مولانا فریدیؒ کے مقبول مسترشد ہونے کا یقین حاصل کیا ہے؛ کیوں کہ مولانا محبّ الحق صاحب جیسا بے لوث خادم خدا تعالیٰ کی خاص دین ہی ہوسکتا ہے، ورنہ موجودہ دور پر غرض پسندی کا غلبہ ہو چکا ہے، اخلاص نام کی کوئی چیز دور دور نظر نہیں آتی۔

(مقالات فریدی جلد اول)

مفتی صاحبؒ کے لائق و فائق بھتیجے اور بھانجے مفتی صاحبؒ کی روشن یادگار رہیں ہیں؛ لیکن مولانا محبّ الحق صاحب بھی ایک جاں نثار خادم کی حیثیت سے مفتی صاحبؒ کی ایک بڑی یادگار رہیں (تھے)۔

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری رحمہ اللہ

سابق استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

ان کے انتقال سے علم وادب اور تحقیق وتلاش کے عمل میں ایک خلاء پیدا ہوگیا ہے، مولانا محبّ الحق مشہور ومعروف عالم اور محقق مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کے خادم خاص، ان کے علمی وتصنیفی کاموں کے بڑے معاون تھے، مرحوم نے مولانا فریدیؒ کی منتشر ومتفرق تحریروں کو'مقالات فریدی' کے عنوان سے تین جلدوں میں شائع کرنے کے علاوہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے نامور شاگرد مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کے حالات زندگی اور کئی مکاتیب کے مجموعے تحقیق وتحشیہ کے ساتھ شائع کئے، مولانا دیگر کئی کتابوں کے بھی مؤلف ومصنف تھے۔

(بحوالہ روز نامہ صحافت دہلی جلد (۱۰) شمارہ (۵۲) بروز منگل ۳؍ستمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۲۶؍ شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ)

حضرت مولانا شیخ طاہر حسن امروہیؒ

سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

موصوف کو حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہیؒ سے تلمذ اور ان کی خدمت اور معیت نیز ان کی نگاہ میں مقبولیت کا بہت بڑا اشرف حاصل رہا ہے اور شاید یہ اسی کی برکت ہے کہ اس سے پہلے ان کی شائع کردہ کتاب ''فیضانِ نسیم'' عوام وخواص میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ (بحوالہ سیرت ذی النورین)

محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین الاعظمیؒ

سابق صدر شعبہ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور

جیسا کہ میں نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے ''مکتوبات نعمانی'' کے تعارف میں لکھا تھا کہ مولانا محبّ الحق صاحب کی تحریرات وتحقیقات ہو بہو اپنے استاذ محترم کی تحریرات وتحقیقات کا مثنّٰی ہوا کرتی ہیں۔ (بحوالہ جواہر پارے)

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی

سابق استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایسا باکمال عالم، مصنف، محقق اور صاحب قلم کی صحبت میں چند ساعات گزارنے والا بھی کیسا ہوسکتا ہے، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، پھر جس نے ایک دو نہیں؛ بلکہ بیس سال گزارے ہوں اس کا کیا حال ہوگا، اس کا اندازہ کرنا کسی بھی ذی فہم کے لیے دشوار نہیں ، یہی وجہ ہے کہ مولانا محبّ الحق صاحب مرحوم دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور جیسی ممتاز درسگاہوں کے فاضل نہ ہونے کے باوجود عوام وخواص میں مقبول ہوئے، ان کی وفات پر عوام ہی نے نہیں، علماء نے بھی رنج وافسوس کا اظہار کیا۔

محقق عصر حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

کردار وعمل کی خوبیاں جب ذاتی زندگی کا جوہر ہوں، اخلاص، خدمت بزرگاں، متواتر مطالعہ اور تلاش وجستجو جب ذوق ومزاج بن جائے اور یہ تمام محاسن وکمالات کسی ایک شخص میں جمع ہوجائیں تو وہ کندن بن جاتا ہے، میرا خیال ہے کہ مکرمی مولانا محبّ الحق صاحب بھی اسی کارواں کے مسافر اور اسی منزل کے راہرو تھے۔

حضرت مولانا عتیق احمد بستوی

استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا فریدیؒ کی زندگی میں یہ اندازہ نہیں تھا کہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ تحریر وتصنیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے ہیں، حضرت مولانا فریدیؒ کی وفات کے بعد جب الفرقان کے ''فریدی نمبر'' میں مولانا محبّ الحق صاحبؒ کا تفصیلی مضمون آیا، تو اہل قلم چونک گئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ مولانا محبّ الحق صاحبؒ نے مولانا فریدیؒ سے صفات وخصوصیات ہی اخذ نہیں کی ہیں؛ بلکہ مولانا فریدیؒ کا تحقیقی وتصنیفی ذوق بھی نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے اندر جذب کرلیا ہے۔

مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری

استاذ حدیث دار العلوم دیو بند

آپ کی زندگی بہت سادہ تھی، کم گوئی اور شرافت و مروت قابل رشک تھی۔ آپ کی فراغت ۱۹۷۳ء میں جامعہ اِسلامیہ جامع مسجد اَمروہہ سے ہوئی تھی، اور آپ حضرت والد صاحب دامت برکاتہم کے نمایاں شاگردوں میں تھے، اور آپ سے نیاز مندانہ تعلق رکھتے تھے، اور ہم لوگوں سے بھی بہت ہی محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی امروہی

الفرقان کے ''فریدی نمبر'' میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدؔی علیہ الرحمہ کے علمی شغف پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

> ''علمی اشغال رکھنے والے، تصنیف و تالیف کرنے والے بہت مل جائیں گے، لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق ہی نہیں؛ بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفا، سب کچھ ہو وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔'' (الفرقان ''فریدی نمبر'' ص ۴۶)

اسی طرح کی ایک علمی شغف رکھنے والی شخصیت امروہہ میں مولانا محبّ الحق صاحب کی بھی ہوئی۔

مولانا محمد سالم جامعی

ایڈیٹر ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی

مولانا محبّ الحق مرحوم کی دینی و علمی خدمات کو دیکھتے ہوئے سمندر میں موجود اس تودۂ برف کی مثال نگاہوں میں آجاتی ہے، جس کا کچھ حصہ سطح سمندر پر تیرتا ہوا نظر آتا ہے اور بڑا حصہ سمندر کی گہرائیوں میں مستور ہوتا ہے۔ یہی حالت مولانا مرحوم کی بھی تھی۔ بہت کم لوگ ہوں گے، جنھیں مولانا مرحوم کی خدمات اور قربانیوں کا صحیح اندازہ ہوگا۔ سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ پروپیگنڈہ کے اس دور میں وہ خاموشی کے ساتھ کام کرنے کے

عادی تھے۔ان کے قول وعمل اور کردار میں اخلاص تھا اور یہی وہ جوہر نایاب ہے، جو آج کے تشہیری دور میں انتہائی کمیاب ہے۔اس طرح قحط الرجال کے اس دور میں مولانا مرحوم ایک عظیم نعمت اور خدائے پاک کی عظمت کا نشان تھے۔

ڈاکٹر سید محمد طارق امروہی

سابق صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

مولانا محبّ الحق صاحب جو مفتی صاحب کے شاگرد بھی ہیں، خادم خاص بھی، برسوں ان کے نہ صرف دن رات کے ساتھی؛ بلکہ حقیقتاً حضرت مولاناؒ کے ہاتھ اور آنکھ بنے رہے۔انھوں نے دراصل اپنے علمی بازوں کو مستحکم اور آنکھوں کو منور کیا ہے۔ یہ ان چند خوش قسمت افراد میں سے ایک ہیں، جنھیں عرصۂ دراز تک مولانا فریدیؒ کی صحبت میں حاضر باشی کا شرف حاصل رہا ہے۔مولانا کی بینائی جاتے رہنے کے بعد مولانا محبّ الحق صاحب نے ایک عرصہ تک ان کے قلم ونگاہِ فیض رسا اور احسان بخش کارنامہ بھی انجام دیا ہے: یعنی مولاناؒ کے لیے یہ ماخذ پڑھ کر سنانا اور اس کے نتیجہ میں حضرت مولاناؒ کے حاصل شدہ نتائج کو تحریر کا جامہ پہنانا۔ان دونوں ذمہ داریوں سے مولانا کو علمی مدد حاصل ہوئی اور ان کی صلاحیتِ علمی اور محنت واعانت سے جو علمی وتحقیقی شہ پارے منصۂ شہود پر آئے، وہ ملت کے لیے ایک قیمتی تحفہ اور بیش بہا خزانہ بنے۔(مقالات فریدی، ج:۲،ص:۱۲)

مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری

استاذ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

حضرت اقدس مولانا محبّ الحق صاحب دربھنگوی نوراللہ مرقدہ استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ، ہمارے بزرگوں کی یادگار اور اکابر واسلاف کا نمونہ تھے، رب ذوالجلال نے مرحوم ممدوح کو گوناگوں کمالات وحسنات اور بیشمار خوبیوں سے نوازا تھا، اپنے اساتذۂ کرام اور بزرگوں کی عظمت اور ان کا غایت درجہ ادب واحترام اور اپنے چھوٹوں پر شفقت اور ان کی حوصلہ افزائی ان کا امتیازی وصف تھا، اگر اپنے چھوٹوں کی جانب سے کوئی علمی کام سامنے آتا، تو اس کی خوب خوب پذیرائی فرماتے اور

حد درجہ اس کو سراہتے تھے، اگر کوئی شخص علمی کام میں یا دیگر امور میں مشورہ طلب کرتا، تو غایت درجہ شفقت اور محبت کے ساتھ مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔

مولانا عارف حسن کاظمی، دہلی

مولانا محبّ الحق صاحب مولانا فریدیؒ کے شاگرد رشید، خادم خاص، سفر وحضر کے رفیق اور علمی وتحقیقی کاوشوں میں جانشینِ فریدی ہونے کے ساتھ ساتھ، بذات خود اور بفیض استاذ ماشاء اللہ ایک ابھرتے ہوئے سیرت نگار اور محقق ہیں (تھے) اور جن کی تحقیقی کاوشوں کا خصوصی محور اپنے مربی اور استاذ (حضرت مولانا فریدیؒ) کے رسائل ومجلّات میں بکھرے رشحات قلم اور شذرات فکر منظر عام پر لانا، ضروری حواشی اور تعلیقات کا اضافہ کر کے ان کو مرتب ومدون کرنا اور اپنے مالی وسائل کی کمی کے باوجود ان کو زیور طبع سے آراستہ کرنا، جن کی تحقیقی کاوشوں کا خصوصی محور ہے (تھا)۔

مولاناؒ کے ان علمی، تحقیقی، تاریخی اور دینی مقالوں اور مضامین کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ان کو مرتب کر کے کتابی شکل میں لانا ''فردوس گم گشتہ'' کی بازیافت کے مترادف اور ''جوئے شیر'' لانے سے کم نہ تھا، اللہ تعالی موصوف (مرحوم) کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس فرض کفایہ کو انجام دیا، یہ ایک ایسا کارنامہ اور اور ایسا صدقۂ جاریہ ہے، جس سے مولاناؒ کی روح بھی خوش ہوگی اور تشنگان علم بھی سیراب ہوں گے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنی علمی وتحقیقی دل چسپیوں اور تصنیفی وتالیفی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ اسی مدرسہ اسلامیہ عربیہ (جامع مسجد) امروہہ میں درس وتدریس کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں (تھے)، جہاں ان کے استاذؒ طالبان علم کو اپنے دریائے علم سے سیراب کرتے تھے، مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ مدرسہ مذکور کے اہتمام نے طلبا کے استفادے کی خاطر مولانا (مرحوم) کی رہائش کا بندوبست مدرسہ ہی میں کر دیا ہے (تھا)۔

❑❑❑

تیسری فصل

چند مشہور شخصیات جن سے قریبی تعلق رہا

(۱) حضرت مولانا مولانا محمد منظور نعمانیؒ سنبھلی ثم لکھنوی بانی مجلّہ الفرقان

حضرت مولانا نعمانی رحمہ اللہ والد صاحب کے بڑے اور بزرگوں میں سے تھے، چنانچہ عقیدت اور محبت کا تعلق تھا، مولانا نعمانیؒ مفتی نسیم احمد فریدی امروہی کے علمی رفیق تھے اور حضرت والد صاحب مفتی صاحب کے شاگرد اور خادم خاص تھے، اس حوالے سے بھی والد صاحب کا مولانا نعمانیؒ سے تعلق تھا۔

ایک مرتبہ جب کہ میری عمر تقریباً (۱۰) سال کی ہوگی، والد صاحب اور بھائی نفیس صاحب ساکن محلّہ قریشی امروہہ لکھنؤ تشریف لے گئے، میں بھی ہمراہ تھا، حضرت مولانا منظور نعمانیؒ سے ملاقات ہوئی، مولانا اس وقت تک صاحب فراش ہوگئے تھے، حضرت سے مصافحہ کا شرف حاصل ہوا، حضرت نے بہت شفقت ومحبت بھرے کلمات اور دعاؤں کے ساتھ اپنے سرہانے رکھے ہوئے ایک ڈبے سے پیلے رنگ کا ایک کیک اور (۱۰) روپے کا قیمتی ہدیہ بھی احقر کو عنایت فرمایا۔ مکتوبات نعمانی میں والد صاحب نے حضرت نعمانیؒ کا مفصل تعارف لکھا ہے، اسے یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

مولانا محمد منظور نعمانیؒ سنبھلی ضلع مرادآباد کے مردم خیز قصبہ سنبھل میں ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے، تعلیم کا آغاز اپنے وطن سنبھل کے مختلف مدارس میں مختلف

اساتذہ سے کیا، جن میں مولانا مفتی نعیم احمد صاحب لدھیانوی بطور خاص ہیں، متوسطات اور فنون کی اکثر کتابیں اپنے وطن کے مشہور صاحب درس حضرت شیخ الہند کے شاگرد حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی سے مدرسہ عبدالرب دہلی اور دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڑھ میں پڑھیں۔

تکمیل کے لیے شوال ۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دو سال یہاں رہ کر فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد اپنے وطن سنبھل کے مدرسہ محمدیہ سے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، اس کے بعد یہاں سے مدرسہ اسلامیہ چلہ امروہہ آگئے اور تقریبا تین سال تک وہاں درس دیا پھر دارالمبلغین لکھنؤ میں کچھ عرصہ درس کا سلسلہ رہا اور دارالعلوم ندوہ میں درس دیا۔

اس زمانہ میں داخلی اور خارجی فتنوں کا بڑا زور تھا، ان فتنوں سے اسلام کے عقیدہ توحید ورسالت کی بیخ کنی کی جارہی تھی، شرک وبدعت کے فروغ کے علاوہ علماء دیوبند کا مسلک بھی مجروح ہورہا تھا، ان تشویشناک حالات میں مولانا جیسے حساس اور دعوت وتبلیغ کا ذوق رکھنے والے کے لیے مدرسہ کی چہار دیواری میں محصور ہوکر صرف درس وتدریس پر قناعت کرلینا مشکل تھا، اس لیے آپ تعلیمی وتدریسی مشغلہ کو تادیر قائم نہ رکھ سکے؛ چنانچہ ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے میدان عمل میں کود پڑے اور خصوصا بریلوی فرقہ کا ایسا کامیاب تعاقب کیا کہ اس فرقہ کے بڑے بڑے مقرر مولانا کا نام سن کر گھبرا جاتے تھے اور جلسہ مناظرہ میں آنے سے پہلے ان کے دل تھرا جاتے تھے، اس سلسلہ میں اپنے مخالفوں کے نظریات کے ابطال کے لیے ایک علمی ودینی ماہنامہ رسالہ نکالنے کا بھی فیصلہ کیا، جو محرم ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء سے اب تک الفرقان کے نام سے جاری وساری ہے اور ملک کا مشہور علمی ودینی اور اصلاحی رسالہ ہے۔

تبلیغی ودعوتی اسفار اور الفرقان کی ادارت کے ساتھ ساتھ مولانا ہمیشہ تصنیف وتالیف میں بھی مشغول رہے، جس کا آپ کو اچھا ذوق، خاص سلیقہ اور خداداد ملکہ تھا، آپ بہت اچھے اہل قلم تھے، مولانا کی تحریریں نہایت سلیس، شگفتہ اور رواں ہوتی تھیں، پیش کرنے کا انداز اتنا موثر اور دل نشین ہوتا تھا کہ عام آدمی کو بھی سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں

ہوتی تھی، مولانا کی چھوٹی بڑی بے شمار تصنیفات ہیں، آپ کی جن کتابوں کا فیض بہت عام ہوا ان کا تذکرہ کر دینا مناسب رہے گا: اسلام کیا ہے، دین وشریعت، قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ آپ حج کیسے کریں؟ آسان حج، کلمہ طیبہ کی حقیقت، نماز کی حقیقت، معارف الحدیث، تحدیث نعمت، ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت وغیرہ۔

دین وحکمت سے واقف، صاحب بصیرت اور مدبر عالم، قوم کے دردمند مصلح اور ملت کے ہمدرد وغم گسار ۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۴/ مئی ۱۹۹۷ء کو رب کعبہ سے جاملا اور لکھنؤ میں ابدی آرام گاہ بنی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ! (مکتوبات مشاہیر، ص: ۱۶، ۱۷)

❑❑❑

مکتوباتِ نعمانیؒ بنام مولانا محبّ الحقؒ

(۱)

۱۹/ اکتوبر ۱۹۸۸ء

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

برادر مکرم مولانا محبّ الحق صاحب احسن اللہ تعالیٰ الیکم والیّ

سلام ورحمت، خدا کرے آپ بعافیت ہوں، کل منگل کے دن ہی دہلی کے ٹیلیفون سے ہمارے آپ کے مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے حادثۂ انتقال کی اطلاع مل گئی تھی؛ ہم آپ سبھی تعزیت کے مستحق ہیں، مولانا علیہ الرحمۃ کے بارے میں جو کچھ لکھنا ہے، وہ ان شاء اللہ الفرقان میں لکھا جائے گا، اللہ تعالیٰ مجھے وہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، جو لکھا جانا چاہیے اور جو آخرت میں میرے اور ان کے لیے نافع ہو، اس وقت آپ کو یہ سطریں خاص طور سے ایک ضرورت سے لکھ رہا ہوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ مولانا مرحوم نے مولانا زید ابوالحسن دہلوی کی مولانا اسماعیل شہید دہلوی سے متعلق کتاب پر میری گزارش یا فرمائش پر ہی تبصرہ

لکھا تھا، وہ میرے پاس رہا، پھر مولانا سے میں نے اس میں کچھ ترمیم کرنے کے لیے مولانا ہی کے حوالہ کردیا تھا۔

دو تین مہینہ سے سوچ رہا تھا کہ مولانا کو لکھوں کہ وہ اب اس کو روانہ فرمادیں اور جس طرح وہ چاہیں گے، وہ اسی طرح الفرقان میں شائع ہوگا؛ لیکن ادھر میری طبیعت بھی ناساز رہی اور مولانا کی علالت کی بھی اطلاع ملتی رہی اور میں یہ خط نہ لکھا سکا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ اب وہ خود اس دنیا میں نہیں رہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ مضمون کن صاحب کے پاس اور کن صاحب کی تحویل میں ہے، اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں براہ راست انھیں صاحب کو لکھتا، اب آپ کو لکھ رہا ہوں کہ مضمون حاصل کر کے رجسٹری سے روانہ کردیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی فوٹو کاپی کرا کے بھیج دی جائے؛ اگر ایسا کرنا پڑے تو آپ یہ کام خود کرائیں اور جو مصارف ہوں، آپ مجھے بے تکلف لکھ دیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مضمون کا مسودہ یہاں بھیج دیا جائے، یہاں اس کی فوٹو کاپی کرا کے اصل واپس کردی جائے؛ اگر اس کا واپس منگوانا ضروری سمجھا جائے۔

اس وقت نومبر کے الفرقان کی کتابت ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر توفیق دی تو ان شاء اللہ اسی میں مولانا مرحوم کے بارے میں لکھا جائے گا، مذکورہ بالا مضمون آجانے پر ان شاء اللہ آئندہ شمارہ میں اس کو شائع کیا جا سکے گا۔ مضمون اور آپ کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔

کل مولانا کے حادثۂ رحلت کی اطلاع سے دل جتنا متاثر ہوا اور جس قدر اب تک متاثر ہے، ایسا کسی دوست اور کسی دینی رفیق پر متاثر ہونا یاد نہیں،

ان کے لیے بار بار دعا کی توفیق نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ ان کے حق کے مطابق دعا کا اہتمام ہمیشہ نصیب رہے، مولانا مرحوم سے میرا تعارف ساٹھ سال سے اور گہرا رفاقت کا تعلق پچاس سال سے بھی زیادہ تھا۔

یہ عاجز خود دعاؤں کا محتاج و طالب اور آپ کے لیے دعا گو ہے۔ والسلام

بقلم: محمد ضیاء الرحمٰن محمود القاسمی

❍❖❍

(۲)

از لکھنو ۲۸/ اکتوبر

برادر عزیز مکرم مولانا محبّ الحق زیدت حسناتکم

سلام ورحمت، ابھی ابھی آپ کا رجسٹرڈ روانہ کیا ہوا مولانا علیہ الرحمۃ کا مضمون موصول ہوگیا، دل سے عزیز مکرم انیس احمد فاروقی صاحب کا اور آپ کا شکر گزار ہوں۔ ارادہ یہ ہے کہ پورا مضمون الفرقان کی ایک ہی اشاعت میں شائع ہو جائے۔ ان شاء اللہ مولانا مرحوم کی خواہش کے مطابق ہی شائع ہوگا۔

کئی دن سے میرا بلڈ پریشر بہت بڑھا ہوا ہے؛ اس لیے مختصر ہی اطلاعی رسید کے طور پر لکھ رہا ہوں۔

عزیز مکرم انیس احمد فاروقی صاحب کو مولانا کی تاریخ پیدائش کا علم ہوگا، کارڈ ہی کے ذریعہ مجھے مطلع کر دیا جائے، مختصر خاندانی حالات بھی لکھ دیے جائیں۔

دعا گو اور دعاؤں کا محتاج و طالب ہوں۔ والسلام۔

بقلم: یحیٰی

❍❖❍

(۳)

لکھنؤ باسمہ سبحانہ وتعالی ۲/نومبر ۸۸ء

برادر عزیز مکرم مولانا محبّ الحق صاحب زیدت حسناتکم

سلام ورحمت، آپ کی مرسلہ رجسٹری کی وصولیابی کی اطلاع کئی دن پہلے دے چکا ہوں۔ جامع مسجد دہلی کے مناظرہ کی روئداد غور سے پڑھی، لاہر پور کے کتب خانہ کا فارسی نسخہ غالباً واپس جاچکا ہوگا، اگر وہ نسخہ واپس نہ گیا ہو یا اس کی نقل یا فوٹو کاپی محفوظ ہو تو مجھے اس کی ضرورت ہوگی۔

دو تین جگہ پر مجھے شبہ ہے، اصل فارسی نسخہ یا اس کی نقل سامنے ہو، اس سے صحیح بات سمجھی جاسکتی ہے۔ الغرض اگر ان میں سے کوئی چیز ہو تو اسی طرح رجسٹری بھیجدی جائے، بحفاظت واپس کردی جائے گی۔

عزیزم مکرم انیس احمد فاروقی صاحب کو سلام مسنون، آپ حضرات کی دعاؤں کا محتاج اور آپ کے لیے دعا گو ہوں، طبیعت ٹھیک نہیں ہے؛ اس لیے مختصر ہی لکھ رہا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ!

بقلم محمد ضیاء الرحمان محمود القاسمی

○❖○

(۴)

باسمہ سبحانہ وتعالی ۲۱/مئی ۸۹ء

برادر مکرم مولوی محبّ الحق صاحب زیدت حسناتکم

سلام ورحمت! خدا کرے آپ بعافیت ہوں، آپ نے مولانا فریدی علیہ الرحمۃ سے متعلق اپنا مضمون یا یادداشت بھیجنے میں بہت تاخیر کردی، سخت انتظار ہے، غالبا آپ کو علم ہوگیا ہوگا کہ مکرمی جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب اور عزیز مکرم پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب کے مضامین

آ گئے ہیں، اللہ تعالی کی توفیق سے ان دونوں حضرات نے بہت ہی اچھا لکھا ہے، آپ نے جو کچھ تیار کیا ہو، بلا تاخیر رجسٹرڈ روانہ کر دیا جائے؛ تا کہ مولوی سجاد سلمہ کو اس پر جو کام کرنا ہے وہ کر کے کاتب کو کتابت کے لیے دیدیا جائے، امید ہے کہ اللہ تعالی کے خاص فضل وکرم سے الفرقان کا یہ نمبر مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کا بہت اچھا تعارف کرادے گا، خاص علماء کرام؛ بالخصوص اصحاب درس کے لیے مشعل راہ ہوگا۔ بشرط یادو سہولت عزیز مکرم انیس احمد فاروقی صاحب کو سلام مسنون، سب کے لیے دعا گو اور آپ سب حضرات کی دعاؤں کا محتاج و طالب ہوں۔

شاید آپ کو یاد ہو مولانا مرحوم جب آخری دفعہ لکھنؤ تشریف لائے تھے تو فرمایا تھا کہ آپ کی دو کتابیں میرے پاس ہیں، اس مرتبہ نہیں لا سکا ہوں، آئندہ ان شاء اللہ آنا ہوگا تو لیتا آؤں گا: (۱) حضرت مجدد کی سوانح حیات زبدۃ المقامات (۲) مکتوبات مجدد الف ثانی مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔ اگر یاد رہے تو یہ دونوں کتابیں نکال کر محفوظ کر لی جائیں اور کسی آنے والے کے ذریعہ بھیج دی جائیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بقلم محمد ضیاء الرحمان محمود القاسمی

❍❖❍

(۵)

لکھنؤ باسمہ سبحانہ وتعالی ۱۱/ستمبر ۱۹۸۹ء

برادر عزیز مکرم مولانا محبّ الحق صاحب زیدت حسناتکم

سلام ورحمت، خدا کرے آپ اور عزیز مکرم انیس احمد فاروقی صاحب اور ان کے سب متعلقین بخیر وعافیت ہوں۔ غالباً ''فریدی نمبر'' شائع ہونے کے بعد نہ تو آپ سے ملاقات ہوئی ہے اور نہ میں نے کوئی خط لکھا ہے، تقاضا دل میں برابر رہا؛ لیکن اپنی موجودہ حالت کی وجہ سے اب تک نہیں لکھ سکا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ بالخصوص آپ کے مضمون اور برادر مکرم ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی اور پروفیسر نظامی صاحب اور عزیز مکرم انیس احمد صاحب فاروقی کے مضامین سے مولانا علیہ الرحمۃ کے بارے میں بہت سی باتیں علم میں آئیں، جو اتنے قدیم مخلصانہ تعلق کے باوجود میرے علم میں نہیں تھیں، مجھے ان باتوں کے علم میں آنے سے بتوفیقہ تعالی بڑا نفع ہوا اور اپنی محرومیوں کا شدید احساس؛ لیکن افسوس کہ ضعف اور مختلف امراض کی وجہ سے ایسے حال میں ہوں کہ تلافی مافات کی کوئی امید نہیں، بس استغفار کرتا ہوں۔ اب سے بہت پہلے، قریباً پچاس سال پہلے الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر شائع ہوئے، علمی حیثیت اور بعض دوسرے پہلوؤں سے بھی بفضلہ تعالی انھوں نے اہل علم ونظر سے داد تحسین کا غیر معمولی خراج حاصل کیا؛ لیکن افادی اور تاثیری حیثیت سے مولاناؒ کے تذکرہ پر مشتمل یہ نمبر سب سے بالاتر اور فائق رہا، جو بیشمار خطوط لوگوں کے موصول ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ عام طور سے پڑھنے والوں کو بڑا دینی نفع پہنچا اور یہی اصل کام آنے والی چیز ہے، اس میں بڑا حصہ آپ حضرات کا ہے، خاص کر آپ کے سیدھے سادے مضمون نے مجھے اور دوسرے ناظرین کو بھی بہت زیادہ متاثر کیا اور دلوں میں نیک جذبہ پیدا ہوا کہ کاش! ایسی زندگی کسی درجہ میں نصیب ہو جائے۔ میرے پاس دلیل نہیں؛ لیکن وجدان کہتا ہے کہ مولاناؒ جس حالت میں ہیں، وہاں باذنہ تعالی ان کو اس کی اطلاع ہوگئی ہوگی اور بڑی خوشی ہوئی ہوگی۔ اللہ تعالی آپ حضرات کو اور ان سب حضرات کو جن کا تعاون اس میں شریک رہا، اپنی شان عالی کے مطابق بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔ آمین!

محمد منظور نعمانی

❍❖❍

(٦)

لکھنؤ　　　　باسمہ سبحانہ وتعالیٰ　　　　۱۲/ستمبر ۸۹ء

برادر عزیز مکرم مولانا محبّ الحق صاحب زیدت حسناتکم

سلام ورحمت، کل ہی ایک ملفوف خط آپ کو لکھایا تھا، اس میں خاص کر آپ کے مضمون کے متعلق اپنے اور بعض دوسرے حضرات کے تاثرات لکھا چکا ہوں، بعد میں خیال آیا کہ ایک ضروری بات لکھنے سے رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم سے متعلق میرے لکھوائے ہوئے مضمون میں اور آپ کے لکھے ہوئے مقالہ میں بعض باتوں میں کچھ فرق واختلاف ہے: مثلاً یہ کہ میں نے لکھایا ہے: مولانا مرحوم نے بریلی مدرسہ اشفاقیہ میں پہلے ہی سال بخاری شریف پڑھائی۔ آپ کے مضمون سے معلوم ہوا کہ بخاری شریف دوسرے سال پڑھائی۔ اسی طرح میں نے مدرسہ اشفاقیہ میں مولانا مرحوم کی ابتدائی تنخواہ قریباً تیس (۳۰) روپیہ ماہوار لکھائی ہے اور آپ نے بیس (۲۰) روپئے ماہوار۔ ایسے جو بھی فرق اور اختلاف ہوں، ان میں آپ کی لکھی ہوئی بات زیادہ قابل اعتماد ہوگی؛ آپ نے مولانا مرحوم سے سن کر نوٹ کر لیا ہوگا، میں نے محض اپنے حافظہ سے لکھایا ہے، جواب بہت متاثر ہو چکا ہے۔ البتہ مجھے اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مدرسہ اشفاقیہ کے لیے میں نے خط مولانا مرحوم ہی کو لکھا تھا، ہوسکتا ہے کہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے توسط سے لکھا ہو، مولانا مرحوم نے کئی بار مجھ سے اس بات کا ذکر بھی کیا کہ میرا خط ملنے پر انھوں نے حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے مشورہ کیا تو حضرتؒ نے فرمایا: مولوی صاحب فوراً چلے جاؤ۔ بس اتنی ہی بات کی اطلاع کے لیے یہ کارڈ آج لکھا رہا ہوں۔ والسلام!

بقلم محمد ضیاء الرحمان محمود غفرلہ

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی وفات پر مولانا محبّ الحقؒ کا تعزیتی خط

مکرمی ومحترمی مولانا عتیق الرحمان صاحب ومولانا خلیل الرحمان صاحب اور دیگر برادران صد احترام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۵/مئی کے اخبار ''امر اجالا'' میں حضرت مولانا کی خبر وفات پڑھ کر شدید صدمہ وغم پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ابھی تک استاذی حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کی وفات کو نہ بھولا تھا کہ دوسرا حادثہ فاجعہ سنا، یہ حادثہ تمام عالم اسلام کے لیے عظیم نقصان ہے؛ خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کے لیے۔

برادرم! واقعی یہ صدمہ ناقابل برداشت ہے؛ مگر: اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند۔ ہم سب کے لیے یہ وقت امتحان ہے، رب کریم صبر واستقامت کے ساتھ ثابت قدم رکھے: فان للہ ما أخذ ولہ ما أعطی، و کل شیء عندہ بمقدار؛ فلتصبر ولتحتسب.

اللہ تعالی حضرت مولانا کو اپنے قرب میں جائے رحمت عطا کرے اور ہم سب وابستگان کی مدد فرمائے؛ یہ حادثہ آپ سب کے لیے خصوصاً اور وابستگان کے لیے عموماً ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین! والسلام

شریک غم: محبّ الحق

❑❑❑

(۲) مفسر قرآن مولانا حافظ قاری سید اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ

مفسر قرآن علامہ اخلاق حسین دہلوی اور والد رحمہ اللہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت فرماتے تھے، والد صاحب کی کئی کتابوں پر علامہ دہلوی کی گراں قدر تقریظات

ہیں، بہت سے علمی کاموں میں دونوں طرف سے تعاون رہا ہے، والد صاحب ہمارے بھائیوں سے ملنے ایک زمانے میں امروہہ سے دہلی تقریباً ہر ہفتہ تشریف لے جاتے تھے، علامہ اخلاق حسین قاسمی نے والد صاحب سے فرما رکھا تھا کہ آپ جب بھی دہلی آئیں، ہم سے ملنے ضرور تشریف لائیں، آپ سے مل کر سکون محسوس ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ میں بھی دیوبند سے دہلی پہنچا ہوا تھا، والد صاحب مجھے لے کر علامہ دہلوی کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے، علامہ کو جب معلوم ہوا کہ میں دار العلوم دیوبند میں شعبہ افتاء کا طالب علم ہوں، تو بڑی خوشی کا اظہار فرمایا، دوران گفتگو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی علمی گہرائی پر روشنی ڈالی، مجھے بھی نصیحت فرمائی کہ جدید مسائل پر غور وخوض کریں۔ علامہ دہلوی سے یہ میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ علامہ کے انتقال پر والد صاحب نے ایک طویل مضمون لکھا تھا، جو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا قول ہے:

’’در عہد محمد شاہ بادشاہ بست ودو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند‘‘

ترجمہ: محمد شاہ کے عہد (۱۱۳۱ھ موافق ۱۷۱۹ء تا ۱۱۶۱ھ موافق ۱۷۴۷ء) میں دہلی میں ہر سلسلہ کے ۲۲؍ مشائخ صاحب ارشاد موجود تھے۔

یعنی دہلی ۲۲؍ بزرگوں (علماء وصوفیاء) کا مرکز تھی۔ شاہ صاحبؒ کے اسی قول کی رو سے دہلی کو اب ۲۲ خواجہ کی چوکھٹ کہا جاتا ہے۔

یہ دہلی کی روحانی عظمت کا ایک پہلو ہے اور دہلی کی علمی عظمت کو چار چاند لگانے والا یہ شرف ہے کہ دہلی دنیا کے نامور علماء؛ خصوصاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کا خاندان، استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی صدیقی نانوتویؒ، مفتی اعظم محمد کفایت اللہ شاہجہانپوری ثم دہلویؒ، مولانا امین الدین دہلویؒ،

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور سید الملت مولانا سید محمد میاں کا گہوارہ رہی ہے۔

ادبی اعتبار سے دہلی کی عظمت وشہرت میرؔ، ذوقؔ، داغؔ، غالبؔ، مومنؔ، سوداؔ اور سائلؔ جیسے بلند پایہ شعراء کے تعلق سے قائم ہے۔ دہلی کو صنعت وحرفت اور تجارت کا چین و جاپان بنانے والی وہ مسلم برادریاں ہیں، جنھیں شاہجہاں جیسے نیک دل اور محبّ وطن حکمراں نے ملک کے دوسرے حصوں سے لاکر یہاں آباد کیا۔ انھیں مسلم برادریوں کے سادات کے صنعتی گھرانے میں مولانا سید اخلاق حسین صاحب قاسمیؒ کی ولادت ۱۲؍شعبان ۱۳۴۳ھ موافق ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب جگر گوشۂ رسول سیدنا حضرت حسینؓ سے متصل ہوتا ہے۔

آپ کے خاندان میں دہلی کی مشہور صنعت تارکشی، کامدانی اور گوٹہ پیمک کا کام ہوتا تھا۔ اس صنعت کو قلعۂ معلیٰ کی سرپرستی حاصل تھی۔ آپ کے والد کے ماموں آکا شرف الدین صاحب لاولد تھے۔ انھوں نے آپ کو گود لے لیا اور بمنزلہ اولاد کے پرورش کی۔ مولانا قاسمی صاحبؒ کے خاندان میں دو شخصیتیں علم دین سے تعلق رکھتی تھیں (۱) حافظ صدرالدین صاحبؒ (۲) محمد ابراہیم صاحبؒ۔ حافظ صدرالدینؒ نواب ''مالیر کوٹلہ'' کے مدرسہ میں حفظ قرآن کی خدمت پر مامور تھے اور آپ کا مزار ''مالیر کوٹلہ'' کے شاہی قبرستان میں واقع ہے۔ محمد ابراہیم صاحب کو تحصیل داری کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد علوم دینیہ حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا تو اپنی تشنگی کو دور کرنے کے لیے علوم متداولہ کی تحصیل وتکمیل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے کرکے حدیث شریف کی سند حاصل کی۔

آکا شرف الدین صاحب پر ان دونوں بزرگوں کا بڑا اثر تھا، خود پڑھے ہوئے نہیں تھے، اس کے باوجود علم دین سے والہانہ وابستگی تھی۔ اسی لیے مولانا قاسمیؒ کو پہلے قرآن حفظ کرایا، اس کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری میں درس نظامی کی تحصیل کے لیے داخل کرادیا۔ مدرسہ عالیہ مذکور میں علوم وفنون کی تحصیل مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ، مولانا ولایت احمد صاحب سنبھلیؒ، مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ اور قاضی سجاد حسین

صاحبؒ کرتپوری سے کی۔

دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا سید عبدالسمیع دیوبندیؒ سے اکتساب فیض کر کے سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے درس تفسیر میں بھی شریک ہوتے تھے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے تفسیر قرآن کی خصوصی سند حاصل کی۔

تحصیل علوم کے بعد ۱۹۴۲ء میں مسجد کھجور والی تراہا بہرام خاں، دہلی میں تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ افتتاح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبدالحنان ہزارویؒ نے کیا۔ آپ کے لیے سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی کی صحبت و تربیت بہت زیادہ مفید ثابت ہوئی۔ سحبان الہندؒ اردو کے پہلے بامحاورہ ترجمہ ''موضح قرآن'' شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے؛ بلکہ شاہ صاحبؒ کے قدیم اردو محاورات کے شارح سمجھتے جاتے تھے۔ مولانا قاسمی نے مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ کی ''تفسیر کشف الرحمٰن'' کی ترتیب میں بطور معاون کام کیا۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''مولانا قاسمی تحریر و تقریر اور قرآن فہمی میں سحبان الہندؒ کے جانشین ہیں۔''

آپ دہلی کارپوریشن کے ممبر اور محکمۂ ایجوکیشن کے نائب صدر رہے۔ فرقہ وارانہ فسادات میں پورے ملک کا دورہ کیا۔ فرقہ پرستی کے خلاف آپ نے ایک کتاب لکھی ''فرقہ پرستی کی آگ'' اس پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۳ (الف) کے تحت لگائے گئے مقدمات اور سنگین الزامات کی بارہ سال تک خوب پیروی کی؛ لیکن دلی والوں کی پوسٹر بازی کا کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی جہلا کی باتوں کا مسکت جواب ہے۔ چنانچہ مولانا کی خاموشی پر مخالفت کا وہ جوش دودھ کے اُبال کی طرح بیٹھ گیا۔ آپ ایک زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم بھی رہے۔ مولانا قاسمیؒ کو عوامی خطیب اور اتحاد و یکجہتی کے داعی کے طور پر بڑی مقبولیت

حاصل رہی ہے۔ خصوصاً سیرت نبویؐ کے موضوع پر خطابت علمی و تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت شگفتہ عام فہم اور دلی کی پُر اثر ادیبانہ اسلوب کا بہترین نمونہ ہوتی تھی۔

مولانا نے دلی کے مشہور و معروف مدرسہ ''حسین بخش'' میں تفسیر و حدیث اور فقہ کا درس دیا اور مدرسہ کی جامع مسجد کی امامت و خطابت کا منصب بھی آپ کو تفویض ہوا۔ آپ آخر وقت تک اس ممبر سے خطاب فرماتے رہے۔ اس مسجد کی خطابت کے منصب پر مولانا نوازش علیؒ، مولانا کرامت اللہ خاںؒ، مولانا محمد حسین فقیرؒ اور مولانا عبدالشکور دیو بندیؒ فائز رہے، اوران حضرات نے یہاں درس حدیث بھی دیا ہے۔ آپ جامعہ رحیمیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مہتمم اور شیخ التفسیر کے منصب پر فائز رہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سرہانے بیٹھ کر علوم ولی اللّٰہی کی روشنی میں قرآن کریم کا درس دیا۔ مدرسہ عالیہ فتح پوری کے اہتمام کی بھی ذمہ داری سپرد رہی۔

مولانا قاسمی صاحبؒ برصغیر کے کامیاب بلند پایہ مشہور و معروف مصنف و مؤلف تھے۔ آپ کی تمام تصنیفات علمی، تحقیقی، تبلیغی اور اصلاحی موضوع پر مشتمل ہیں۔ جن کتابوں نے برصغیر میں شہرت حاصل کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں: (۱) مستند موضح قرآن، (۲) محاسن موضح قرآن، (۳) مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت، (۴) اخلاق رسول صلی اللہ علیہ و سلم، (۵) شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ناقد، (۶) بریلوی ترجمہ قرآن کا علمی تجزیہ، (۷) شاہ ولی اللہ اوران کا خاندان، (۸) جمہوری دور میں اسلام کی کامیابی، (۹) مودودی صاحب کی تفسیر پر ایک نظر، (۱۰) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر والوں کے ساتھ، (۱۱) فوائد الفواد کا علمی مقام، (۱۲) معارف التفسیر، (۱۳) ازواج مطہرات و بنات طیبات، (۱۴) بصائر قرآن، (۱۵) مشکلاتِ موضح قرآن (۱۶) تفسیر عثمانی وغیرہ۔

مستند موضح قرآن مولانا قاسمی کا عظیم کارنامہ ہے ''موضح قرآن'' جس کی عمر تقریباً سوا دو سو سال ہے اور روزِ اوّل سے ہی برصغیر میں مقبول بھی ہے۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مستند موضح قرآن کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

''مولانا اخلاق حسین قاسمی کی اس کاوش اور عرق ریزی کو جو انھوں نے

اس ترجمہ کے سلسلہ میں کی ہے احقر کے نزدیک شیخ الہندؒ کی پیروی ہے، جو ماشاءاللہ مقبولیت پر مقبولیت کا نشان ہے۔ مولانا قاسمی نے اپنی اس کاوش کو اردو زبان کی تدریجی ترقی کی تاریخ اور فقہ اللغت کے اصول پر بہترین انداز میں واضح فرمایا ہے اور محققانہ طریقہ پر شاہ صاحبؒ کی قابل قدر مدافعت بھی فرمائی ہے، جو ہم سب خدام پر شاہ صاحبؒ کا فریضہ تھا، جسے مولانا موصوف نے پورے حلقہ کی طرف سے بطور فرضِ کفایہ ادا کیا ہے۔''

مولانا عبدالسلام قدوائی مدیر ماہنامہ ''معارف'' نے معارف میں لکھا ہے:

''اہل مطابع کے ہاتھوں شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے ساتھ جو ہو رہا تھا اس پر ملال سب کو تھا؛ مگر کسی کو اتنے بڑے کام پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مولانا قاسمی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ شاہ صاحبؒ کے اس شاہکار کو بربادی سے بچائیں۔''

مولانا عبدالماجد دریابادی ''صدق جدید'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا اخلاق حسین قاسمی مستحق مبارک باد ہیں کہ انھوں نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لے کر موضح قرآن کے مختلف ایڈیشنوں کو سامنے رکھ کر اس کا صحیح اور مستند نسخہ تیار کیا۔''

مولانا سعید احمد اکبرآبادی سابق مدیر ''برہان'' دہلی تحریر کرتے ہیں:

''مولانا اخلاق حسین قاسمی جو نامور عالم دین ہونے کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر و ترجمہ کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور ساتھ ہی داغؔ اور سائلؔ کی زبان میں ''دلی والے'' ہونے کے سبب اس زبان ہفت رنگ کے مزاج شناس اور نکتہ داں بھی ہیں کہ انھوں نے سب سے پہلے ان دونوں ضرورتوں کی طرف مجموعی طور پر توجہ کی۔ چنانچہ شب و روز کی مسلسل برسوں کی محنت و کاوش، غور و فکر، مطالعہ اور تحقیق کے بعد مستند موضح قرآن کا جدید ایڈیشن

تیار کیا ہے، جس میں مشکل ومتروک یا نامانوس الفاظ ومحاورات کا حل بھی
ہے اور اغلاط کی تصحیح بھی۔''

مولانا سید منت اللہ رحمانی مونگیریؒ ''مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت'' کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:

''مولانا اخلاق حسین قاسمی فکر ولی اللہؒ کے ناشر اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسی عبقری شخصیت کے شارح ہیں۔ مولانا کو ابتداء ہی سے قرآن کریم سے خاص تعلق اور اس کی تفسیر کا اچھا ذوق رہا ہے۔ آج سے چند سال پہلے اپنے اسی تفسیری ذوق اور تحقیقی مزاج کی مناسبت سے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ اور تفسیر پر ایک تاریخی اور علمی تبصرہ محاسن موضح قرآن مرتب فرما چکے ہیں۔ جو جامع ہو کر ارباب علم وتحقیق سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔''

مولانا حفیظ الرحمٰن واصف ابن مفتی کفایت اللہ دہلویؒ مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت میں لکھتے ہیں:

''مولانا اخلاق حسین قاسمی فن تفسیر میں صاحب نظر عالم ہیں، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ موضح قرآن پر موصوف نے جو تحقیقی کام کیا ہے، وہ اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔''

مولانا ابوالحسن زید مجددی فاروقی دہلوی مرحوم سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ مولانا قاسمیؒ کی خدمات کے بارے میں اپنے ایک مکتوب مرقومہ ۲۲ / ربیع الاول ۱۳۹۸ھ موافق ۲ / مارچ ۱۹۷۸ء میں تحریر کرتے ہیں:

''جس دن سے آپ نے حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہ کے ترجمہ قرآن مجید اور توضیحی فوائد موسوم بہ ''موضح قرآن'' کی تصحیح کا کام شروع کیا ہے، بے ساختہ آپ کے واسطے دعائے خیر نکلتی ہے۔ آپ نے فروری ۱۹۶۶ء میں رسالہ ''محاسن موضح قرآن'' لکھ کر اپنی مساعی سے واقف کیا۔ پھر

۱۹۷۷ء میں محاسن موضح قرآن ۳۲۸ر صفحات کی کتاب مع رسالہ ''اغلاط کی تصحیح'' ۸۸ر صفحات کا رسالہ شائع کیا۔ اس کتاب اور رسالہ کو پڑھ کر دل بیحد خوش ہوا۔ جو تحقیق اور تفتیش آپ نے کی ہے یقیناً شایانِ صد مدحت ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۲۰۵ھ میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''موضح قرآن'' تجویز فرمایا۔ اس نام سے تاریخ بھی ظاہر ہے۔ آپ کا ترجمہ بعد کے تراجم کا مرجع اور اصل ہے اور ہندوستان کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ مبارک ترجمہ بلاشک بے نظیر ہے۔ اس عظیم کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا انتخاب کیا۔ پروردگار جب کسی بندے سے کوئی کام لیتا ہے تو اس کی صلاحیت بھی اس کو عنایت کرتا ہے۔ چنانچہ یہ عاجز دیکھ رہا ہے کہ آپ نے موضح قرآن کے محاسن جس خوبی سے بیان کئے ہیں وہ بجائے خود ایک بڑا کارنامہ ہے۔ عاجز نے جب آپ کے بیان کردہ محاسن کو پڑھا زبان پر آیا ''محاسن موضح قرآن زیادہ باد'' آپ کے تجویز کردہ نام پر ''زیادہ باد'' کا دعائیہ لفظ اضافہ ہوا ہے اور اس سے ۱۳۹۸ھ کا پتہ چلتا ہے۔''

مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند بصائر القرآن جلد سوم کے پیش لفظ میں ارقام فرماتے ہیں:

''مطالعۂ بصائر القرآن نے غیر معمولی طور پر احقر کو مسرور و شاداں کیا کہ حضرت علامہ اخلاق حسین قاسمی مدظلہ نے مستند اور معتمد علماء اعلام کے تراجم و تفاسیر قرآنیہ کے مابین اپنی ایمانی اور علمی فراست سے اس امر کو پورے طور پر ملحوظ رکھا ہے کہ یہ سب اکابر طالبین حق ہی نہیں بلکہ واصلین حق بھی ہیں لیکن اپنے بارے میں خطا کے احتمال سے ان کے قلوب صافیہ خالی نہیں۔ اسی کے ساتھ علامہ اخلاق حسین صاحب قاسمی کی وسعت مطالعہ اور علمی فراست کے مبنی برحق اعتراف کے باوجود کہیں کہیں سبقت

قلمی محسوس ہوتی ہے کہ بعض حضرات کے بارے میں ان کا ترجیحی نقطۂ فکر و دیگر علمائے اسلام کے بارے میں ابہام نقص کی جانب مشیر ہوتا ہے بلکہ احقاق حق میں ان کی زبان وقلم کو شاہد عدل کا درجہ حاصل ہے۔اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی لائق اعتراف اور قابل ذکر ہے کہ حضرت العلام مولانا اخلاق حسین قاسمی دامت برکاتہم کی ذات گرامی عصر رواں میں مختلف علوم دینیہ میں وسعت وتعمق نظر کے ساتھ خاص طور پر علوم قرآنیہ میں آج جماعت حق میں منفرد و یکتا مقام عظمت کی حامل ہے۔''

مولانا قاسمی صاحبؒ کی کتاب ''بصائر القرآن'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ابو یوسف مکی ''موضح قرآن'' کے بارے میں ماہنامہ ''ترجمان دارالعلوم'' میں لکھتے ہیں:

''مصنف کو خاندانِ شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے حد درجہ عقیدت ہے۔آپ شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ قرآن کو اردو زبان میں الہامی ترجمہ مانتے ہیں، بلا شبہ برصغیر کی اسلامی تاریخ میں شاہ ولی اللہؒ اور ان کے لائق فرزندوں نے ہی قرآن وسنت کی شمع روشن کی،شاہ صاحبؒ کی ذاتِ گرامی ہی سے برصغیر میں عمل بالحدیث کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ سب اپنی جگہ مسلم الثبوت ہیں۔ان ساری خدمات کے باوجود قرآن کریم کے علوم ومعارف کو جس کی وسعت بحر ناپیدا کنار ہے اس کی انتہاء تک پہنچنا کسی ایک ذات یا ایک خاندان کے لیے ممکن نہیں اور نہ ہی اس کا استیعاب کسی ایک زمانہ میں ممکن ہے۔آپ نے اپنے تفسیری مضامین میں خانوادۂ شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ علمائے دیوبند کی تفسیر کو بھی سامنے رکھا ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے قاری کو ۱۹ویں اور ۲۰ویں صدی کے نامور مفسرین کی مختلف تفاسیر کی ندرت اور اس کی افادیت سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے۔''

حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید دہلویؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اب تک کچھ لوگوں کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہی ہے، جب کہ اس کتاب نے بہت سے لوگوں کو صراط

مستقیم دکھائی ہے۔ آج بھی لوگ ترقی کے دور میں اس کتاب سے خائف ہیں۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی مرحوم بھی اس کارِ ثواب میں کسی سے پیچھے نہیں رہے اور انھوں نے بھی تقویۃ الایمان کے رد میں ''مولوی محمد اسماعیل اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان'' لکھ ماری۔ کتاب چھپنے سے قبل مولانا زید مرحوم قاضی سجاد حسین کرتپوریؒ کی معیت میں امروہہ استاذ نا و مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کی خدمت میں تشریف لائے تو اس کتاب کا تذکرہ بھی ہوا۔ مولانا فریدیؒ نے برجستہ ان سے فرمایا کہ آپ کا جس خانقاہ سے تعلق ہے، اس خانقاہ سے شرک و بدعت کا رد کیا گیا ہے اور یہ کتاب آپ کے منصب کے لائق نہیں ہے؛ لیکن مولانا زید کو جو کرنا تھا وہ کیا اور کتاب چھپ کر جب مولانا فریدیؒ کے پاس آئی تو تلملا اُٹھے اور اس کے جواب کی فکر ہوئی۔

اسی درمیان مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ نے بھرپور مولانا زید کی کتاب کی گرفت کی اور اس کے جواب میں ''شاہ محمد اسماعیل شہید اور ان کے ناقد'' نامی کتاب لکھی۔ جب مولانا قاسمیؒ کی کتاب کا پہلا ایڈیشن مولانا فریدیؒ کی خدمت میں آیا، اس کو سن کر مولانا قاسمیؒ کو تحریر کرتے ہیں:

> ''محقق مفسر مولانا اخلاق حسین کی کتاب مولانا محمد اسماعیل شہید اور ان کے ناقد دستیاب ہو کر باعث صد مسرت و انبساط ہوئی۔ اس کتاب کو پورا سن کر دم لیا۔ ماشاء اللہ خوب لکھی ہے، چند مضامین تو اتنے لاجواب ہیں کہ ان کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ محاسن موضح قرآن کا مؤلف ہی ایسے مضامین دہلی کی شستہ زبان میں پیش کر سکتا ہے۔ میں برابر مولانا زید صاحب کی کتاب کے جواب کو سوچتا رہا۔ چند ماہ میں کوئی دن خالی نہ گیا ہوگا، جس میں اس کے جواب کی فکر دامن گیر نہ رہی ہو۔ آپ نے ایک بہت بڑا بوجھ ہم ضعفاء کے سر سے اتار دیا۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے اطلاع دی تھی کہ مولانا اخلاق حسین قاسمی اس کتاب کا رد لکھ رہے ہیں۔ اب میں ایک مضمون پر اکتفا کروں گا، جو مولانا زید صاحب کی کتاب پر

ایک تبصرہ ہوگا۔''

مولانا فریدیؒ نے مولانا زید کی کتاب پر ایک علمی تبصرہ کیا ہے اور علمی گرفت بھی کی ہے۔ یہ تبصرہ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ کے خصوصی نمبر جو مولانا فریدیؒ کی یاد میں شائع ہوا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے تکملہ کے ساتھ شامل ہے۔ ہر اہل علم کے پڑھنے کے لائق ہے۔

مولانا قاسمیؒ کی کل تصنیفات (۴۵) اور مقالات (۴۴) ہیں۔ تفسیر قرآن کے موضوع پر (۱۰۰) سے زائد تقریری کیسیٹیں موجود ہیں، جو دہلی کی مارکیٹ میں ملتی ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں صدر جمہوریہ ہند نے ''راشٹر پتی علمی ایوارڈ'' دیا اور اردو اکیڈمی دہلی کی طرف سے صحافتی ایوارڈ ۱۹۹۷ء میں دیا گیا اور ایک بڑا جلسہ بھی ہوا تھا۔

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ گوناگوں خوبیوں کے حامل تھے۔ عالم دین، مفسر قرآن، مصلح قوم، خطیب، ادیب، صحافی اور بہترین استاذ تھے۔ آپ حقیقتاً دبستان دہلی اور دہلوی تہذیب اور دلی کی ٹکسالی زبان کی آخری شمع تھے۔ دہلی کا لب ولہجہ، انداز گفتگو ان کا خاصہ تھا۔ استاذنا حضرت مولانا فریدی امروہیؒ کے وصال کے بعد راقم برابر مولانا قاسمیؒ کی خدمت میں حاضری دیتا رہا۔ مولانا اپنے اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے احقر کو نوازتے تھے؛ بلکہ اسم با مسمیٰ تھے۔ خورد نوازی اور خورد سازی کی صفت جو مولانا فریدیؒ میں تھی، وہی مولانا قاسمیؒ میں بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ تقریباً دو سال پہلے فرمایا:

''جب بھی تم دلی آؤ تو مل جایا کرو، تمہارے آنے سے مجھے تسلی ہو جاتی ہے۔''

ضعف کے باوجود چہرے کی شادابی اطمینان بخش تھی؛ لیکن (فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ.) کا خدائی فیصلہ اٹل ہے، جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہی فیصلہ آپ کے لیے بھی صادر ہوا۔ ۲۳؍شوال ۱۴۳۰ھ موافق ۱۳؍۱۱ کتوبر ۲۰۰۹ء کی شب میں ساڑھے سات بجے نماز عشاء کے لیے تکبیر تحریمہ کے لیے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ دہلی میں کہرام مچ گیا، نماز جنازہ حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت

برکاتہم نے رام لیلا میدان میں پڑھائی، جس میں دلی کے علماء، دانشور، صحافی اور عوام کے علاوہ دیوبند، سہارنپور، غازی آباد، میرٹھ، ڈاسنہ، میوات کے لوگوں نے شرکت کی۔

فکرولی اللہی کے امین کو درگاہ شاہ ولی اللہ مہندیان میں ۲۴؍شوال ۱۴۳۰ھ موافق ۱۴؍اکتوبر ۲۰۰۹ء کو ہمیشہ کے لیے سپرد رحمت کر دیا گیا۔

مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا   نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

○❖○

مکتوباتِ مفسر قرآنؒ بنام مولانا محب الحقؒ

محترمی سلام مسنون، آپ کے جانے کے بعد طبیعت ناساز رہی اور اس کام کو موخر نہیں کرسکا، پھر علالت کے سبب میرٹھ کا پروگرام کینسل ہو گیا اور اس طرح اس کام کا موقع مل گیا، یہ بھیج رہا ہوں، ان شاء اللہ کافی ہوگا، اب آپ زحمت نہ فرمائیں، ویسے آپ کا گھر ہے۔ فقط والسلام

اخلاق حسین

(یہ خط ڈائری میں نقل ہے اور اس پر کوئی تاریخ تحریر نہیں ہے)

○❖○

لال محل   ۱۹۹۰/۳/۲۷ء   ۷۸۶

مولانائے محترم، زادالطافہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا! میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے ازراہ کرم مجھے کتاب ''فیضان نسیم'' عنایت فرمائی، مجھے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، آپ کے تشریف لے جاتے ہی میں نے مطالعہ شروع کیا، شام تک پوری کتاب پڑھ لی، مکتوب تو مکتوب ہی ہیں اور بصیرت افروز ہیں؛ لیکن حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ کی سوانح وسیرت سے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ خاصے کی چیز ہے، اس کے مطالعہ سے ہر کوئی راہنمائی حاصل

کر سکتا ہے اور زندگی کو سدھار سکتا ہے، اسلوب بیان اس درجہ پر کیف اور جاذب توجہ ہے کہ شروع کرنے کے بعد ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں چاہتا، روانی بھی ہے اور دلآویزی بھی، خداوند کریم قبول خاص وعام کی نعمت سے سرفراز فرمائے، آمین ثم آمین۔

مولانا صاحب یاد آیا صفحہ ۴۷ میں کتاب ''تمہید المبتدی'' ابوشکور سالمیؒ کا ذکر آیا ہے، حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کے ارشاد کے مطابق یہ کتاب اصول حدیث میں ہے، مجھے بھی اس کا اشتیاق ہے، ازراہ کرم اس کے متعلق آپ مجھے یہ بتائیے کہ حجم اس کا کتنا ہے اور جو نسخہ دستیاب ہوا ہے، اس کا سن کتاب کیا ہے، اگر رمضان المبارک کے بعد میں امروہہ آؤں، تو کیا وہ نسخہ مجھے دیکھنے کو مل سکتا ہے، یہ بھی کہ حضرت مولاناؒ کا کتابی ذخیرہ اب کس کی تحویل میں ہے؟ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے اور جواب خط سے جلد سے جلد نواز کر ممنون فرمائیں گے۔

دعا گو

اخلاق حسین دہلوی

لال محل، بستی حضرت نظام الدین اولیا نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

❑❑❑

(۳) مولانا سید محمد قاسمؒ
سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

حضرت مولانا سید محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ اور والد صاحب کے مابین کافی اچھے تعلقات تھے، مہتمم صاحب بلا تکلف والد صاحب سے ملنے ان کی مسجد انار والی مسجد تشریف لے آتے، دیر تک مختلف امور پر باتیں ہوتیں، دستر خوان بھی لگتا، اسی طرح والد صاحب بھی حضرت مہتمم صاحب کے دولت کدہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ مہتمم صاحب کے انتقال

کے بعد والد صاحبؒ نے ان پر ایک مضمون تحریر فرمایا تھا، جو ہدیہ ناظرین ہے:

مولانا سید محمد قاسمؒ کی ولادت ۱۳۷۰ھ موافق ۱۹۴۷ء میں محلّہ چاہ ملا امان، امروہہ میں ہوئی۔ آپ کے جدامجد حافظ زاہد حسنؒ شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکّیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ حافظ صاحبؒ مدرسہ اسلامیہ عربیہ چلّہ، امروہہ کے بانیوں میں سے تھے۔ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کے نائب مہتمم رہے۔ اپنی ذمہ داری باحسن وجوہ انجام دی۔ یہاں سے پہلے مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی رامپور، مدرسہ شاہی مرادآباد کو بھی اپنی خدمات سے نوازا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جب امروہہ تشریف لاتے تو آپ کے یہاں قیام ہوتا۔ حضرت مولانا مدنیؒ سے آپ کی خط وکتابت بھی ہوتی تھی۔ مالٹا جیل سے آئے ہوئے کئی خطوط آپ کے نام ہیں۔ جو مکتوبات شیخ الاسلام میں شامل ہیں، نیز شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندیؒ سے بھی مراسلت کا سلسلہ رہا۔ مالٹا سے بھی حافظ صاحبؒ کے پاس مکتوبات آئے ہیں۔

آپ سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کے رفیق سفر ہوا کرتے تھے۔ اپنے زمانہ کے تقریباً تمام اکابر علماء سے روابط تھے۔

مولانا سید محمد قاسمؒ نے ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جہاں علوم دینیہ عربیہ کا چرچا رہتا تھا۔ گھر کا ماحول دین اور علوم دینیہ سے وابستہ تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر سے شروع ہوکر حفظ قرآن کریم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں حافظ ظہور حسنؒ سے مکمل کر کے جامعہ ہٰذا میں شرح جامی تک پڑھ کر بقیہ علوم کی تحصیل وتکمیل کے لئے ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہاں تمام علوم متداولہ کی تکمیل کر کے ۱۳۸۹ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں فخر المحدثین مولانا سید فخر الدین احمدؒ، مولانا سید فخر الحسن مرادآبادیؒ، مولانا معراج الحق دیوبندیؒ، مولانا عبد الاحد دیوبندیؒ اور امام معقولات مولانا محمد حسین بہاریؒ تھے۔

فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ سے درس وتدریس کا آغاز کیا۔ ۳؍سال درس دینے کے بعد دارالعلوم دیوبند کے شعبہ افتاء میں داخلہ لے کر مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی نگرانی میں افتا میں مہارت حاصل کی پھر فنون وادب کی بھی تکمیل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ ''وڈالی'' صوبہ گجرات میں تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور وہاں شیخ الحدیث کی مسند کو رونق بخشی۔ کئی سال تک بخاری شریف کا درس دیا، بعدہٗ مدرسہ اسلامیہ امینیہ دہلی میں بھی کافی عرصہ تک درس دیا۔ مولانا قاضی سجاد حسین شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد، فتح پوری نے فتاویٰ تاتارخانیہ کو ایڈٹ کیا تو مولانا محمد قاسم صاحب کی صلاحیت کی بنا پر آپ سے کام لیا۔ دہلی میں مولانا اخلاق حسین قاسمی، جمعیۃ علماء اور تبلیغی جماعت کے اکابرین سے اچھے روابط رہے۔

۱۹۹۰ء میں جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں مدرس کی حیثیت سے تقرر کیا گیا۔ آپ نے نہایت کامیابی کے ساتھ درس دیا۔ دو سال کے بعد نائب مہتمم کی ذمہ داری سپرد ہوئی تو اپنی ذمہ داری باحسن وجوہ انجام دی۔ اپنے والد ماجد مولانا سید حامد حسن (متوفیٰ: ۱۴۲۴ھ) کے انتقال کے بعد پوری طرح سے منصب اہتمام کو سنبھالا، جامعہ ہٰذا کے دو مقتدر استاد مولانا شبیہ احمد فیض آبادیؒ اور مولانا سید طاہر حسنؒ امروہی کے وصال کے بعد اہتمام کے ساتھ بخاری شریف اور دیگر کتابوں کا بھی درس دیتے رہے کہ اسی درمیان قضا وقدر کا اٹل فیصلہ آ گیا۔ جس امروہہ میں مولانا عبدالقدوس صاحبؒ، مولانا سراج احمد خاں صاحبؒ، مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ امروہی، مولانا سید اعجاز حسنین صاحبؒ جیسے اساطین علم و فضل ہوئے ہوں، اِن حضرات کے گزر جانے کے بعد مولانا قاسم صاحب ان کی کمی کو ایک حد تک پورا کر رہے تھے۔ اب بظاہر یہ خلاء پر ہونا مشکل نظر آ رہا ہے۔

سیاسی بصیرت بھی بہت اچھی تھی۔ جب کبھی کوئی فتنہ امروہہ وملحقات میں اٹھا تو حکام سے مل کر پوری طرح سے کچل دیا۔ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ کے بعد حکام پر کافی رعب ودبدبہ تھا۔

۱۷؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ موافق ۶؍اپریل ۲۰۰۷ء جمعہ کے دن ربِ کریم سے جا

ملے۔ ۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ موافق ۷؍اپریل ۲۰۰۷ء میں اپنے آبائی قبرستان میں تدفین ہوئی جہاں اکابر کی یادگار حافظ زاہد حسنؒ مدفون ہیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❑❑❑

(۴) جناب مولوی عزیز الٰہی خان صاحبؒ

احقر نے نواب صاحب کو نہیں دیکھا ہے، لہذا والد صاحب اور ان کے مابین تعلقات کا بھی کوئی عینی واقعہ اس کی زنبیل میں نہیں ہے، تاہم نواب صاحب اور والد رحمہ اللہ کے مابین خطوط کے آئینہ میں اس تعلق کا عکس صاف دیکھا جا سکتا ہے؛ البتہ ہمیں اتنا ضرور یاد ہے کہ والد صاحب حسن نگر کثرت سے تشریف لے جاتے تھے؛ حتی کہ آموں کے موسم میں وہاں سے آموں کی کئی پیٹیاں آتی تھیں۔

نیز آج بھی نواب صاحب رحمہ اللہ کے گرامی قدر صاحبزادے جناب غفران الٰہی عرف نجم خاں صاحب فون کے ذریعہ احقر کو یاد فرماتے رہتے ہیں، اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ ذیل میں والد رحمہ اللہ کا تحریر کردہ نواب صاحب کا سوانحی خاکہ پیش خدمت ہے:

الحاج نواب آخون عزیز الٰہی خاں صاحب حسن پوری کی پیدائش ۱۹۲۴ء میں حسن پور ضلع مراد آباد کے نواب خاندان میں ہوئی، حسن خاں نے اس قصبہ کو آباد کیا، جن کا مزار ملتان میں ہے، یہ خاندان عہد شاہ جہاں میں بازید خیل داؤدزئی وزیرستان علاقہ پشاور سے وارد ہند ہوا اور دلی میں سکونت اختیار کی۔

اپنی شرافت وانسانیت اور خداداد لیاقت کی وجہ سے بہت جلد بادشاہ کی نگاہ میں معزز ہوے، شاہ جہاں نے چندیانہ کی جاگیر تفویض کی اور شاہ عالم نے محمد مستقیم خاں کو

آخون کے خطاب سے نوازا، آخون محمد مستقیم خاں کی شادی حسن پور میں ہوئی، ان کے خسر کے کوئی اولا دنر ینہ نہیں تھی، اس لیے آخون محمد مستقیم خاں کو حسن پور میں رہنا پڑا اور چندیانہ کا نظام اپنے بھائی نسیم احمد خاں کے سپرد کیا۔ اس خاندان نے اصلاحی تعلق علماء دیو بند؛ خصوصا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے وابستہ رکھا۔

انہی آخون محمد مستقیم خاں کی اولاد میں سے نیک دل، خوش اخلاق، مرنجاں مرنج پیکر شرافت ومروت اور انسانیت کی جیتی جاگتی ذات گرامی جناب عزیز الہی خاں صاحب کی ہے، انکساری، مروت اور رحم دلی قدرت نے آپ کی فطرت میں ودیعت فرمائی ہے، آپ ایک معزز اور خوش حال خاندان میں پیدا ہوئے، آرام وآسائش میں پلے بڑھے؛ مگر سادگی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے، آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت با اصول والد ماجد آخون عبدالقیوم خاں صاحب مرحوم کی زیرنگرانی ہوئی۔

خاں صاحب اپنی عادات واطوار کی وجہ سے خاندانی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، آپ مرادآباد اور علی گڑھ میں بھی زیر تعلیم رہے اور مسلم یونیورسٹی سے بی.اے کیا، اسکول اور یونیورسٹی کے ماحول میں بھی آپ کا مزاج دینی رہا، علی گڑھ سے رسالہ الفرقان کا مطالعہ شروع کر دیا تھا، جواب تک جاری ہے، تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے صحافت کے میدان میں بھی کام کیا اور اس میدان میں ایک کامیاب صحافی رہے۔

مولانا مطلوب الرحمان صاحب عثمانی دیو بندیؒ، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی سے آپ کا اصلاحی تعلق رہا۔

(مکتوبات نعمانی، ص:۱۹)

دارالعلوم ندوہ کے ارباب اہتمام نے مدرس انگریزی کے لیے آپ کا انتخاب کیا ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۴ء تک باحسن وجوہ اپنی اس ذمہ داری کو انجام دیا۔

آپ کو مطالعہ اور مذاکرہ سے کافی دل چسپی تھی، ہر طبقے کے نمایاں اور مشہور افراد سے ملنے اور مراسلت کرنے کا شوق تھا۔

نواب صاحب مرحوم کا جماعت اسلامی ہند سے ہمدردانہ تعلق تھا اور مولانا سید ابو

الاعلی مودودی کی شخصیت اور ان کے لٹریچر سے کافی متاثر تھے، بقول ان کے ان کے اندر سنجیدہ دینی رجحان پیدا ہوا، اس کے باوجود علماء دیوبند کے گرویدہ ہی نہیں؛ بلکہ ان سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے۔

اکابر دیوبند خصوصاً حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف کو حرز جاں بنائے رکھا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے آپ کی نسبت ومناسبت اور عقیدت ومحبت کے لیے ''مکتوبات نعمانی'' کا مطالعہ کافی ہے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بھی آپ کو محبت تھی، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کے عاشق تھے، استاذی حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی سے بھی قلبی تعلق تھا۔

برصغیر ہندوپاک کے علاوہ سعودی عرب کے مشاہیر علماء سے روابط کا اندازہ قارئین کو خود ہوجائے گا کہ نواب صاحب مرحوم کی شخصیت کتنی ہمہ گیر تھی، ہر طبقہ کے علماء، صحافی، ادباء اور دانشوروں سے مراسلت تھی۔

جب ''مکتوبات نعمانی'' شائع ہوچکی، تو نواب صاحب نے مشاہیر کے مکتوبات کو مرتب کرنے کی ذمہ داری اس خاکسار کے سپرد کی، جس کا یہ حقیر مستحق تو کیا اہل بھی نہ تھا، اس عاجز نے ان کے حکم کو بسروچشم قبول کیا، اس مجموعہ مکتوبات کی ترتیب ہو ہی رہی تھی کہ نواب صاحب کے لیے پیام اجل آگیا۔ ۲۴/ اپریل کی شب میں تہجد کے لیے اٹھے تھے، وضو کیا تھا کہ قلبی دورہ پڑا، ڈاکٹروں نے میرٹھ لے جانے کا مشورہ دیا؛ لیکن تواضع، متانت، مکارم اخلاق اور شرافت کا پیکر مجسم ہاسپٹل کے راستہ میں ہی ۷/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۴/ اپریل ۱۹۹۹ء بروز ہفتہ اپنے رب حقیقی سے جاملا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ!

آپ کے پس ماندگان میں برادر خورد نواب مبارک علی خان، اہلیہ اور اولاد اناث کے علاوہ صرف ایک صاحبزادہ غفران الٰہی عرف نجم خاں صاحب اور ان کے بچے ہیں۔

نواب صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۳ء میں حسن پور میں ہوئی، اس زمانہ میں جمعیۃ علماء صوبہ یوپی کا اجلاس ہونا حسن پور میں طے ہوا تھا، اس میں شرکت کے لیے حضرت مولانا فریدیؒ کے ہمراہ میرا بھی جانا ہوا تھا، اجلاس کے دوسرے دن نواب صاحب

نے اپنے دولت کدہ پر عصرانہ کا اہتمام کیا تھا، ضیافت کے لیے انواع واقسام کے آموں کا انتظام تھا، جس کی فرحتیں ابھی تک تازہ ہیں، اس میں مولانا ارشد مدنی واسجد مدنی کے ہمراہ اجلاس کے باقی شرکاء نے بھی شرکت کی۔ (مکتوبات مشاہیر، ص:۶۳، ۶۴)

○❖○

مکتوبات جناب مولوی عزیز الٰہی خان صاحبؒ بنام مولانا محبّ الحق

محبّ علماء جناب عزیز الٰہی خان صاحب اور حضرت مولانا محبّ الحق کے درمیان خط وکتابت کا طویل سلسلہ جاری رہا؛ بالخصوص ''مکتوبات نعمانی'' اور ''مکتوبات مشاہیر'' کی تالیف کے دوران بہت سے علمی، معلوماتی اور تاریخی مواد پر مشتمل خطوط کا تبادلہ رہا، جملہ خطوط کی تعداد سو (۱۰۰) سے متجاوز ہے، ان میں سے چند خطوط ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)

بسم اللہ

آخون منزل، حسن پور ضلع مرادآباد ۲۶/۲/۱۴۱۱ھ

محبّ عزیز جناب مولانا محبّ الحق صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا ہے کہ آپ بخیر ہوں؟

آپ کی دو عدد کتب کی قیمت بندہ کے ذمہ واجب الاداء ہے، جس کا منی آرڈر کرنے کا خیال ہوتا ہے، کبھی سوچتا ہوں کہ مرادآباد آمد ورفت کے دوران آپ کو دست بدست پیش کردوں؟

امید ہے کہ آپ نے حضرت مولانا نعمانی صاحب مدظلہ کے مکتوبات پر نظر ڈالنے کا کام مکمل کرلیا ہوگا۔ اگر اس سلسلہ میں گفتگو کی ضرورت آپ محسوس کر رہے ہوں تو یہ بھی ایک داعیہ امروہہ حاضری کا بن سکتا ہے۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ وہ دوبارہ لندن واپس گئے۔

ایک ضروری بات یہ کہ بابری مسجد کی مظلومیت کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید حسین صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا جو تاثر تھا، وہ ایک واقعے کے طور پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہ نے بندہ کو ۱۹۵۳ء میں ایک بار دوران گفتگو سنایا تھا، وہ واقعہ بندہ نے ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی کے اڈیٹر کو بھی لکھ بھیجا تھا، یہاں کہیں الجمعیۃ آتا نہیں، اگر کبھی آپ کی نظر سے گزرے تو آپ بندہ کو فی الفور مطلع کرنے کی زحمت فرمائیں۔ والسلام۔

بندہ عاجز: عزیز الٰہی عفی عنہ

○❖○

(۲)

بسم اللہ

حسن پور، ۲۸/ جمادی اولی ۱۴۱۱ھ

محترم ومکرم محبّ الحق صاحب زید مجدکم

بعد سلام مسنون، گزارش کہ عنایت نامہ باعث مسرت ہوا:

۱) شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے مراد والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ ہیں، بندہ عامی کو غایت شفقت کی بناء پر حضرت مولانا صاحب مندرجات الفرقان سے باخبر کرتے تھے۔

۲) محمد یونس سلیم صاحب ساکن حیدرآباد دکن نظام میر عثمان علی خاں کے دور حکمرانی میں سرکاری وکیل تھے بعد سقوط ریاست، ملّی امور میں لگ گئے، ۶۱ء کا ملّی کنونشن جو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی مساعی سے ہوا تھا، اس کے روح رواں تھے، ملی اتحاد کے داعی رہے، پھر الیکشن میں علی گڑھ سے ہار گئے، بعد ۵ سال تیسرے الیکشن میں کامیابی کے بعد نایب وزیر قانون مرکزی رہے، چوتھے میں پھر ہارے، جنتا پارٹی میں شامل ہوئے،

بریلی سے الیکشن لڑا؛ مگر شکست ہوئی، مدت دراز کی یہاں سے جلا وطنی کے بعد گورنر بنائے گئے ہیں۔ علماء اور صلحا سے ہمیشہ تعلق قایم رکھا۔ علاوہ دینی کے مزاج مصالحتی و مصلحتی ہے۔

۳) بندہ ہی نے حضرت مولانا نعمانی صاحب مدظلہ سے عرض کیا تھا کہ ترجمان حقیقت حضرت امام مجدد تھانویؒ کے نوادرات الفرقان میں شائع ہوں تو مناسب ہو، حضرت مولانا مدظلہ نے بندہ کی گزارش کو لائق اعتناء قرار دیا۔

۴) ڈاکٹر سید محمود صاحب کانگریس کے چوٹی کے رہنماؤں میں سے مولانا آزاد، ڈاکٹر انصاری، عبد الغفار خاں وغیرہم کے ہم پلہ سچے پکے، کھرے، حق گو مرد مجاہد تھے۔ نہرو نے جو، ان کے ولایت کے ساتھیوں یعنی لندن میں ہم سبق تھے، اپنا وزیر خارجہ امور بنایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے جد امجد نے حضرت سید احمد شہیدؒ کا تن من دھن سے ساتھ دیا تھا، علیگ تھے، حضرت مولانا نعمانی اور مولانا علی میاں کے بہت قریب تھے، اخیر میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ سے بیعت ہوئے تھے، اس بات کا مفصل تذکرہ شاہ وصی اللہ صاحب کی سوانح میں مولانا قمر الزماں صاحب نے کیا ہے، ڈاکٹر صاحب مرحوم مسلم مجلس مشاورت کے بانی وصدر تھے، مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی اور کنونشن کے بھی صدر تھے، اخیر اخیر میں کانگریس سے بیزار تھے اور حضرت مولانا ابو اللیث صاحب، علی میاں، حضرت نعمانی صاحب مدظلہ کے ساتھ ملک بھر کا دورہ مشاورت کے مشن کے لیے کیا تھا، باقی آئندہ۔ آپ کی تشریف آوری باعث مسرت ہوگی ان شاءاللہ۔

بندہ عاجز: عزیز الٰہی عفی عنہ

(۳)

بسم اللہ

حسن پور، شنبہ ۴/۱۲/۱۴۱۲ھ

محبّ مکرم ومحترم مولانا محبّ الحق صاحب!

بعد سلام مسنون، عنایت نامہ بقلم حضرت حکیم صاحب موصول ہوا، فون پر حضرت مولانا نعمانی مدظلہ پر فالج کا اثر ہونے کی اطلاع پر ۳۱/ مارچ کو بندہ عیادت کے لیے لکھنؤ گیا اور ۷/ اپریل کی صبح واپس ہوا۔ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ چند گھنٹے کے اندر ہی فالج کا اثر زایل ہونا شروع ہو گیا تھا اور نرسنگ ہوم میں داخل تھے؛ مگر حلق متاثر زیادہ تھا؛ اس لیے غذا نہ ہونے کی وجہ سے ضعف وکمزوری بہت زیادہ تھی، پرسوں، ترسوں فون کے ذریعہ مولانا عتیق صاحب سے معلوم ہوا کہ کم وبیش وہی کیفیت چل رہی ہے، مولوی محمد ارشاد صاحب کی روانگی کے بعد فالج کا اثر ہوا تھا اور پہلی تاریخ تک شاید ان کو اس کی خبر بھی نہیں تھی۔

بندہ کو حضرت مولانا کی طرف سے فکر وتشویش ہے۔ مولانا علی میاں سے بہت مختصر ملاقات ہوئی تھی، تقریباً سارا وقت مولانا کے پاس یا ان کے مکان پر گزرا۔ حکیم صاحب موجود ہوں تو ان کو سلام عرض ہے۔ امید کہ آپ کا سفر نینی تال با مقصد رہا ہو؟

جی ہاں نئے دور کا تبصرہ اچھا خاصا اوٹ پٹانگ قسم کا ہے، بہر کیف اس حلقہ میں کتاب کا تعارف تو ہو ہی گیا ہوگا۔ دعا ہے کہ آپ کے اہل خانہ خیریت سے ہوں۔ والسلام!

بندہ عاجز وفانی: عزیز الٰہی عفی عنہ

۱۲/۴/۹۷ء

(۴)

بسم اللہ

حسن پور، ۷/۱۲/۱۴۱۲ھ

مکرم ومحترم جناب مولانا محبّ الحق صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ باعث مسرت وشرمندگی بہ ایں معنی ہوا کہ بندہ ناچیز آپ کے حسن ظن کا بالکل مستحق نہیں ہے، بس اللہ ہی بداعمالیوں کی پردہ پوشی فرمائے ہوئے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کے یہاں آمد کے باوجود اپنی کوتاہی کی وجہ سے آپ سے ملاقات نہ کرسکا، صحت کی کمزوری، نفس امارہ کے لیے حیلہ بہانہ بن گئی ہے۔ جملہ کتب جن کا آپ نے ذکر کیا ہے موصول ہوگئی ہیں، مطلوبہ رسائل ان شاء اللہ قاری وکیل الرحمان کی معرفت روانہ کرنے کی کوشش کروں گا، غریب خانہ آپ کا گھر ہے آپ کی تشریف آوری سر آنکھوں پر، آپ کے لیے کیسی ''اجازت'' یہ لفظ پڑھ کر شرمندہ ہوا، جب مزاج چاہے ضرور تکلیف فرمائیں۔ والسلام

بندہ عاجز وفانی: عزیز الٰہی عفی اللہ عنہ (۹/۶/۱۹۹۲ء)

❍❖❍

(۵)

بسم اللہ

حسن پور، سہ شنبہ ۱۴/۳/۱۴۱۴ھ

مکرم ومحترم محبّ الحق صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ سے خیریت اور یہ معلوم ہوکر خوشی ہوئی کہ کتاب ''معاصرین'' آپ کو پسند آئی۔ حضرت مولانا دریابادی علیہ الرحمۃ کے

لیے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب فرمائیں، علاوہ حکیم الامت کتاب کے جو بندہ نے تلاش کر لی ہے، آپ تفسیر ماجدی کا بالاستیعاب مطالعہ فرمائیں، ان شاء اللہ آپ کو علاوہ دیگر لطافتوں کے باطنی وعلمی انشراح بھی حاصل ہوگا۔ وہ اپنے منفرد اسلوب کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔ کتاب مذکورہ کے علاوہ کچھ رقم بھی معتبر صاحب کی معرفت آپ کو روانہ کروں گا، اگر کوئی صاحب حسن پور آنے والے ہوں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ بندہ کے پاس زحمت فرمالیں؟ فقط احقر العباد: عزیز الٰہی عفی عنہ

❍❖❍

(٦)

بسم اللہ

حسن پور، سہ شنبہ ۱۷/ جمادی دوم ۱۴۱۴ھ

مکرمی ومحترمی جناب مولانا محبّ الحق صاحب زید مجدکم

بعد سلام مسنون دعا کہ آپ نے بخیر وعافیت وطن پہنچ کر اپنے متعلقین و اہل خانہ کو خیریت سے پایا ہو اور سفر سہولت وآرام سے طے ہوا ہو۔

لکھنو میں حضرت مولانا نعمانی صاحب مدظلہ یا مولوی سجاد میاں سے خطوط کی طباعت کا موضوع زیر گفتگو نہیں آیا تھا؟ مولانا موصوف کی خیریت اور تاثرات سے بندہ کو واقف کرائیں۔ حکیم عطاء الرحمٰن صاحب نے خمیرہ جات کے سلسلہ میں کیا فرمایا تھا؟ اغلباً آپ کی واپسی پر ہی تیار یا حاصل ہوسکیں گی؟

اپنے ہاں جملہ خورد وکلاں کو دعا سلام پہنچائیں اور بندہ کی طبیعت پر تکدر اور انقباض کا غلبہ رہتا ہے؛ اس لیے اصلاحِ حال کے لیے بندہ کی دعا بھی فرمائیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ احقر عزیز الٰہی

❍❖❍

(۷)

حسن پور، چہار شنبہ ۲۲/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ بسم اللہ

مکرم ومحترم مولانا محبّ الحق صاحب زید مجدکم!

بعد سلام مسنون اطلاع کہ آپ کے مراسلہ کے مطابق تفسیر ماجدی کی دوسری جلد (دوسرے ایڈیشن کی) اور سفر نامہ حج حضرت مولانا دریابادی علیہ الرحمۃ ہی کا اور چند خطوط کی فوٹو نقل کا پیاں از حضرت مولانا مذکور اور حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی علیہ الرحمۃ بدست قاری وکیل احمد صاحب ارسال ہیں۔ حکیم الامت کتاب بعد تلاش الگ رکھی تھی؛ مگر دوران صفائی کمرہ سامان کی الٹ پلٹ میں پھر وہ کہیں غائب ہوگئی ہے، ان شاء اللہ بعد دستیابی روانہ کروں گا۔ فی الحال تفسیر اور سفر نامہ سے لطف اندوز ہوں؟ خطوط پر نظر ڈال کر فرمائیں کہ کیا وہ کسی دیگر شخص کے لیے باعث دل چسپی یا ترغیب نیکی ہوسکتے ہیں؟ فی الحال ضروری ذہنی وجسمانی مصروفیات کے پیش نظر لکھنو کا سفر نہیں کرسکتا۔ حضرت مولانا نعمانی مدظلہ اور مدیر الفرقان کو چند خطوط لکھے؛ مگر سب لا جواب ہی رہے۔ بندہ کے لیے دعا فرمائیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پس نوشت: حسب فرمائش ستمبر کا معارف، یادگار شیخ کے تین کے شمارہ اور اپنی جانب سے سہ روزہ دعوت کا تازہ ترین شمارہ بھی ہم دست ہے۔

احقر العباد: عزیز الٰہی کان اللہ لہ

(۸)

حسن پور، پنجشنبہ ۲۸/۱۲/۱۴۱۴ھ بسم اللہ

مکرم ومحترم جناب مولانا محبّ الحق صاحب زید مجدکم

بعد سلام مسنون، بندہ آپ کی اور اہل خانہ کہ خیریت معلوم کرتا ہے،

یہاں ایک صاحب محمد ریاض الدین کی زبانی دوڈھائی ہفتہ (پہلے) آپ کی خیریت معلوم ہوئی تھی، چند یوم قبل مولانا اخلاق حسین قاسمی نے آپ سے ملاقات کی بابت لکھا تھا، حضرت امام مجدد تھانوی علیہ الرحمۃ کی مطلوبہ کتاب موسوم ''التقصیر فی التفسیر'' بندہ کے پاس نہ ہونے کی بابت مولانا موصوف کو مطلع کردیا ہے، امروہہ حاضری کے لیے دل چاہتا ہے؛ مگر موسم کی شدت وحدت مانع ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

احقر العباد: عزیز الٰہی عفی عنہ

۹/۷/۱۹۹۴ء

○❖○

(۹)

بسم اللہ

حسن پور، ۲۸/صفر ۱۴۱۶ھ

مکرم ومحترم جناب مولانا محبّ الحق صاحب زیدمجدکم

بعد سلام مسنون، آپ کی بچی اور اہلیہ محترمہ کی بندہ مزاج پرسی کرتے ہوئے موجودہ کیفیت معلوم کرتا ہے؟ اللہ تعالی صحت وعافیت عطا فرمائیں۔ کل سہ پہر ساڑھے تین پر اچانک حضرت مولانا نعمانی مدظلہ امروہہ ہوتے ہوئے غریب خانہ تشریف لائے، بے حد مسرت ہوئی، مغرب کے قریب واپس سنبھل مراجعت فرمائی، ۲۹/ جولائی کی صبح لکھنو جانے کا نظام ہے۔ وہاں سے جو گاڑی موصوف کو لینے سنبھل آئی ہوئی ہے، اس میں ہی امروہہ، حسن پور کا سفر فرمایا، الحمد للہ ثم الحمد للہ طبیعت بشاش ہے، یہاں چند گھنٹے کے دوران قیام رہا، جی چاہا کہ اپنی اس خوشی کا اظہار؛ بلکہ آپ کو شامل کروں، نہ معلوم دلی سے منشی جی کے صاحبزادہ کا جواب کس وجہ سے نہیں آیا۔ حکیم عطاء الرحمٰن صاحب اور مولوی معراج

النبی خان صاحب کو سلام پہنچائیں، صاحبزادگان کو بہت بہت دعائیں۔والسلام! بندہ عزیز الٰہی

○❖○

(۱۰)

حسن پور، شنبہ ۲۸/شوال ۱۴۱۷ھ بسم اللہ

محبّ گرامی جناب مولانا محبّ الحق صاحب زادت حسناتکم!

بعد سلام مسنون اظہارِ رنج وکلمات تعزیت کہ آپ کے خسر محمد عباس صاحب اس دار فانی سے رحلت فرماگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون! دل سے دعا ہے کہ اللہ پاک مرحوم کو اپنی رحمت ومغفرت اور صفت عفوودرگزر سے نوازیں۔آپ کی اہلیہ کا خبر پردیس میں سن کر نہ معلوم کیا حال ہوا ہوگا؟ خداوند کریم ان کو اور دیگر پسماندگان کو صبر وسکون عطا فرمائیں۔

بیٹی کے فی الوقت گھر پر نہ ہونے سے جو قلبی اور ذہنی ناآسودگی آپ محسوس کررہے ہیں ان شاء اللہ کلمہ طیبہ اور درود شریف کے ورد سے، نیز حضرت امام مجدد تھانویؒ کی کسی کتاب کے مطالعے سے شفا ہوجائے گی۔آپ کا مراسلہ پڑھ کر دیر تک اس نااہل، سیاہ کار کے دل پر اثر رہا، اگر سفر کا تحمل ہوسکتا تو آپ کے پاس ضرور پہنچتا، ان شاء اللہ ایصال ثواب کی سعادت حاصل کروں گا۔والسلام! بندہ عاجز وفانی: عزیز الٰہی عفی عنہ

○❖○

(۱۱)

حسن پور، شنبہ ۲۳/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ بسم اللہ

محبّ مکرم مولانا محبّ الحق صاحب زید مجدکم!

بعد سلام مسنون اظہار افسوس وندامت کہ مخدومنا حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جسمانی وذہنی وموسمی موانع

کی وجہ سے آپ کے پاس نہ پہنچ سکا۔ حسن پور میں ۴/ مئی کو S.T.D کا نظام معطل تھا؛ اس لیے مولانا عتیق صاحب وغیرہ کی کوشش کے باوجود بندہ کو خبر وفات نہیں معلوم ہوئی، ۱۱ بجے بی بی سی نے بھی بتایا دیا تھا؛ مگر بندہ کو صبح کے وقت امراجالا پڑھنے کے بعد چند احباب نے مطلع کیا، اسی وقت روانہ ہوگیا اور ۷/ مئی کو واپسی ہوئی۔

حضرت مولانا نعمانیؒ کی وفات سے ایک خلا واقع ہوا ہے، وہ فی الوقت علماء کی عزت، وقار اور آبرو تھے۔ پس ناچیز آپ کو تعزیت مسنونہ کے الفاظ لکھتا ہے۔ امکان ہے کہ کسی دن جب طبیعت اعتدال پر ہو، آپ کے ہاں حاضری ہوگی یا آپ کسی دن صبح کے وقت تشریف لائیں۔ آپ سے دعا کی بھی گزارش ہے۔ دعا ہے کہ آپ اور اہل خانہ بخیر وعافیت ہوں۔ والسلام!

العبد الضعیف: عزیز الٰہی عفی عنہ

❑❑❑

(۵) حضرت مولانا زین العابدین معروفیؒ

سابق صدر شعبہ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور

محدث کبیر حضرت مولانا زین العابدین رحمہ اللہ نے والد صاحب کی کئی کتابوں پر تقریظ اور تبصرہ فرمایا ہے، بڑے وقیع کلمات لکھے ہیں، دونوں بزرگوں کے درمیان خوش گوار علمی رابطہ قائم تھا، ذیل میں مکتوبات مشاہیر اور ماہنامہ ندائے شاہی کے حوالے سے آپ کی سوانحی معلومات پیش کی جاتی ہیں:

مولانا زین العابدینؒ کی ولادت ۲۹/ جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۱/ نومبر ۱۹۳۲ء میں پورہ شیخ معروف ضلع مئو میں ہوئی، جو کہ باکمال علماء وصلحا کا مولد ومسکن ہے اور

جسے حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید مولانا محمد طاہر معروفی کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

آپ نے حافظ عبدالقادر صاحبؒ سے قرآن کریم پڑھنے کے بعد ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، پھر پرائمری میں داخلہ لیا، اس کے بعد مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں ابتداء سے شرح وقایہ تک تعلیم حاصل کی پھر احیاء العلوم مبارک پور میں ہدایہ اولین تک پڑھا، بعدہ بقیہ علوم کی تحصیل و تکمیل کے لیے ازہر ہندوستان دارالعلوم دیوبند میں (۱۳۶۸ھ میں) داخلہ لیا، دورہ حدیث کی (۱۳۷۲ھ میں) تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی، شیخ المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا سید فخر الحسن مرادآبادیؒ، حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد جلیلؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خاںؒ، حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندیؒ اور حضرت مولانا نصیر احمد خاںؒ آپ کے اساتذہ ہیں۔

فراغت کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ خالص پور آسام، اکلہ خان پور، احیاء العلوم مبارک پور، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، دارالعلوم چھاپی، مظہر العلوم بنارس اور سبیل السلام حیدرآباد میں رہا، اب تا حال مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارن پور میں صدر شعبہ تخصص فی الحدیث ہیں۔ (۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء یعنی وفات تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے)

سب سے پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے، ان کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے، بعدہ حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ سے رجوع کیا؛ غالباً شیخ اعظمی سے اجازت بیعت حاصل ہے۔ (۱۴۰۶ھ میں جامع الہدیٰ مرادآباد کی مسجد میں اجازت وخلافت ملی۔ ندائے شاہی، جون ۲۰۱۳ء مضمون مولانا محمد صادق معروفی)

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی ذوق ہے اور آپ ایک کامیاب اور بلند پایہ مصنف ومؤلف ہیں، آپ نے مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی کتاب ''المرتضیٰ'' کا علمی احتساب کیا ہے، اب تک جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں، ان میں چند قابل

ذکر ہیں: مسنون قراءت، اسماء حسنی سے استفادہ، المرتضی کا علمی احتساب، توضیح اصول ورش عن نافع، توضیح احیاء المعانی (اردو)، دلائل الامور الستۃ (عربی) ان کے علاوہ غیر مطبوع: ترجمہ تذکرہ علماء ہند (اب طبع ہوچکی ہے) التعلیقات السنیۃ علی شرح العقائد النسفیۃ، (اب طبع ہوچکی ہے) عدد احادیث الترمذی، عدد مرویات الصحابہ وغیرہ اور امداد الباری شرح صحیح بخاری جلد ہشتم جاری ہے۔ اللہم زد فزد! (مکتوبات مشاہیر ص: ۶۰،۶۱)

دارالعلوم دیوبند کے نامور فاضل، برصغیر میں فن حدیث کے مستند اور معتبر محقق عالم دین، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے رئیس، نمونہ سلف حضرت مولانا زین العابدین صاحب محدث اعظمی نور اللہ مرقدہ مؤرخہ ۱۶/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸/ اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار کو وفات پا گئے۔

آپ متعدد عارضوں میں مبتلا تھے، جنہیں صبر وتحمل سے برداشت کر رہے تھے، بالآخر ۱۶/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ کو صبح کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا، عشاء کے بعد آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، ہزاروں علماء اور عوام وخواص کا مجمع تھا، جو آپ کی مقبولیت ومحبوبیت کی شہادت دے رہا تھا، پورہ معروف کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ
(ندائے شاہی، جون ۲۰۱۳ء مضمون مفتی محمد سلمان منصور پوری)

❍❖❍

مکتوباتِ معروفیؒ بنام مولانا محبّ الحقؒ

جناب مولانا محبّ الحق صاحب زادمجدہم

السلام علیکم!

''فیضان نسیم'' کے روح پرور جھونکوں سے محظوظ ہوا، مکتوبات نعمانی کے تبصرہ میں آپ کا جو تعارف کرایا تھا، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالی آپ کی عمر میں برکت دے اور اس قسم کی مزید قیمتی کتابوں کی تالیف کا حوصلہ عنایت فرمائے۔ لیکن کتابت وطباعت کی طرف مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ مفتی نسیم احمد فریدی علیہ الرحمۃ سے بالمشافہ ملاقات

۷۰ء کی مئی کی گرمی میں اجتماع امروہہ میں ہوئی تھی، ان کے اخلاق اور تواضع سے ہم لوگ بہت شرمندہ ہوئے تھے، پھر امروہہ کی جماعت لے کر بھوپال گیا تھا۔

اس کتاب میں ص: ۱۰۸ پر اہل بیت پر جو استدلال ہے، وہ میرے خیال میں تام نہیں ہے۔ اور ص: ۱۶۰ پر مولانا مرتضی صاحب کے سلسلہ میں سنہ کی غلطی بھی ہوگئی ہے۔ اہل علم، طالبان علم نبوی، سالکان راہ طریقت سب کے لیے یہ کتاب مفید ہے، اس میں ایک مناظرہ کی روداد بھی ص: ۲۰۰ پر ہے، اہل تاریخ کے لیے تو بہت ساری تاریخوں کا ماخذ بن سکتا ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے۔

اپنا حال زار اور مولانا طلحہ صاحب کا مطبوعہ تذکرہ دونوں بھیج رہا ہوں، اگر اس کی رسید سے مطلع فرمائیں تو گھر کے پتہ پر خط بھیجیں، جو حالات میں سب سے اوپر مرقوم ہے۔

طالب دعا: زین العابدین الاعظمی

شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارن پور

۲۱/ شعبان ۱۴۲۰ھ

❍❖❍

مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور

۲۹/ صفر ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۵/ فروری ۲۰۰۹ء

محترم المقام مولانا محبّ الحق صاحب زاد عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

میں چھٹی پر تھا، واپس مدرسہ پہنچا تو ۲۲/ فروری ۲۰۰۹ء کو مولوی محمد صاحب متعلم تخصص فی الادب نے آپ کا بیش بہا عطیہ ''مقالات فریدی جلد ۱''

پیش کیا، آپ کی عزت افزائی کا شکریہ، کتاب نہایت عمدہ، اعلی پیمانہ پر چھپی ہے، مولانا نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ کی روح خوش ہوگئی ہوگی، اللہ تعالی آپ کو مزید خدمتوں کی توفیق بخشے۔

ہر مقالہ کے ساتھ مقالہ نمبر اور مطبوعہ/ غیر مطبوعہ، محل طباعت: یعنی جس رسالہ میں پہلے چھپ چکا ہے، اس کا بھی ذکر آجاتا تو میرے خیال میں زیادہ اچھا ہوتا؛ اگرچہ اصل کتاب کی تمہید میں اس کا ذکر نا تمام موجود ہے، مقالہ کے ساتھ ساتھ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ میری رائے ہے، آپ کی رائے پر نقد نہیں کرتا۔ دیگر کار لائقہ سے درگزر نہ فرمائیں، شاہ ولی اللہؒ کی تاریخ وفات ''آزاد کی کہانی'' میں ۱۱۷۴ چھپ گئی ہے، صحیح ۱۱۷۶ ہے، جیسا کہ دوسری جگہ اسی کتاب میں ہے۔

دعا گو دعا جو

زین العابدین الاعظمی

❑❑❑

(۶) محقق عصر حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی دامت فیوضہم سے والد صاحب رحمہ اللہ کے گہرے علمی تعلقات تھے، خط و کتابت اور علمی تبادلہ خیال کا سلسلہ بھی تھا، مجھے یاد ہے کہ جب میں دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا تو ایک بار کاندھلہ ہوتے ہوئے والد صاحب دیوبند تشریف لائے تھے، اس سفر میں مفتی اسلم صاحب امروہی بھی رفیق سفر تھے، حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب اس تعلق کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا محبّ الحق صاحب کا مجھ ناچیز سے بھی بہت تعلق تھا، ہمیشہ خط و کتابت رہتی، علمی معاملات و مباحث کا تذکرہ ہوتا اور سال میں کم از کم دو مرتبہ، یہاں کاندھلہ آنے اور ایک دو شب ٹھہرنے کا بھی معمول تھا، کبھی

کبھی یہ قیام اور زیادہ بھی ہو جاتا تھا۔ کاندھلہ میں قیام کا تمام وقت تحقیق وتلاش، مطالعہ اور علمی مذاکرات میں بسر ہوتا تھا۔"

ذیل میں مولانا کاندھلوی کی سیرت وسوانح کے تعلق سے والد صاحبؒ کا تحریر کردہ مضمون پیش خدمت ہے:

قصبہ کاندھلہ جو علماء ومشائخ کا مردم خیز قریہ ہے جہاں مسلمانوں کی دینی نگرانی کے لیے مسلم حکمرانوں کی طرف سے علماء، قضات اور ائمہ کا تقرر ہوتا تھا، اسی قصبہ میں مولانا نورالحسن راشد کی ولادت باسعادت ۱۰/ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۰/ دسمبر ۱۹۵۰ء میں محلّہ مولویان کے شیوخ صدیقیان میں ہوئی، آپ کا سلسہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ سے متصل ہوتا ہے۔

آپ نے اپنے قصبہ کاندھلہ کے قدیم مدرسہ نصرۃ الاسلام میں حافظ عبدالعزیز صاحبؒ کاندھلوی سے قرآن کریم پڑھا، قرآن شریف ختم کرنے کے بعد اسی مدرسہ مذکور میں فارسی کی ابتدائی کتابوں سے شرح جامی اور کنز الدقائق تک پڑھیں، جب مدرسہ نصرۃ الاسلام کا تعلیمی نظام درہم برہم ہو گیا تو ایک سال گھر پر رہ کر حضرت مولانا اظہارالحسنؒ سے اور اپنے والد ماجد مولانا افتخارالحسن صاحبؒ سے شرح جامی اور شرح وقایہ کے اسباق حاصل کیے، بقیہ علوم کی تکمیل کے لیے ۱۳۸۷ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا، مختصر المعانی سے دورہ حدیث تک تمام کتابیں یہاں پڑھیں۔

حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ، حضرت مولانا محمد عاقل سہارن پوریؒ، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ، مولانا محمد اللہؒ، حضرت مولانا وقار علی بجنوریؒ، مولانا مفتی محمد یحیٰ سہارن پوریؒ اور حضرت مولانا محمد یونس جون پوریؒ آپ کے اساتذہ ہیں، ۱۳۸۹ھ میں دورہ حدیث شریف کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی اور اسی دوران شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے مشارق الانوار کے خصوصی درس میں شرکت کی سعادت حال رہی۔

فراغت تعلیم کے بعد سے وطن میں قیام ہے، مطالعہ، تحقیق اور تصنیف وتالیف کا

مشغلہ ہے، اس سلسلہ میں علوم ولی اللہی وامدادیہ کے اکابر کے احوال وآثار خاص موضوع مطالعہ ہیں، آپ ایک کامیاب اور بلند پایہ مصنف ومؤلف ہیں اور تصنیف وتالیف کا اچھا ذوق ہے، آپ کی کچھ کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

تبرکات، معمولات رمضان، حضرت حاجی امداد اللہ کے اساتذہ، تذکرہ مولانا انعام الحسن ومولانا اظہار الحسن، ان کے علاوہ کافی تعداد میں مضامین ملک کے موقر ماہناموں میں شائع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔ اللّٰہم زد فزد! (مکتوبات مشاہیر، ص:۵۳،۵۴)

❍❖❍

مکتوباتِ کاندھلوی بنام مولانا محبّ الحقؒ

(۱)

کاندھلہ

محترم المقام جناب مولانا محبّ الحق صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا؟

الفرقان مولانا فریدیؒ نمبر میں آپ کے ماشاء اللہ نہایت عمدہ اور پر از معلومات مضمون کو پڑھ کر از حد مسرت ہوئی تھی اور امید؛ بلکہ یقین ہو گیا تھا کہ ان شاء اللہ آپ کے قلم سے حضرت مولانا کی مفصل اور قابل قدر سوانح حیات مرتب ہوگی، اس خیال اور مضمون کے متعلق اپنی ناچیز رائے کا اسی وقت ایک خط کے ذریعہ اظہار کیا تھا، متوقع تھا کہ آپ جواب اور رسید سے ممنون فرمائیں گے؛ مگر انتظار ہی رہا، اب مکرر لکھتا ہوں کہ مولانا پر آپ کی کاوش کس مرحلہ میں ہے، اس کی طباعت کا کیا منصوبہ اور ذریعہ ہے، اگر جناب نثار فاروقی صاحب توجہ کریں تو بہت سے ذرائع ہیں، یوپی اردو اکیڈمی اور فخر الدین علی احمد اکیڈمی لکھنؤ سے آپ خود بھی رجوع کر سکتے ہیں، جو بھی صورت ہو کیجیے، اللہ تعالی کامیاب فرمائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا کی جو کتابیں میرے پاس تھیں، ان میں سے دو کتابیں: تاریخ اجودھیا اور بیاض جانفزا گزشتہ مہینہ اکتوبر کے وسط میں ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی کے حوالہ کردی تھیں، میرا امروہہ آنا نہیں ہورہا تھا، ڈر تھا کہ انیس صاحب آپ سے مطالبہ یا تقاضہ نہ کرتے ہوں، اب ایک تو مجموعہ مکتوبات حضرت مولانا گنگوہیؒ باقی ہے اور ایک نہستی الکلام، پہلی کتاب کے لیے میں خود ڈاکٹر صاحب سے بات کرلوں گا، دوسری کے لیے آپ کیا فرماتے ہیں؟ قابل واپسی ہے یا مولانا مرحوم کے ایماء پر عمل کرلیا جائے، جیسے مشورہ ہوکرلیا جائے گا۔..............الخ

والسلام مع الاحترام

نورالحسن راشد (۲۰/۱۱/۱۹۸۹ء)

(۲)

محترم المقام جناب مولانا محبّ الحق صاحب

السلام علیکم

امید کہ مزاج بخیر ہوگا!

قدرت الٰہی کے کیسے کیسے مظاہر و اسباب ہیں، جب تک حکم الٰہی نہیں ہوتا، اس وقت تک لاکھ ارادہ کے باوجود کسی کام کے کرنے کی سبیل پیدا نہیں ہوتی اور جب ''حکم کن'' صادر ہوجاتا ہے، تو بلا ارادہ بھی خود بخود ذرائع پیدا ہوجاتے ہیں، یہی دیکھئے کئی مرتبہ سوچنے، ارادہ کرنے کے بعد بہت عرصہ بعد آپ کو چند روز گزرے ایک خط لکھا تھا، ابھی اس کی رسید بھی نہیں آئی کہ دوسرے خط کے لیے موقع پیدا ہوگیا ہے، زیر نظر تحریر کا محرک یہ ہے کہ مدرسہ جامع مسجد امروہہ کے ایک ملازم ....جو حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب رائے پوری سے بیعت ہیں، آٹھ دس

مہینہ یا کم وبیش عرصہ گزرا پاکستان گئے تھے، وہاں ایک عالم مولانا عبد الخالق صاحب ہارون آبادی نے قاضی محمد اعلی تھانوی کی ایک نادر وکم یاب کتاب ''احکام الاراضی'' کے دویا تین خطی نسخوں کے فوٹو اسٹیٹ مجھ ناچیز تک پہنچانے کے لیے دیے تھے۔ میں نے یہ عکس قاضی محمد اعلیؒ پر ایک مفصل مقالہ کی ترتیب کے دوران منگوائے تھے، اس وقت ان کی بے حد ضرورت رہی اور ویسے بھی ان کی علمی اہمیت اور ندرت کچھ کم نہیں ہے۔ خیال تھا کہ ان کی مدد سے مضمون کے بعض گوشے مزید واضح ہوں گے اور نئی معلومات کا دروازہ کھلے گا؛ مگر حافظ صاحب کی چابک دستی اور کرم فرمائی ملاحظہ ہو کہ موصوف نے اس قدر عرصہ گزرنے کے باوصف آج تک نہ مجھے اس کی اطلاع دی، نہ خط لکھا، عکس بھجوانے کا تذکرہ ہی کیا ہے! مولانا عبدالخالق صاحب نے اس سے پہلے ایک خط لکھا تھا کہ حامل تحریر کے ذریعہ عکس بھجوا رہا ہوں، وہ خط بھی مجھے بہت تاخیر سے ایک ڈیڑھ مہینہ کے بعد ملا تھا، میں نے خاصے انتظار کے بعد مولانا کو مرسلہ خط ملنے کی اطلاع دی، مولانا نے مجھے ایک اور خط کے ذریعہ حافظ .....صاحب کے پتہ کی اطلاع دی تھی؛ مگر وہ خط راستہ میں کہیں ضائع ہوگیا، مجھے نہیں ملا۔ اب پرسوں نرسوں مولانا موصوف کا ایک خط اور آیا ہے جس میں حافظ ....صاحب مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کا پتہ درج ہے، میری حافظ صاحب سے کچھ واقفیت نہیں اس لیے اصلاً آپ کو تکلیف دے رہا ہوں کہ ان سے وہ عکس وصول کر کے میری ان کتابوں کے ساتھ ارسال فرمایئے جن کے متعلق گزشتہ خط میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ والسلام مع الاحترام!

نوارالحسن راشد (۸۹/۱۱/۲۷ء)

❍❖❍

(۳)

محترمی مکرمی جناب مولانا محبّ الحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا؟

ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک صاحب جو میرٹھ سے آئے تھے، ایک پیکٹ لائے، جس میں میری وہ دونوں قلمی کتابیں تھیں، جن کی واپسی کے لیے بہت دن سے گزارش کرر ہا تھا، بے حد مسرت ہوئی، آپ کا انتہائی ممنون ہوں کہ آپ نے میری ضرورت ودرخواست پر توجہ کرکے اس کی واپسی کا انتظام کیا، جزاکم اللہ تعالیٰ، بقیہ کتابوں کا کچھ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کب تک واپس ہوں گی؟ یہ سطور صرف وصولیابی کی اطلاع اور شکریہ کے لیے ارسال ہیں، والاجر علی اللہ! پھلاودہ کے ذخیرہ کا کیا ہوا؟

والسلام مع الاحترام

نورالحسن راشد

۱۳/فروری ۱۹۹۰ء

(۴)

۵/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

محترم مکرم جناب مولانا زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقریباً ایک مہینہ پہلے گرامی نامہ صادر ہوا تھا، جس میں آں محترم نے ’’احوال وآثار‘‘ کے شمارے اور تذکرہ مولانا احتشام الحسن طلب فرمایا تھا، اب رسالہ کا دوسرا شمارہ شائع ہوکر آیا ہے، اس کی اشاعت میں کچھ دیر ہوگئی، اسی انتظار میں کتاب بھیجنے میں تاخیر ہوئی، اس عریضہ کے ہمراہ دونوں شمارے اور تذکرہ مولانا احتشام الحسن صاحب کا ذاتی نسخہ ارسال ہے، یہ نسخہ استفادہ کے بعد رجسٹری ڈاک سے واپس کردیں اور کوئی بات

لائق تحریر نہیں ہے۔

البتہ اس سے پہلے عریضہ میں جو کچھ لکھ چکا ہوں، اس کی پھر یاد دہانی ضروری سمجھتا ہوں کہ جناب عزیز الٰہی صاحب کے نام مشاہیر کے جو مکتوبات آں محترم مرتب اور شائع کرا رہے ہیں، مہربانی فرما کر میرے خطوط اس میں بالکل نہ شائع کریں، اس اہم کام کو ادھر ادھر کی خرافات اور فضول باتوں سے بے وقعت بنانا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، یوں بھی ہر وہ آدمی جس کے ایک دو مضامین چھپ گئے ہوں، کچھ تھوڑا بہت لکھ لیتا ہے، اس کو علماء کے زمرہ میں شامل کرنا اس کے ساتھ تو زیادتی ہے ہی، علماء کرام کی توہین کے بھی مرادف ہے، یہ ضرور لکھئے کہ امروہہ اور اس کے نواح میں رسالہ کی خریداری اور تعارف کے لیے کیا کیا جائے اور کن لوگوں سے رابطہ مفید ہوگا۔ امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

نور الحسن راشد (۱۹۹۴/۱۲/۹ء)

○❖○

(۵)

محترمی مکرمی السلام علیکم

میری طبیعت کا حال کیا ہے، کیا بتاؤں، نہ کچھ زیادہ بہتر ہے، نہ کم تر ہے، صحیح یہ ہے کہ جوں کا توں ہے اور یہ بھی کیا کم ہے کہ مرض میں اضافہ نہیں ہوا، کل شام حکیم صاحب کی دوا ختم ہوگئی، ارادہ ہے موصوف کو خط لکھوں؛ مگر صرف خط سے کیا ہوگا، اس لیے خود بھی آنے کا خیال ہے؛ مگر ابھی طے نہیں۔ آپ نے موضح قرآن کی آیت سے ترجمہ لکھنے کے لیے کہا تھا، وہ اس طرح ہے: ''پس دھوؤ تم موُںھوں اپنے کو اور ہاتھوں اپنے کو کہنیوں تک اور مسح کرو تم سروں اپنے کو اور دھوؤ تم پاؤں اپنے کو ٹخنوں تک۔''

(بحوالہ موضح قرآن، مکتوبہ ۱۲۲۴ھ، جلد دوم)

طبیعت سخت کمزور اور بے ہمتی ہو رہی ہے، لکھنا پڑھنا؛ بلکہ بیٹھنا بھی بعض اوقات سخت مشکل ہوتا ہے؛ اس لیے اسی پر ختم کرتا ہوں۔ دعا میں یاد رکھیے، اگر ملاقات ہو تو حکیم صاحب سے سلام مسنون۔

والسلام مع الاحترام!

نور الحسن راشد (۶/۹/۱۴۰۹ھ)

○❖○

(۶)

نور الحسن راشد کاندھلہ — شنبہ ۲/۳/۱۴۱۳ھ

محترم المقام جناب مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقریباً تیسرا ہفتہ ہے، شروع محرم الحرام میں ایک عرصے کے بعد آں محترم کی تحریر جوابی کارڈ کی صورت میں ملی تھی، میں نے اس سے پہلے وقفے وقفے سے دو تین خط لکھے؛ مگر رسید نہیں آئی تو میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی؛ مگر اب مجھ سے موجودہ رسید میں تاخیر ہوئی، اول تو ایک تحریری کام میں مشغول تھا، اس میں ایسا انہماک ہوا کہ اور تمام مصروفیات بلکہ ضروری مراسلت بھی معطل رہی، اب اس سے فراغت مل گئی ہے اور دیگر کاموں سے بھی عارضی طور پر نجات ہے؛ بہر حال یاد فرمائی کے لیے ممنون ہوں اور تاخیر جواب کے لیے معذرت خواہ۔

حضرت مولانا فریدیؒ کے خطوط بے شک سب محفوظ ہیں؛ لیکن اول تو ان کا نکالنا، تلاش کر کے مرتب کرنا، ایسا کام ہے کہ سر دست اس کا موقع نہیں مل رہا، دوسرے فی الحال تو نہیں بعد میں کسی وقت میرا خود ان کو مرتب کرنے کا ارادہ ہے، جس میں ان کے پس منظر اور متعلقہ اشارات کی وضاحت ہوگی، ممکن ہے کہ یہ سب باتیں کسی اور کو معلوم نہ ہوں؛ اس لیے

معذرت خواہ ہوں، امید کہ خیال نہیں فرمائیں گے۔ والسلام۔

❍❖❍

(۷)

کاندھلہ

مکرمی مولانا محبّ الحق صاحب زید فضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ملا، ممنون کیا، کئی دن سے آں محترم کا خیال آرہا تھا، میرا دو تین دن کے لیے امروہہ آنے کا ایک عرصہ سے خیال ہے؛ مگر پورا نہیں ہوتا، ان شاء اللہ رمضان المبارک کے بعد کسی وقت کوشش کروں گا۔

مولانا فریدی صاحبؒ پر ''مجموعۂ مضامین'' کا خیال مبارک ہے، اللہ تعالی جلد پورا کرائیں، میں ان شاء اللہ اس بزم میں شرکت کروں گا، الفرقان کے لیے مولانا فریدی صاحب پر کچھ لکھا تھا، وہ یونہی ناقص پڑا ہے، اب ان شاء اللہ مکمل کر کے بھیجوں گا، رمضان المبارک میں دعاؤں میں یاد رکھیں۔ والسلام

نور الحسن راشد (۲۰/۱۰/۱۴۲۵ھ)

❍❖❍

(۸)

کاندھلہ، ۱۳/ رجب

مکرمی محترمی مولانا محبّ الحق صاحب دام مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

عرض یہ ہے کہ مجھے آں محترم کی کتاب ''مکتوبات مشاہیر بنام آخون عزیز الٰہی مرحوم'' کے ایک نسخہ کی ضرورت ہے، بمہربانی سادہ ڈاک سے روانہ کر دیجیے، قیمت منی آرڈر سے بھیجدوں گا۔

دوسری ایک ضروری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ مولانا عبد الغنی صاحب پھلاودہؒ کے ذخیرہ میں سے مولانا فریدی مرحوم جو خطوط وغیرہ لائے تھے، ان کی تفصیل معلوم ہو تو لکھیں، اس میں حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت حاجی امداد اللہؒ، مولانا فیض الحسن سہارن پوری رحمہم اللہ کے بے شمار مکتوبات تھے، غالباً چالیس یا بیالیس خط حضرت نانوتویؒ کے تھے اور بھی حضرات کی تحریریں وغیرہ خاصی تعداد میں تھیں؛ مگر مولانا کے پوتے ڈاکٹر خالد صاحب کو جو سامان واپس ملا ہے، اس میں ایک بھی خط موجود نہیں؛ اس لیے تفصیل اور معلومات چاہتا ہوں، حضرت نانوتویؒ اور مولانا فیض الحسنؒ کے مکتوبات کا مولانا فریدیؒ نے کئی بار ذکر کیا اور خط میں مولانا عبد الغنی صاحبؒ نے ایک ایک مرتبہ لکھائے بھی تھے۔

نور الحسن راشد (۱/۱۰/۲۰۰۱ء)

○❖○

(۹)

کاندھلہ، یکم ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ

مکرمی جناب مولانا محبّ الحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ ملا، ممنون کیا۔ پروفیسر فاروقی صاحب کی وفات علمی دنیا کے لیے بڑا حادثہ ہے، غالباً اب ایسا فاضل اور صاحب نظر محقق کوئی اور موجود نہیں، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو اجر وصبر عطا فرمائے، افسوس کہ اب جو جا رہا ہے، وہ گویا اپنا ذوق فن اور جامعیت ساتھ لے کر جا رہا ہے، کوئی نظر نہیں آتا، جو ان کی جگہ لے سکے، نئی نسل کو ان علوم اور بزرگوں کی علمی میراث، ان کے طریقہ: بلکہ بعض جگہ تو دین اور عقیدہ سے بھی وابستگی نہیں رہی؛ مگر کیا کیا جائے، ہماری غفلت، بے عملی، کاہلی اور

اس نقصان کا احساس نہ ہونے کے برابر ہے، بہر حال دلی تعزیت قبول فرمائیں۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

امروہہ آنے اور وہاں کے اہل علم اور علمی ذخائر سے استفادہ کا بہت اشتیاق ہے؛ مگر موقع ہی نہیں آتا؛ تاہم ارادہ باقی ہے۔ امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

نور الحسن راشد (۴/۱۲/۱۴)

❑❑❑

(۷) مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارن پوری

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارن پوری دامت برکاتہم العالیہ اور والد صاحب رحمہ اللہ کے درمیان اچھے علمی روابط تھے، دونوں جانب سے علمی اسفار بھی ہوتے تھے، ابھی اخیر کے سالوں میں ایک بار مولانا والد صاحب کے پاس امروہہ تشریف لائے تھے، والد صاحب کے پاس قیام تھا، اپنی تمام تصنیفات وتالیفات والد صاحب کو عنایت فرمائیں، خط وکتابت کا سلسلہ بھی تھا، والد صاحب کے انتقال کے بعد کئی بار احقر سے بھی فون پر رابطہ ہوا، ہمیشہ بڑی محبت اور اپنائیت کے ساتھ پیش آئے، ذیل میں حضرت مولانا کے دو مکتوب پیش خدمت ہیں:

مکتوبات حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارن پوری بنام مولانا محب الحقؒ

باسمہ تعالی

مکرمی ومحترمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک عرصہ ہوا آپ کا گرامی نامہ بندہ کے نام آیا تھا، جس میں آپ نے تبصرہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے احقر کی کتاب علمائے مظاہر علوم سہارن پور طلب کی تھی، گرامی نامہ کا جواب لکھنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی، جس کی احقر معذرت چاہتا ہے، کتاب علمائے مظاہر علوم آپ کی خدمت میں

ہدیہ کے طور پر بھیج دی جائے گی؛ لیکن ڈاک سے بھیجنا تو احقر کے لیے مشکل ہوگا، یہاں مدرسہ مظاہر علوم میں آپ کا کوئی واقف طالب علم اگر موجود ہو تو اس کو آپ لکھ دیں کہ وہ مجھ سے یہ کتاب لے کر آپ تک پہنچادے۔ فقط والسلام!

بندہ محمد شاہد غفرلہ (۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ)

❍❖❍

محبّ مکرم مولانا محبّ الحق صاحب

بعد سلام مسنون، امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، گرامی نامہ اور اس کے ساتھ ''مکتوبات مشاہیر'' کا ایک نسخہ پہونچا، بہت ہی جی خوش ہوا، اللہ تعالی آپ کی عملی، تصنیفی اور تعلیمی صلاحیتوں میں مزید برکت عطا فرمائے، کتاب کے شروع میں جو حالات آپ نے لکھے ہیں وہ بھی اپنے اندر اہمیت رکھتے ہیں اور یقیناً آپ نے ان مختلف اور متنوع علماء کے حالات لکھنے میں بہت کچھ مطالعہ کیا ہوگا، اللہ تعالی برکت عطا فرمائے۔

کتاب میں ایک خامی محسوس ہوئی، ہوسکتا ہے کہ آپ کی نگاہ میں بھی ہو، وہ یہ کہ اس میں مشاہیر کے خطوط تو ہیں؛ لیکن امام المشاہیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا کوئی مکتوب گرامی نہیں ہے، جب کہ نواب صاحب مرحوم کی خط وکتابت حضرت شیخ سے بھی رہتی تھی۔ آپ نے مآخذ ومراجع کی فہرست میں احقر کے نام کے ساتھ ''حسین'' بھی لکھا ہے، یہ یاد رہے کہ یہ مبارک نام اس احقر کے نام کا جزو نہیں ہے۔

فقط والسلام

محمد شاہد غفرلہ

۲۶/ شعبان ۱۴۲۱ھ

❑❑❑

(۸) پروفیسر خلیق احمد نظامی

پروفیسر خلیق احمد نظامی امروہوی مرحوم۔ آپ حضرت مولانا فریدی امروہیؒ کے ہمشیرہ زادے (بھانجے) تھے۔ آپ دونوں کا سلسلہ نسب حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے واسطے سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ سے متصل ہوتا ہے۔ نظامی صاحب کے دادا مولوی ارشاد علی فاروقی اور حضرت مولانا فریدیؒ کے دادا ڈپٹی بشیر احمد فاروقی دونوں حقیقی بھائی تھے۔ نظامی صاحب کا مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں تاریخ کے استاد کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ترقی کرتے ہوئے پہلے پرو وائس چانسلر پھر وائس چانسلر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بعدہٗ حکومت ہند کی طرف سے شام کے سفیر رہے۔ ہندوستان کے صوفیا پر گہری نظر تھی۔ ''تاریخ مشائخ چشت'' ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' ''سلاطین دہلی کے مذہبی رجحان'' ''مآثر مولانا ابوالکلام آزاد'' ''شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات'' اور ''ڈاکٹر ذاکر حسین اور نگاہِ فقر'' وغیرہ نظامی صاحب کی تصنیفات میں سے ہیں۔ ۵/دسمبر ۱۹۹۷ء میں انتقال ہوا۔ علیگڑھ میں دفن ہوئے۔ (حیات فریدی، ص:۳۱، ح:۳)

مکتوب جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی

۹/ستمبر ۱۹۸۹ء ۷۸۶

محبّ مکرم! سلام مسنون!

میں انگلستان گیا ہوا تھا۔ گزشتہ ہفتہ واپس آیا ہوں۔ کرم نامہ ملا۔ میں نے آپ کا مضمون انگلستان ہی میں پڑھ لیا تھا۔ مولانا علی میاں صاحب ''الفرقان نمبر'' میرے لیے وہاں از راہ کرم لے آئے تھے، آپ کا مضمون مجھے بہت پسند آیا۔ اللہ کے نیک بندوں سے تعلق سعادت کا باعث ہے، آپ لوگوں نے جس طرح ماموں صاحب مرحوم کی خدمت کی ہے، اس کا اجر اللہ ہی عطا فرمائے گا۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص: خلیق احمد نظامی

❑❑❑

(۹) پروفیسر نثار احمد فاروقی

چوں کہ پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کے برادر زادے تھے، نیز تصوف اور تاریخ کے موضوع پر ان کی تحقیقی نگاہ تھی؛ اس لیے والد صاحب کے ان سے اچھے روابط تھے، والد صاحب کی ایک آدھ کتاب پر ان کی تقریظ بھی ہے؛ تصنیفی اور تالیفی امور میں مفید مشوروں سے نوازتے تھے؛ لیکن تعلقات کی مزید تفصیلات میرے علم میں نہیں ہیں۔ ذیل میں پروفیسر صاحب کا کچھ سوانحی خاکہ پیش خدمت ہے:

پروفیسر نثار احمد فاروقی بن تسلیم احمد فاروقی شہر امروہہ کی مایہ ناز علمی شخصیت میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ کی ولادت ۱۶/ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۹/ جون ۱۹۳۶ء کو امروہہ میں ہوئی، آپ نے ''فن التاریخ عند المسلمین فی العصر الاول'' کے موضوع پر دہلی یونیورسٹی سے پی. ایچ ڈی کی ڈگری ۱۹۷۷ء میں حاصل کی، اسی یونیورسٹی میں آپ پہلے شعبہ عربی میں ''پروفیسر'' کے عہدے پر فائز رہے، پھر صدر شعبہ عربی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ملک اور بیرون ملک کی مختلف جامعات میں آپ نے علمی لکچرز (محاضرے) دیے۔

عملی، تعلیمی، ادبی اور تصنیفی میدان میں زریں خدمات کی بناء پر کئی اہم اعزازات اور انعامات سے بھی نوازے گئے، جیسے صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ، عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ قطر، ابوالکلام آزاد ایوارڈ، نقوش ایوارڈ لاہور پاکستان وغیرہ۔

کئی درجن تصنیفات آپ کی یادگار ہیں، جیسے تذکرہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی، امداد المشتاق، مرقومات امدادیہ، نوادر امدادیہ، تاریخ طبری کے مآخذ کا تخلیقی اور تنقیدی مطالعہ، شفاء العلیل، شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکتوبات، قوام العقائد (فارسی، اردو) مقاصد العارفین، خواجہ حسن نظامی، فوائد الفواد، مکتوبات سید العلماء امروہہ اور دیوان غالب وغیرہ وغیرہ۔

۲۸/ نومبر ۲۰۰۴ء کو آپ اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے اور درگاہ

حضرت شاہ عبدالہادی امروہہ کے دائرے میں اپنی والدہ مرحومہ اور نانا حضرت شاہ سلیمان احمد صدیقی کے قریب آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ۔ (از: امداد الحق بختیار)

❑❑❑

(۱۰) حکیم صیانت اللہ صاحب امروہیؒ

مولوی حکیم صیانت اللہ صدیقی امروہہ کیا؛ بلکہ روہیل کھنڈ کے معروف اطباء میں سے تھے۔ آپ کے اجداد میں سے نواب رامپور کے طبیب خاص تھے۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ چلہ امروہہ کے مہتمم بھی رہے۔ آپ کا وصال یکم ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ موافق ۲۴ رمئی ۱۹۹۳ء میں ہوا۔ اس وقت آپ کے صاحبزادے حکیم شعیب اختر صدیقی اور شعیب اختر کے صاحبزادے صباحت اللہ صدیقی نہ صرف روہیل کھنڈ؛ بلکہ بیرون ہند میں مشہور ومعروف ہیں اور حکیم شعیب اختر فنونِ طب اور معالجہ میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دست شفا بھی عطا فرمائی ہے۔ (مقالات فریدی ۲/ ۱۹۵، حیات فریدی، ص: ۱۲۷)

حکیم صاحب مولانا محبّ الحقؒ کے بڑوں اور سرپرستوں میں تھے، آپ سے بہت محبت فرماتے۔ حکیم صاحب علماء نواز اور علم دوست تھے، بڑے بڑے اکابر سے ان کے روابط تھے، اپنے فن میں مہارت اور حذاقت کی بناء پر علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں علماء کرام بھی ان کی طرف رجوع فرماتے تھے، مفتی نسیم احمد فریدیؒ سے گہری عقیدت تھی۔

❑❑❑

(۱۱) مولانا اعجاز صاحب شیخوپوریؒ

حضرت مولانا اعجاز صاحبؒ وفات سے چند سال پہلے دارالعلوم حیدرآباد تشریف لائے، تو والد صاحب نے مجھے فون کے ذریعہ خبر دی اور ملاقات کا حکم دیا، چنانچہ ملاقات کے لیے حاضر ہوا، بہت خوش ہوئے، اس کے بعد اگر کسی مجلس میں حاضر نہ ہوتا تو حاضرین سے میرے بارے میں دریافت فرماتے اور طلب فرماتے، والد صاحب سے اچھے تعلقات تھے، والد صاحب کے انتقال کے بعد فون کے ذریعہ مجھ سے تعزیت کی، بڑے حوصلہ افزا، محبت بھرے اور تسلی بخش کلمات فرمائے۔ حضرت شیخوپوری کے انتقال کے بعد احقر نے ایک

تاثراتی مضمون تحریر کیا تھا، جو ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ میں بھی شائع ہوا تھا، اسی مضمون سے حضرت کے سوانحی نقوش یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں:

آپ کی ولادت باسعادت ۲۸؍ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ مطابق ۵؍فروری ۱۹۵۱ء بروز دوشنبہ کی شب میں ہوئی، دوڈھائی سال کی عمر تھی کہ والدہ کا مبارک سایہ سر سے اٹھ گیا، آپ کے والد ماجد جناب شعیب کوثرؔ صاحب نیک، دیندار، جماعت کے پابند تھے، شاعر تھے اور شاعری میں تخلص کوثر رکھتے تھے اور اپنے گاؤں ''بھیرہ'' میں ایک بزم'' انجمن رشیدیہ'' کے نام سے قائم کی تھی، جس میں گاہ بگاہ مشاعروں کا انعقاد ہوتا، قرب ونواح کے شعراء اس میں شریک ہوتے، آپ ۲۹/۵/۱۴۲۹ھ مطابق ۵؍جون ۲۰۰۸ء کو آغوش رحمت میں چلے گئے، آپ کے جدامجد جناب عبدالحق صاحب ذاکر وشاغل اور صاحب نسبت بزرگ تھے، آپ کھنڈہ ضلع اعظم گڑھ کے ایک نقشبندی بزرگ حافظ حامد حسن صاحب سے بیعت تھے، حاجی تھے، میاں جی تھے، نکاح پڑھاتے تھے، اوران کو بہشتی زیور پر عبور حاصل تھا، اس کی جزئیات ازبر تھیں۔

ناظرۂ قرآن اور ابتدائی اردو کی تعلیم اپنے والد ماجد اور بڑی ہمشیرہ سے حاصل کی، بعدازاں مکتب میں درجۂ اول میں داخل کئے گئے، آپ کے پرائمری کے اساتذہ میں حافظ عبدالغنی صاحب، مولوی محمد یوسف صاحب اور ماسٹر شفیع احمد صاحبؒ ہیں، آپ نے پرائمری درجۂ پانچ کا امتحان ۲۲؍اپریل ۱۹۶۲ء کو نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کیا۔

فارسی اور کچھ عربی کی ابتدائی تعلیم اپنی بستی میں مولوی عبدالستار صاحب اور مولوی ممتاز احمد صاحب سے حاصل کی، ۱۳ سال کی عمر میں شوال ۱۳۸۳ھ میں جامعہ احیاء العلوم مبارکپور کے عربی دوم میں داخل ہوئے، یہاں آپ نے ۱۳۸۸ھ تک عربی پنجم تک تعلیم حاصل کی، یہاں کے قابل ذکر اساتذہ میں مولانا زین العابدین صاحبؒ اور مولانا مسلم صاحبؒ ہیں۔

شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء کو دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی ششم میں داخل ہوئے، آپ کے اسباق مولانا سالم صاحب، مولانا قمرالدین صاحب اور مولانا اختر حسین

میاں صاحب کے پاس تھے اور باقاعدہ آپ نے تکمیلِ فضیلت ۱۳۹۰ھ میں دارالعلوم حسینیہ چلہ امروہہ سے کی جہاں آپ نے مولانا افضال الحق صاحب جوہر، مولانا عبدالمنان صاحب مظفر پوری، مولانا عطاء اللہ صاحب دیوریاوی اور مولانا یحییٰ صاحب امروہی سے مختلف حدیث کی کتابیں پڑھیں، بعد فراغت آپ نے قرآن کریم بھی حفظ کیا۔

فراغت کے بعد آپ نے میسور میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دئے، اس عرصہ میں آپ کے وعظ اور تقریروں کا پورے شہر میں ڈنکا بج رہا تھا؛ لیکن اکابر کے اصرار پر یہ سلسلہ صرف ایک سال تک رہا، پھر جامعہ اسلامیہ بنارس میں ایک سال، مدرسہ دینیہ غازیپور میں نو سال، وصیۃ العلوم الہٰ آباد میں چار سال، ریاض العلوم گورینی میں چار سال اور مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں ۱۹۸۹ء تا ۲۰۱۳ء یعنی پچیس (۲۵) سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، اور رواں تعلیمی سال (شوال ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء) سے آپ سراج العلوم چھپرہ سے متعلق ہوگئے تھے اور یہیں آپ کی ابدی آرام گاہ بنی، درس نظامی کی تمام کتابیں آپ کے زیر درس رہیں اور حدیث میں مسلم شریف، نسائی شریف اور مشکوٰۃ شریف کا بھی آپ نے درس دیا۔

آپ نے راہِ سلوک طے کرنے کے لئے حضرت مولانا عبدالواحد صاحب پاکستانی کے دستِ حق پر بیعت کیا، آپ کو خلافت واجازت سے بھی سرفراز کیا گیا، آپ کے خلفاء میں مفتی تبارک صاحب پورنوی اور قاری عبدالحسیب صاحب انجان شہید اعظم گڑھ ہیں۔

آپ نے مختلف موضوعات پر ۳۰ سے زائد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، جن میں زیادہ مشہور ''حیات مصلح الامت، بطواف کعبہ رفتم، تہجد گذار بندے، اخلاق العلماء، حکایتِ ہستی، منصبِ تدریس اور حضرات مدرسین، مدارس اسلامیہ مشورے اور گذارشیں'' ہیں۔

آپ کے پسماندگان میں سات صاحبزادگان مولانا عارف، مولانا عادل، مولانا عابد قاسمی، مولانا عامر قاسمی، مولانا راشد قاسمی، مولانا عرفات قاسمی اور عزیزم محمد احمد سلمہ اللہ

تعالیٰ ہیں۔اور تین صاحبزادیاں اور آپ کی اہلیہ محترمہ ہیں، اہلیہ محترمہ دیندار، عبادت گذار، شب بیدار، عابدہ، زاہدہ اور ایک نیک سیرت خاتون ہیں۔آپ کی تمام اولاد کی تربیت میں آپ کی اہلیہ محترمہ کا بڑا ہاتھ ہے۔(از: امداد الحق بختیار)

❑❑❑

(۱۲) مولانا شعیب انجم صاحب

بانی و مہتمم مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی

مولانا شعیب انجم صاحب موضع پروہی، مضافات مدھوبنی، صوبہ بہار کے رہنے والے ہیں، از ابتداء تا انتہاء مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں پڑھا، فراغت کے بعد دہلی چلے گئے، وہاں پہلے ایک مکتب کی بنیاد ڈالی، بعدہ وہ مکتب ایک ادارے (مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی) کی شکل میں نمودار ہوا، اب اس مدرسہ میں حفظ کے ساتھ ساتھ درس نظامی میں شرح جامی (اور اب دورہ حدیث) تک عربی کی تعلیم ہوتی ہے، تقریباً دوسو طلبہ (اب اس تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے) زیر تعلیم ہیں، جن کے قیام وطعام کا مدرسہ ہی کفیل ہے، حضرت استاذ مکرمؒ تاحیات اس مدرسہ کے نگراں رہے، سالانہ جلسہ آپ ہی کی صدارت میں ہوتا تھا، اکثر احقر (مولانا محب الحقؒ) بھی ہمراہ ہوتا تھا، ماشاءاللہ یہ ادارہ کافی ترقی پر ہے۔(فیضان نسیم، ص: ۲۴۹)

❍❖❍

مذکورہ بالا علماء کے علاوہ بھی اہل علم و دانش کی ایک لمبی فہرست ہے، جن سے حضرت والد صاحبؒ کے اچھے تعلقات تھے، جیسے حضرت مفتی محمد سلمان منصور پوری، حضرت مولانا معز الدینؒ جمعیۃ علماء ہند، مولانا خلیل الرحمان سجاد نعمانی، مولانا عتیق الرحمان سنبھلی اور مولانا عبدالحمید نعمانی وغیرہم، طوالت کے پیش نظر اسی قدر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

❑❑❑

چوتھی فصل

مولانا محبّ الحق

جنابِ افسرامروہوی

ناظرِ حسنِ شریعت تھی محبّ الحق کی ذات
ہر طرح پابند سنت تھی محبّ الحق کی ذات

کام کوئی بھی خلافِ حکمِ پیغمبرؐ نہ تھا
ہاں علاجِ شرک و بدعت تھی محبّ الحق کی ذات

کفر اور الحاد کے شعلوں سے بچ جاتے تھے لوگ
آگ کے صحرا میں جنت تھی محبّ الحق کی ذات

عیش و عشرت کے یہ ساماں اور یہ اونچے مکاں
سب فسانہ ہیں حقیقت تھی محبّ الحق کی ذات

رحمت للعالمیںؐ کے سایۂ رحمت میں تھے
اس لیے رحمت ہی رحمت تھی محبّ الحق کی ذات

خادمِ حضرت فریدیؒ ہی رہے وہ عمر بھر
واقعی خدمت ہی خدمت تھی محبّ الحق کی ذات

دوستی کا اُن کی افسرؔ کو شرف حاصل ہوا
حاملِ اخلاص نیت تھی محبّ الحق کی ذات

مرثیہ

بروفات حضرت مولانا محبّ الحقؒ

نتیجۂ فکر: مولانا نسیم ارشد قاسمی
مدرس جامعہ محمدیہ عربیہ شاہ جنگی، بھاگلپور، بہار

رفعت کے اک منار تھے استادِ محترم
با رعب ذی وقار تھے استادِ محترم

حالاتِ زندگی کبھی غالب نہ آسکے
ہر رُت میں پُر بہار تھے استادِ محترم

ترکِ وطن کا حکم بجا لائے تاحیات
ایسے وفا شعار تھے استادِ محترم

علم وعمل، ورع، حسنات وفیوض کے
خاموش آبشار تھے استادِ محترم

راہِ خدا کے رہبر حق اور جہاں نما
جاں باز شہسوار تھے استادِ محترم

شیخِ زماں فریدیؒ کے علمی رموز میں
یکتائے روزگار تھے استادِ محترم

لکھ اے نسیمؔ یہ بھی کہ باطل کے سامنے
اک تیغِ آبدار تھے استادِ محترم

مصفّٰی دل نہایت پاک داماں تھے محبّ الحق

از: مولانا محمد غفران قاسمی بانکوی
استاذ گورنمنٹ اپ گریڈ ہائی اسکول چلنا، دھوریہ، بانکا، بہار

بڑے ہی خوش وضع اور دُرِّ تاباں تھے محبّ الحق
سراپا آئینہ دل نیک انساں تھے محبّ الحق

ہمیشہ کشتِ ویراں پر انھوں نے آب پاشی کی
کھلائے گل بیاباں میں گل فشاں تھے محبّ الحق

بجھائی پیاس اُن سے تشنۂ علمِ رسالت نے
یقیناً ایک بحرِ علم وعرفاں تھے محبّ الحق

نبی کی سنتیں پیوست تھیں ہر اک رگِ تن میں
طریقِ دین احمد کے نگہباں تھے محبّ الحق

رضائے رب سدا مدِ نظر رہتی تھی دنیا میں
مصفّٰی دل نہایت پاک داماں تھے محبّ الحق

ہزاروں آنکھوں کو تسکین ملتی تھی زیارت سے
زمیں پر گویا اک ماہ درخشاں تھے محبّ الحق

صفات اُن کی بیاں کیسے کروں غفرآں لفظوں میں
نسیم گلستاں روح بہاراں تھے محبّ الحق

وہ نہیں ہیں آج پر ان کا خیال آیا بہت

نتیجۂ فکر: مولانا سیف الرحمٰن ندوی
استاذ جامعہ رحمانی مونگیر، بہار

یاد نے ان کی ہمارے غم کو دہرایا بہت
وہ نہیں ہیں آج پر ان کا خیال آیا بہت

تھا قرآن پاک سے ان کو بہت گہرا شغف
سنت نبوی کو بھی ہر وقت اپنایا بہت

زہد وتقوی بھی تھا ان میں خُلق کے مظہر بھی تھے
صابر وقانع بھی تھے کہ صبر دکھلایا بہت

جامعہ (ا) میں فکر وفن کے چشمۂ جاری تھے وہ
ان کے جانے سے چمن کا پھول مرجھایا بہت

ہاں محبّ الحق تھے اپنی ذات میں اک انجمن
اس لیے رخصت نے ان کی سب کو تڑپایا بہت

حضرت استاذ (۲) کے حق میں سراپا تھے مطیع
سمع و طاعت کا انھوں نے حق بجالایا بہت

ہم پہ ان کا دست شفقت سائباں سے کم نہ تھا
بعد ان کے بادلوں نے دھوپ برسایا بہت

کیسے کیسے آسماں بھی آگئے زیر زمیں
"باکمالوں پہ زمانے میں زوال آیا بہت"

ان کی رحلت سے یقیناً زندگی آساں نہ تھی
ہم نے لیکن سیفؔ اپنے دل کو سمجھایا بہت

---

(۱) جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ۔ (۲) مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ۔

مختصر کوائفِ مولف

نام	:	امداد الحق بختیار
ولدیت	:	مولانا محبّ الحقؒ تلمیذ مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ
پیدائش	:	یکم جمادی الاولی ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵/فروری ۱۹۸۲ء
آبائی وطن	:	موضع پروہی، بلاک بسفی، ضلع مدھوبنی، بہار
حالیہ اقامت	:	شیورام پلی، حیدرآباد، تلنگانہ ۵۰۰۰۵۲
رابطہ نمبر وایمیل	:	Mob: +91 9032528208 - 8328083707
		Mail: ihbq1982@gmail.com
ابتدائی تعلیم	:	مدرسہ حسینیہ دارالعلوم پروہی، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ۔
تکمیل ناظرہ وحفظ	:	جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۷ھ
دو سالہ قراءت حفص	:	جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ ۱۹۹۸ء/ ۱۴۱۹ھ
فارسی تا چہارم عربی	:	جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ ۱۴۲۰ھ-۱۴۲۳ھ
پنجم تا دورہ حدیث	:	دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۴ھ-۱۴۲۸ھ
تکمیل ادب	:	دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۹ھ
تکمیل افتاء	:	دارالعلوم دیوبند ۱۴۳۰ھ
تدریس، مفوضہ کتب وذمہ داریاں	:	جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد از: ۱۴۳۱ھ تا حال
درہ حدیث	:	ترمذی شریف جلد اول

شعبہ عربی ادب : اسالیب الانشاء، کتابۃ مذکرہ یومیہ، تدریب علی النطق

شعبہ افتاء : درمختار وتمرین فتاوی

صدر : شعبہ عربی ادب دارالعلوم حیدرآباد

رئیس تحریر : عربی مجلہ الصحوۃ الاسلامیہ، دارالعلوم حیدرآباد

ترتیب وتالیف : (۱) حیات فریدی (سوانح حیات مفتی نسیم احمد فریدی امروہی، مصنفہ مولانا محبّ الحقؒ) (۲) ایمان کیا ہے؟ (۳) مولانا محبّ الحق نقوش وتاثرات (۴) ٹخنوں سے نیچے کپڑے پہننا (۵) کتاب المسبوق (۶) دس بشارت یافتہ صحابہؓ۔ (زیرِطبع)

تعریب : (۱) اقوال السلف، للشیخ قمرالزمان الإلہ آبادی (ج۳، ۸) (۲) الأدلة قائمة، للمفتی عبد العزیز أحمد بتیل (۳) إصلاح النفس فی ضوء أصول الدعوة والتبلیغ، للمقرئ محمد طیب رئیس دار العلوم دیوبند الأسبقؒ۔

وغیر ذلك من الكتب الأردية.

اردو ترجمے : (۱) متشابہات قرآنی، فرحات سعید عکیزی ریاض، (۲) محمد مصطفیٰ بے مثال نبی ﷺ، عثمان نوری طوپباش ترکی (۳) علوم قرآن تاریخ واقسام۔

مقالات : ملک وبیرون ملک کے متعدد معیاری مجلّات واخبارات میں درجنوں علمی وتحقیقی اردو اور عربی مقالات ومضامین شائع ہوئے،

عربی خطوط : مختلف موضوعات پر سینکڑوں کی تعداد میں عربی خطوط۔

سیمینار : قومی وبین الاقوامی مختلف فقہی، ادبی اور شخصیاتی سیمیناروں میں شرکت۔

□□□

MAULANA MUHIBBUL HAQUE
NUQOOSH-O-TA'ASSURAT

By

Imdadul Haque Bakhtiar

اس کتاب میں

مولانا امدادالحق صاحب قاسمی جو" الولد سر لأبیہ " کا صحیح مصداق ہیں، جن کو عربی اور اردو دونوں زبان پر اللہ نے بے پناہ قدرت کے ساتھ ساتھ خاصان خدا اور اہل اللہ سے عقیدت ومحبت کا ذوق بھی عطا کیا ہے، انھوں نے اپنے ذی مرتبت والد گرامی کے حالات زندگی کو نہایت معتبر و مستند ذرائع سے اتنے سلیقہ سے مرتب کردیا ہے کہ ان کے علاقے اور ضلع مدھوبنی کی جغرافیائی تفصیلات وتاریخی احوال، مولانا محب الحق صاحبؒ کے سلسلۂ نسب، خاندان وبرادران کی مکمل تفصیل، خود ان کے ابتدائی حالات، تعلیمی مراحل، حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی سے قربت وتعلق اور ان کے اصلاحی وتحریری مشن کو جاری رکھنے کی فکر ولگن، یہ تمام چیزیں نمایاں ہوکر سامنے آگئی ہیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف کی حیات وخدمات پر وقت کے ارباب علم وفن، اصحاب فکر ونظر کے زریں مضامین واقوال کو بھی جگہ دے کر اس کتاب " مولانا محب الحق - نقوش وتاثرات " کو صاحب سوانح کی حیات وخدمات پر ایک قیمتی اور مستند دستاویز بنادیا ہے، جو بعد میں کام کرنے والوں کے لیے ایک بہترین ماخذ ثابت ہوگی۔

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مدیر مجلہ رشد وہدایت

ISBN 978-81-960293-9-5

978-81-960293-9-5

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA

www.ephbooks.com